# پاکستانی خواتین کے معاشی مسائل کا حل
# صحابیات کی معاشی سرگرمیوں کے تناظر میں

(تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ)

**تحقیقی مقالہ برائے ایم فل علوم اسلامیہ**


مقالہ نگار
عاطف قادر
رول نمبر MP-IS-AF16-ID-012

نگران مقالہ
ڈاکٹر نور حیات خان
ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، نمل

شعبہ علوم اسلامیہ
فیکلٹی آف سوشل سائنسز
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد


ستمبر 2016

# پاکستانی خواتین کے معاشی مسائل کا حل
# صحابیات کی معاشی سرگرمیوں کے تناظر میں

(تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ)

**تحقیقی مقالہ برائے ایم فل علوم اسلامیہ**


مقالہ نگار

عاطف قادر

رول نمبرMP-IS-AF16-ID-012

نگران مقالہ

ڈاکٹر نور حیات خان

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ نمل

شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد


ستمبر 2016

بسم الله الرحمن الرحيم

# منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

# (Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھااور مقالہ کے دفاع کو جانچاہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **پاکستانی خواتین کے معاشی مسائل کا حل صحابیات کی معاشی سرگرمیوں کے تناظر میں**

**(تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ)**

نام ڈگری: ایم فل علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: عاطف قادر

رجسٹریشن نمبر: MP/IS/ AF16-ID-012

ڈاکٹر نور حیات خان
(نگران مقالہ)
________________
نگران مقالہ کے دستخط

پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی
(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)
________________
ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز کے دستخط

بریگیڈیئر محمد ابراہیم
(ڈائریکٹر جنرل)
________________
ڈائریکٹر جنرل کے دستخط

تاریخ: ________________

# حلف نامہ فارم

# (Candidate declaration form)

میں عاطف قادر ولد محمد عبدالقادر

رجسٹریشن نمبر MP/IS/AF16-ID-012

طالبعلم، ایم فل، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ بعنوان: **پاکستانی خواتین کے معاشی مسائل کا حل صحابیات کی معاشی سرگرمیوں کے تناظر میں**

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور محترمہ **ڈاکٹر نور حیات خان** ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ نمل کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: عاطف قادر

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

# انتساب

میں اپنی اس ادنی سی کاوش کو اپنے والدین، اساتذہ، مادر علمی ادارہ علوم اسلامی اسلام آباد اور ان دوستوں کے نام کرتا ہوں جنہوں نے میری تعلیمی زندگی میں رہنمائی اور مدد فراہم کی۔ جن کی کوششوں کی بدولت آج میں اس مقام پر پہنچا۔

# اظہار تشکر

سب سے پہلے شکر ادا کرتا ہوں اللہ رب العزت کا جس کی توفیق زندگی کے ہر قدم پر میرے ساتھ رہی۔ درود وسلام محمد عربیؐ پر کہ جس نے اس دنیا میں آکر علم کا شمعہ روشن کیا۔ بعد ازاں میں اپنے تمام محسنوں کا جنہوں نے مقالہ نگاری کے دوران میرے ساتھ تعاون اور مدد کی ان سب کا شکر گزار ہوں، خصوصاً اپنے سپروائیزر **ڈاکٹر نور حیات خان،** صدر شعبہ علوم اسلامیہ نمل کا، یہ مقالہ انہی کی شفقت اور نگرانی کا نتیجہ ہے۔

اس کے علاوہ شعبہ علوم اسلامیہ کے تمام فیکلٹی ممبرز جناب پروفیسر ڈاکٹر عبد الغفار بخاری، سابقہ صدر شعبہ علوم اسلامیہ اور دیگر اساتذہ کرام کا شکر گزار ہوں جن کے دست شفقت ہمارے سروں پر رہے۔

# ABSTRACT


Economic issues are under discussion all over the world because there is scarcity of sources while necessities are countless. Muslims and non Muslim scholars have related the economy with the survival of human being on the surface of earth.

Followers of world's religions have put their best in solving the economic problems but no religious person has ever succeeded in doing so because every religion except Islam promotes asceticism. Instead of this Islam has motivated its followers to earn wealth and it has clarified the concept of "Halaal" and "Haraam".

Women, in every civilization, have always been working with men for the sake of earning. Many of its examples can be found in pre Islamic history and in Islamic history as well. Examples of Eve, Maryam and daughters of Shoaib as can be put forward in this regard.

Islam has assigned men for earning however women are also allowed to do so when there is compulsion. This is the reason we find various women taking part in economic activities. They worked in trade, agriculture, gardening, cattling, education, cloth industry, lather industry, warfare, medical treatment and fosterage.

There have been serious attempts to provide rights to women on legal grounds. Constitution of 1956, 1962 and 1973 have been designed according to this. Instead of making laws, women are facing financial problems.

Women try to do job in order to tackle with financial problems but they face problems during jobs too. They are facing following problems

1. Scarcity of medical facilities
2. Gender discrimination in salaries.
3. Sexual harassment from bosses and land lords.
4. Lack of education
5. Lack of trainings
6. Lack of cooperation from family.
7. Scarcity of sources
8. Lack of communication
9. Tough timings of job
10. Unavailability of transportation
11. Unavailability of baby day care centers (for working mothers)

This thesis deals with the issues faced by working women in Pakistan. The research contains authentic data taken from reliable sources and it's been analyzed in the light of Quran and Sunnah.

| صفحہ نمبر | فہرست عنوان | نمبر شمار |
|---|---|---|
| V | انتساب | 1 |
| vi | اظہار تشکر | 2 |
| vii | ABSTRACT | 3 |
| x | تعارف | 4 |
| xi | بیان مسئلہ | 5 |
| xii | موضوع تحقیق پر سابقہ کام کا جائزہ | 6 |
| xii | تحدید موضوع | 7 |
| xii | مقاصد تحقیق | 8 |
| xiii | تحقیق سے متعلق بنیادی سولات | 9 |
| xiii | اسلوب تحقیق | 10 |
| 1 | باب اول: کسب معاش، ضرورت واہمیت اور فضیلت | 11 |
| 2 | فصل اول: معیشت کی تعریف | 12 |
| 10 | فصل دوم: معاشی مسئلہ | 13 |
| 18 | فصل سوم: کسب معاش کی ضرورت واہمیت | 14 |
| 28 | فصل چہارم: کسب معاش کی فضیلت | 15 |
| 35 | فصل پنجم: معاش کی ذمہ داری | 16 |
| 44 | باب اول کا خلاصہ | 17 |
| 45 | باب دوم: صحابیات کی معاشی سر گرمیاں | 18 |
| 48 | فصل اول: تجارت کے میدان میں صحابیات کے کارنامے | 19 |
| 52 | فصل دوم: کاشت کاری کے میدان میں صحابیات کے کارنامے | 20 |
| 57 | فصل سوم: تعلیم کے میدان میں صحابیات کے کارنامے | 21 |
| 68 | فصل چہارم صنعت وحرفت کے میداں میں صحابیات کے کارنامے | 22 |
| 71 | فصل پنجم: فوجی میدانوں میں صحابیات کے کارنامے | 23 |
| 81 | فصل ششم: طب کے میدان میں صحابیات کے کارنامے | 24 |
| 83 | فصل ہفتم: شعبہِ رضاعت میں صحابیات کے کارنامے | 25 |

| صفحہ نمبر | فہرست عنوان | نمبر شمار |
|---|---|---|
| 88 | خلاصہ باب | 26 |
| 89 | باب سوم: پاکستانی عورت کے معاشی مسائل | 27 |
| 90 | فصل اول: پاکستانی عورت کی معاشی حالت | 28 |
| 93 | فصل دوم: خواتین کی جائداد اور تقسیم میراث کا مسئلہ | 29 |
| 102 | فصل سوم: خواتین کے نان ونفقہ کے مسائل | 30 |
| 116 | فصل چہارم: حق مہر کا مسئلہ | 31 |
| 124 | باب کا خلاصہ | 32 |
| 126 | باب چہارم: پاکستانی عورت کے میادین معیشت،اور درپیش مسائل کا حل | 33 |
| 127 | فصل اول: عورت کی ملازمت کے اصول اور ضوابط کا جائزہ | 34 |
| 137 | فصل دوم: خواتین کی جائداد اور تقسیم میراث کا مسئلہ | 35 |
| 147 | فصل سوم: تجارت کے میدان میں عورت کا کردار اور مسائل کا حل | 36 |
| 161 | فصل چہارم: عسکری میدان میں عورت کا کردار اور مسائل کا حل | 37 |
| 167 | فصل پنجم: طبّی میدان میں عورت کا کردار اور مسائل کا حل | 38 |
| 178 | فصل ششم: علم کے میدان میں عورت کا کردار اور مسائل کا حل | 39 |
| 187 | خلاصہ باب | 40 |
| 188 | نتائج بحث | 41 |
| 190 | سفارشات | 42 |
| 192 | فہرست آیات | 43 |
| 194 | فہرست احادیث | 44 |
| 196 | فہرستِ اعلام | 45 |
| 202 | فہرست اماکن وبلدان | 46 |
| 203 | فہرست مصادر و مراجع | 47 |

## تعارف

انسان کا پیدائشی مسئلہ معاش کا مسئلہ ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ معاش انسانی زندگی میں کتنا اہم ہے۔ معاشی مسئلے کی اہمیت اپنی جگہ لیکن ہمارے معاشرے کی عمومی سوچ اس مسئلے کو انسانیت کا مشترکہ مسئلہ جان کر مشترکہ حل ڈھونڈنے کے بجائے ایک صنف کو بوجوہ اس عمل سے لاتعلق کرتی ہے۔ اس سوچ کے مطابق عورت کا کام صرف بچہ پیدا کرنا ہے جبکہ معاشی کفالت کا ذمہ دار مرد ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا عورت کو معاشی کردار کی ادائیگی سے محروم کرنا مناسب ہے؟

اللہ تعالٰی نے معاشی مسئلے کے حل کے لئے مناسب ذرائع کو خلق کیا ہے جیسے زمین، پانی، پہاڑ اور اِن کے اندر کے خزانے وغیرہ اور انسان کو عقل جیسی نعمت سے سرفراز فرما کر کچھ رہنما اُصول بھی عطا کئے ہیں اور انسان یعنی مرد اور عورت دونوں کو اس آزمائش میں ڈال دیا ہے کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں۔ پروردگار نے یہ قانون بنایا ہے کہ عمل کی بنیاد پر انسان کی جزاؔ اور سزا کا تعین کیا جائے۔ یہ آزمائش مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے اس لئے کسی بھی صنف کو اس عمل سے محروم رکھنا خدا کے ہاں بجائے خود ایک جرم شمار ہو سکتا ہے

معروضی حالات اس طرح ہو سکتے ہیں کہ ایک عورت وقتی طور پر معاشی سرگرمیوں سے دور رہے لیکن اس طرح کے حالات مرد کو بھی پیش آ سکتے ہیں۔ مثلاً پاکستان میں ایسے مردوں کی کمی نہیں ہے جو مختلف قدرتی وجوہات کی بنا پر یا اپنی بداعمالیوں (جیسے نشے کی لت میں مبتلا ہونا) کی وجہ سے خاندان کی کفالت میں اپنا حصّہ ڈالنے کے بجائے گھر کی معیشت پر بوجھ بنے ہوئے ہیں۔ لہٰذا عورت کو معاشی سرگرمیوں سے بری الذمہ قرار دینا زمینی حقائق کے بھی برخلاف ہے۔

مزید یہ کہ معاشی مسائل کے لئے حل تلاش کرنے کے اس عمل میں معاشرے کے بہت سارے قواعد و ضوابط اور اقدار پروان چڑھ جاتے ہیں جس سے ایک معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ مثلاً سابق سوویت یونین معاشرے کی بنیاد کمیونسٹ معاشی نظام پر مبنی تھی جو اپنے رہن سہن اور روّیوں میں باقی دنیا میں موجود سرمایہ دارانہ معاشروں کے رہن سہن اور روّیوں سے بالکل مختلف تھا اور یہ اختلاف زیادہ تر معاشی نظام میں اختلاف کی وجہ سے تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معیشت اور اس سے جڑے ہوئے مسائل کس طرح معاشرے کی تشکیل کرتے ہیں۔ لہٰذا عورتوں کو یا معاشرے کے کسی بھی طبقے کو معاشی سرگرمی سے دور رکھنے کا مطلب معاشرے کے قواعد و ضوابط اور اقدار پر اجارہ داری قائم کرنا ہوگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے انسانی زندگی کے لئے رہنما اُصول مقرر کئے ہیں جن کے اندر رہ کر ہر زمانے کا انسان نہ صرف معاشی بلکہ کسی بھی مسئلے کا تخلیقی حل تلاش کر سکتا ہے جو اُس زمانے کے لحاظ سے بہترین حل ہو سکتا ہے۔

لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہی حل ہر زمانے کے اُن جیسے مسائل کے لئے بھی بہترین حل ہو۔ مثلاً ماضی قریب میں انسان زراعت کا کام ہاتھوں سے کرتا تھا جو شاید اُس وقت کے لئے ایک بہترین طریقہ تھا لیکن آج کے انسان نے زراعت کے نت نئے طریقے ایجاد کئے ہیں اور عین ممکن ہے کہ آنے والے دور کا انسان وہ حل تلاش کرے جس کے بارے میں آج کے انسان نے سوچا تک نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ بہتر سے بہتر کی تلاش کا یہ عمل رکنے والا نہیں ہے کیونکہ یہی قانون فطرت ہے۔

اس ارتقائی سفر کے نتیجے میں انسانی عقل کی نشو نما ہوتی ہے جو اس عقل کے خالق کا منشأ ہے۔ ظاہر ہے اس عقلی نشو و نما میں عورت اور مرد برابر کے شریک ہیں۔ تبھی تو قرآن پاک میں بے شمار جگہ میں عقل کے استعمال کے واضح احکامات بلا تخصیص صنف آئے ہیں۔ نتیجے کے طور پر قانون قدرت یہ ہے کہ مسئلہ چاہے معاشی ہو یا کوئی اور اس کا کوئی مستقل حل پہلے سے موجود نہیں ہے۔ ورنہ عقلی اور عملی ارتقا کا سفر کہیں رک جاتا' اور اسلام کے اس آفاقی حکم کا جواز نہ ہوتا کہ انسان (نہ کہ صرف مرد) نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرے۔

اس ساری بحث سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ ارتقا کے اس انسانی سفر میں عورت اور مرد کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ اسلامی تاریخ عورتوں کے کارناموں سے بھرپور ہے۔ میدان چاہے تجارت کا ہو یا طب کا یا کوئی اور میدان ہو' خواتین نے اپنی قابلیت اور صلاحیت کے وہ جھنڈے گاڑے ہیں کہ رہتی دنیا تک اِن کی مثالیں انسانیت کی رہنمائی کرتی رہیں گی۔

## بیان مسئلہ

عورتوں کو معاشی پہلو سے کثیر مسائل کا سامنا ہے جن کا آغاز اس کی پیدائش سے ہو جاتی ہے کیونکہ اسے منحوس گردانا جاتا ہے اسے ذاتی ملکیت سمجھتے ہوئے جائداد بچانے کے لئے ساری عمر مجرد رکھ جاتا ہے بعض لوگ اسے بکاؤ مال سمجھتے ہیں اور شادی کے نام پر ایک بڑی رقم کے عوض اسے گویا فروخت کر دیتے ہیں جب صنف نازک کے ساتھ یہ معاملہ کیا جاتا ہے تو اسکے نان و نفقہ سے متعلق مسائل سامنے آتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ملازمت کی طرف مائل ہوتی ہے اور یوں عورت کے معاشی کرادر کا سوال اٹھتا ہے۔ اس ضمن میں ملازمت کاروبار کی نوعیت شرائط حدود آداب جیسے نکات زیر بحث آتے ہیں۔

مقالہ ھذا میں دور حاضر میں عورتوں کو پیش امدہ مسائل اور ان کے نتیجے میں سامنے آنے والے عورتوں کے معاشی کردار اور دائرہ عمل کا صحابیات کے معاشی سر گرمیوں کو مد نظر رکھ کر جائزہ لیا جاے گا۔

## موضوع تحقیق پر سابقہ کام کا جائزہ:

اس سے پہلے معاشیات کے مختلف موضوعات پر کام کیا گیا ہے تاہم خواتین کے معاشی مسائل کا حل صحابیات کے معاشی سر گرمیوں کے تناظر میں زیر بحث نہیں لایا گیا ہے اس موضوع پر کام کرنے کے لئے کے درج ذیل کتب و مقالہ جات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

۱۔ صحابیاتؓ، نیاز فتح پوری، نفیس اکیڈمی

۲۔ اسلامی معاشرہ اور اس کی تعمیر میں عورت کا حصہ، محمد یوسف اصلاحی

۳۔ مسلمان عورت ابوالکلام ازاد کواپریٹو کیبل پرنٹنگ پرس لاہور

۴، اسلام میں عورت کا مقام۔ ڈاکٹر اسرار احمد، انجمن خدام قرآن لاہور

۵۔ عورت انسانیت کے ائینے میں ایم عبدالرحمن

۶۔ اسلام کا معاشی نظام ڈاکٹر نور محمد غفاری مرکز تحقیق دیا سنگھ ٹرسٹ لابیری لاہور

معاشیات ایک بہت وسیع میدان ہے معاشیات کے موضوع پر مختلف مقالہ جات تحریر کیے گئے ہیں۔

۱۔ پاکستانی عورت کے معاشی مسائل اور کردار، حافظہ ہاجرہ مدنی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

۲۔ عصری معاشی مسائل، حافظ مختار احمد ندیم، ایم فل پنجاب یونیورسٹی

۳۔ عورت کی معاشی سر گرمیاں، ثمرہ ممتاز، ایم۔اے پنجاب یونیورسٹی

۴۔ عہد نبوی میں صحابیات کی معاشرتی سر گرمیاں، روبینہ صفدر، اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

۵۔ فقہ اسلامی کی ترویج واشاعت میں خواتین کا کردار تاریخی و تجزیاتی مطالعہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد۔

۶۔ عالم اسلام کا معاشی بحران اور اسکا حل عبدالشکور چوہدری پی۔ایچ۔ڈی نمل یونورسٹی اسلام آباد۔

مذکورہ کتب اور مقالہ جات میں عورت کی معاشی سر گرمیوں کا تذکرہ موجود ہے اور بعض میں عورتوں کے معاشی مسائل کا بھی تذکرہ ہے لیکں یہ کتب اور مقالہ جات صحابیات کی معاشی سر گرمیوں کو مد نظر رکھ کر عورتوں کے مسائل کا حل پیش نہیں کر رہے ہیں جبکہ زیر نظر مقالہ صحابیات کی معاشی سر گرمیوں کو سامنے رکھتے ہوے پاکستانی خواتیں کو در پیش معاشی مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔

## تحدید موضوع:

معاشیات ایک بہت وسیع میدان ہے اس میں مختلف چیزوں کو بیان کیا جاتا ہے جیسا کہ معاشی اخلاقیات، معاشی قوانین وغیرہ لیکن مقالہ ھذا میں قرآن وحدیث، صحابیات کی معاشی زندگی اور مسلم وغیر مسلم معاشی مفکرین کی آرا کو سامنے رکھتے ہوے دور حاضر کے خواتین کے معاشی مسائل کا حل بیان کیا جاے گا۔

## مقاصد تحقیق

موضوع زیر بحث پر علمی تحقیق سے مقاصد مندجہ ذیل ہیں :

ا۔ معاشرہ میں عورت کے معاشی کردار کو بیان کرنا

۲۔ عورت کے معاشی مسائل اور ان کے حل سے متعلق اسلامی تعلیمات کے روشنی میں آگاہی فراہم کرنا

۳۔ پاکستانی عورت کے معاشی مسائل کے حل کے لئے تجاویز پیش کرنا

۴۔ عورت کے معاشی مسائل کا حل صحابیات کے معاشی زندگی سے تلاش کرنا

## تحقیق سے متعلق بنیادی سوالات

ا۔ شریعت اسلامی میں عورت کو کسب معاش کا کہاں تک حق حاصل ہے ؟

۲۔ عورت معاشرہ میں کس طرح سے معاشی کردار ادا کر سکتی ہیں ؟

۳۔ صحابیات کی معاشی سر گرمیاں دور حاضر کے خواتین کے لئے کس طرح مشعل راہ ہو سکتی ہیں ؟

۴۔ صحابیات کی معاشی سر گرمیوں کی روشنی میں عصر حاضر کے عورت کے لئے مناسب میدان اور ذرائع کیا ہو سکتے ہیں ؟

## اسلوب تحقیق

مقالہ کے تحقیق کے لئے درجہ ذیل اسلوب اختیار کیے گئے ہیں :

ا۔ مقالہ ھذا میں بنیادی اسلوب تحقیق بیانیہ اور تجزیاتی کو اپنایا گیا ہے۔

۲۔ علاوہ ازیں تقابلی ،استنباطی اور استخراجی اسلوب تحقیق سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

۴۔ نیز اس تحقیق میں دستاویزی ریسرچ سے بھی کام لیا گیا ہے۔

# باب اول: کسب معاش، ضرورت واہمیت اور فضیلت

فصل اول: معیشت کی تعریف

فصل دوم: معاشی مسئلہ

فصل سوم: کسب معاش کی ضرورت واہمیت

فصل چہارم: کسب معاش کی فضیلت

فصل پنجم: معاش کی ذمہ داری

# فصل اول: معیشت کی تعریف

## لفظ معاشیات کی لغوی واصطلاحی تحقیق

عربی لغات میں لفظ معاش کے کے مندرجہ ذیل معانی بیان کیے گئے ہیں۔

لفظ ''**معاش** '' عربی زبان کا لفظ ہے اس لفظ کا مادہ اصلی ''**عاش**'' ہے جس کے معنی زندہ رہنے کے ہیں بعض اھل لغت کے نزدیک اس لفظ کا مادہ ''**عیش** '' (**ع۔ی۔ش**) ہے جس کے معنٰی خوراک، رزق اور گزارن کے ہیں۔اس لفظ ''**العیش**'' کا معنی بیان کرتے ہوئے ماہرین لغت نے ملتے جلتے مفاہیم بیان کیے ہیں جن میں سے چند تعریفات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

ابن فارس لکھتے (م ۳۹۵ھ) ہیں کہ

**"المعیشة الذی یقیش بها الانسان من مطعم و مشرب و ما تکو ن بها الحیاة[1]**

" معیشت سے مراد وہ ضروریات زندگی ہیں جن کے ساتھ انسان زندہ رہتا ہے۔ مثلاً خوراک، پانی وغیرہ۔

امام راغب اصفہانی[2] (502ھ) لکھتے ہیں کہ العیش اس زندگی کو کہتے ہیں جو حیوانات کے ساتھ خاص ہے اور یہ لفظ'' الحیاۃ'' کے مقابلے میں خاص ہے کیونکہ **" الحیاۃ "** کا لفظ حیوان، باری تعالٰی اور ملائکہ سب کیلئے استعمال ہوتا ہے اور العیش سے لفظ ''**المعیشة**'' ہے جس کے معنٰی سامانِ زیست، کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جن پر زندگی بسر کی جاتی ہے۔[3]

---

1۔ ابوالحسین، احمد بن فارس بن زکریا، معجم المقاییس اللغۃ، دار الکتب العلمیۃ، ایران، س ن، ۱۹۴/۴

2۔ زندگی کا بیشتر حصہ بغداد اور اصفہان میں گزارا اور قیمتی تصانیف چھوڑیں جن میں۔ ایک رسالہ میں فوائد القرآن لکھے جو اب نایاب ہے، کہتے ہیں علامہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف نے اس سے بہت استفادہ کیا۔ علامہ ذہبی نے ان کا تذکرہ'' طبقات المفسرین'' میں کیا ہے اور امام سیوطی ان کو لغت و نحو کے ائمہ میں شمار کرتے ہیں، مختلف تذکروں میں حکیم، ادیب، مفسر، کی حیثیت سے ان کا تعارف کروایا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف ہمہ فنی امام تھے۔ ان کی معروف تالیفات میں 1۔ محاضرات الادباء۔2۔ حل متشابہات القرآن۔3۔المفردات فی غریب القرآن۔4۔ الذریعہ الی مکارم الشریعہ۔5۔ درۃ التاویل فی غرۃ التنزیل۔6۔ تحقیق البیان فی تاویل القرآن۔7۔ افانین البلاغۃ۔8۔ کتاب الایمان والکفر۔9 ۔ تفصیل النشاتین۔10۔ کتاب احتجاج القراء۔11 ۔ کتاب المعانی الاکبر۔ دیکھیے (الأعلام، خیر الدین الزرکلی، دار العلم للملایین بیروت)

3۔اصفہانی، راغب (امام)، مفردات القرآن، ص: ۷۴۱۔ ۷۴۲

علامہ ابن منظور[1] (م ۷۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ

''**العیش** کا معنی ہے زندگی۔'' یہ **عاش** ، **یعیش** ، **عیشاً** اور **عیشتا** سے بنا ہے اور اس طرح معیشت سے مراد (وہ ذرائع ہیں) جن سے زندگی بیبیر کی جاسکے [2]۔''

ابن منظور افریقی نے زندگی بسر کرنے کے تمام ذرائع کا نام معیشت رکھا ہے۔

محمد بن یعقوب فیروز آبادی[3] (م ۸۱۷ ھ) لکھتے ہیں:

''معیشت سے مراد کھانے پینے کے وہ ذرائع ہیں جن پر زندگی کا دار و مدار ہوتا ہے اور جس سے زندگی بسر کی جاتی ہے۔''[4]

سید احمد دہلوی[5] (1285ھ) لفظ معاش کے لغوی معنی ہیں:

"خوراک، رزق، گزران، اوقات بسری اور وہ شے جس سے زندگی بسر کی جاتی ہے۔[6]

مولانا عبد الحفیظ بلیاوی لکھتے ہیں:

---

1 ۔پیدائش؛1230ء بمطابق 630ھ قاہرہ میں ہوئی مولف لغت، شعر وادب کی تعلیم قاہرہ میں پائی۔ دیوان انشاء میں ملازم ہوئے بعد میں طرابلس کے قاضی بنائے گئے اس کے بعد مصر واپس آگئے زبان وبیان کا بادشاہ تھا عربی زبان میں سب سے جامع مستند اور ضخیم لغت لسان العرب کا مولف ہے۔ اسے عربی زبان کا انسائیکلوپیڈیا کہا جاسکتا ہے۔ لغت بڑے سائز کی بیس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

2 ۔ابن منظور، محمد بن مکرم ،لسان العرب، دار الصادر، بیروت، ۲/۳۲۱،۳۲۲

3۔ابو طاہر مجد الدین محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم شیرازی فیروز آبادی ہندوستان کے ممتاز لغوی، مشہور عربی لغت قاموس المحیط انہی کی تصنیف ہے۔

4۔فیروز آبادی، القاموس المحیط، موسسۃ الرسالۃ، ۲۰۰۵ء، ۱/۲۹۱

5۔ قیام دار العلوم کے تیسرے سال 1285ھ مطابق 1868ء میں مدرس دوم کی حیثیت سے بلایے گئے، محمد یعقوب نانوتوی کی وفات کے بعد دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین بنایے گئے، 6 سال تک اس وہدہ پر رہے، اس عرصہ 28 طلبہ نے ان سے دروہ حدیث کی تکمیل کی۔ صدر مدرسی کے دوران 1306ھ میں حج کیا، محمد قاسم نانوتوی سے باطنی استفادہ کیا۔ 1307ھ مطابق 1885ء میں دار العلوم سے علیحدگی اختیار کر کے بھوپال گئے اور وہیں انتقال کیا۔ (دیکھیے: تاریخ دار العلوم دیوبند جلد 2 صفحہ 178)

6۔دہلوی، سید احمد، فرہنگ آصفیہ، اُردو سائنس بورڈ لاہور، ۴، ۳/ ۳۳۶

"المعاش و المعیشت کھانے پینے کی جس چیز سے زندگی بسر ہو سکے، کو کہتے ہیں۔ زندگی کا ذریعہ معاش کے گزران کے ڈھونڈنے کا وقت یا زمانہ"۔[1]

لہذا عربی لغت سے معلوم ہوا کہ معیشت سے مراد سامان زیست یا کھانے پینے کی وہ اشیاء ہیں جن پر زندگی بسر کی جاتی ہے۔

عربی لغات کی مانند اردو لغات میں بھی اس کلمہ کے مفاہیم بیان کیے گئے ہیں۔

"اردو لغت تاریخی اصلول پر" کے مطابق "معاش سے مراد رزق، روزی اور روزگار کے ہیں اور وہ اشیاء جس سے بسر اوقات کی جائے"[2]۔

بیان اللسان کے مطابق معیشت کے معنی "پنشن" بمعنی تقاعد اور زندگانی کے ہیں[3]۔

مقتدرہ قومی زبان نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ "معاش سے مراد زندگی گزارنے کے لیے سامانِ زندگی ہے"[4]۔

اہلِ لغت کے افکار و تصورات سے آگاہی کے بعد سمجھ میں یہی آتا ہے کہ وہ علم جو انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے طریقہ ہائے کار اور اصول و ضوابط سے بحث کرتا ہے، معاشیات کہلاتا ہے۔

## معاشیات کی اصطلاحی تعریف

معاشیات کو انگریزی زبان میں "Economics" کہتے ہیں جسکا مادہ ایک لاطینی لفظ "Oiko Nomos" ہے جس کے معنی گھریلو ضابطہ کے ہیں۔ جرمن زبان میں اس کو "Politische Oekonomie" اور فرانسیسی زبان میں "Economic Poltique" کہا جاتا ہے۔

یونانیوں نے اس کا نام Ekinomis رکھا جس کو مسلم ادب میں تدبیر منزل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس لفظ کا ترجمہ کیا جائے تو اس کے معنی گھر بار کے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں مذکور ہے "معاشیات انسان کے اس شعبہ زندگی سے بحث کرتا ہے جس کا تعلق اس کے روزمرہ معاشی جدوجہد زندگی سے ہے"[5]۔

---

1۔ بلیاوی، عبدالحفیظ، مصباح الغات، مکتبۃ قدوسیۃ، اردو بازار لاہور، ص ۵۸۷

2۔ اردو لغت تاریخی اصول پر، اردو لغت بروڈ، کراچی، جون ۲۰۰۳، ص: ۲۵۱

3۔ میر ٹھی، زین العابدین سجاد، بیان اللسان، ادارہ علمیہ، میر ٹھ، ۱۹۵۰، صفحہ: ۸۴

4. A.H.H Willine Glossory of Judicial and Revenal term مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵، صفحہ: ۳۱۴

5. Encyclpedia Britannica, , Pub willion Berton, 1973, Vol 6,P. 266

اصطلاحاًاس کا مفہوم یہ ہے کہ علمِ معاشیات وہ علم ہے جس میں انسان کے اس خاص طرزِ عمل کا مطالعہ کیا جا تا ہے جو محدود ذرائع کی مدد سے لا محدود خواہشات کی تکمیل کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ یہاں معاشیات کی تعریف کرتے ہوئے اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ ذرایع کہ جن سے انسانی خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے وہ محدود ہیں اور انسانی خواہشات لا محدود ہیں۔

"Encyclopedia of Social Science" میں معاشیات کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

"Economics deals with a Social phenomenon center about the provision or the material needs of an individual and of the organized group."(1)

معاشیات کا واسطہ ایسے معاشرتی امر سے پڑتا ہے جو ایک فرد سے لیکر منتظم گروہ کی مادی ضروریات کی فراہمی پر اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہے۔

## مسلم مفکرین کے نزدیک معاشیات کی تعریف

مختلف علمائے اقتصادیات نے اپنے علم اور احوال کے مطابق معاشیات کی تعریف مندرجہ ذیل پہلوؤں سے کی ہے۔

ابن خلدون (پیدائش:1332ء-وفات:1406ء) لکھتے ہیں:

**"ان المعاش هو عبارة عن ابتغاء الرز ق و السعى فى تحصيله** (2)

"معاشیات رزق ڈھونڈنے کا اور اس کو حاصل کرنے کی جدوجہد کا نام ہے۔"

**علامہ اقبال لکھتے** (9نومبر،1877تا21اپریل1938) **ہیں:**

1. Encyclopaedia of Social Science , Edwin Rebert Aderson mamcmillan Publishers, 1967 , P: 68

2۔ ابن خلدون، عبدالرحمان، کتاب العبر ودیوان المبتداء والخبر (المقدمہ)، مکتبہ دارالبیان، جلد نمبر، ص: ۳۶۴۔ س ن

"علم اقتصاد علم انسانی کے اس حصے کا نام ہے جس کا موضوع دولت ہے۔ جس کا مقصد یہ معلوم کرنا ہے کہ دولت کی پیدائش، تقسیم، تبادلے اور استعمال کے اصول و اسباب و طریق کیا کیا ہیں۔[1]

سید مناظر احسن جیلانی (پیدائش: یکم اکتوبر 1892ء — وفات: 5 جون 1956ء) لکھتے ہیں:

"معاشیات ایک ایسا علم ہے جس میں انسانی احتیاجات اور ان کی تکمیل کے طریقے اور ذرائع سے بحث کی جاتی ہے"[2]

حفظ الرحمان سیوہاروی (1318ھ/1901) لکھتے ہیں:

"علمی اصطلاح میں ایسے وسائل دریافت کرنے کو کہتے ہیں جو دولت و ثروت کے پیدا کرنے کے مناسب طریقے اس کے خرچ کرنے کے صحیح استعمال اور اس کی ہلاکت و بربادی کے حقیقی اسباب بتا سکیں۔ اس لیے علم الاقتصاد اس علم کا نام ہے جو معاشی وسائل سے بحث کرتا ہے اور ان کے صحیح اور غلط ہونے پر مطلع کرتا ہے"[3]

معاشیات میں انسان کی ان سرگرمیوں کا طالعہ کیا جاتا ہے جن کا تعلق زندگی کے روزمرہ معاملات سے ہوتا ہے اس کے ذریعے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کس طرح دولت کماتا ہے اور اسے کس طرح خرچ کرتا ہے یہ علم انسانی و انفرادی اور اجتماعی کوششوں کے اس حصے کا جائزہ لیتا ہے جس کا اس بات سے گہرا تعلق ہے کہ خوشحال زندگی کے ضامن مادی لوازمات کس طرح حاصل کیے جاتے ہیں پس معاشیات ایک طرف تو دولت کا علم ہے اور دوسری طرف خود انسانی زندگی کے ایک پہلو کا بھی۔

## غیر مسلم مفکرین کے نزدیک معاشیات کی تعریف

مغربی دنیا میں اس علم کو پہلے پہل Political Economy کہا جاتا تھا۔ الفریڈ مارشل[4] نے اس کو Economic Science اور پھر اس کا مخفف Economics استعمال کیا۔ اس وقت یہ علم ریاضیات کی بنیاد

---

1 ۔ محمد اقبال (علامہ)، علم الاقتصاد، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۹۱، ص ۳۷

2 ۔ گیلانی، مناظر احسن، اسلامی معاشیات، مطبع شیخ شوکت علی، ۱۹۶۲، کراچی، مقدمہ ب

3 ۔ سیوہاروی، حفظ الرحمان، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارہ اسلامیات، لاہور، صفحہ: ۱۷

4۔ الفریڈ مارشل، ایف بی اے (26 جولائی 1842 - 13 جولائی 1924) اپنے وقت کے بااثر معاشی ماہر تھے۔ ان کی کتاب، اصولیات برائے اقتصادیات (1890)، کئی سالوں سے انگلینڈ میں غالب اقتصادی درسی کتاب تھی۔

پر تعلیم و تجزیے میں آگیا اور اس کو سیاسیات اور دیگر سائنسی علوم کے مقابلے میں اس وقت تک ایک مستقل حیثیت نہ دی گئی تھی[1]۔

جدید معاشیات کی تعریف میں تنوع پایا جاتا ہے۔اس تنوع کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہر مفکر نے اپنے حالات کے تناظر میں اس علم کی تعریف بیان کی ہے۔اس ضمن میں آدم سمتھ[2] کی تعریف کو بنیادی اور اساسی اہمیت حاصل ہے۔

ایڈم سمتھ نے پہلے پہل معاشیات کو سیاسی معاشیات کے حوالے سے بیان کیا۔اس کا کہنا ہے کہ سیاسی رہنما عوام سے ٹیکس اکٹھا کرتے ہیں اور پھر ملکی وسائل سے بھی اکتساب کرتے ہیں۔ان دونوں ذرائع سے حاصل ہونے والے مال کو عوامی فلاح و بہبود اور ملکی ترقی کے لیے استعمال کرتے ہیں اس مکمل عمل کو سیاسی معاشیات کے ضمن میں رکھا جاتا ہے[3]۔یہی وجہ ہے کہ ایڈم سمتھ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب " An enquiry in the nature and cause of the wealth of nations" میں معاشیات کی تعریف کچھ ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں "Economics is a study of wealth"[4] معاشیات دولت کا علم ہے۔

---

1۔Marshall, Alfred; Marshall, Mary Paley (1888) [1879]. The Economics of Industry. Macmillan. p. 2.

نیز دیکھیں

Jevons, William Stanley (1879). The Theory of Political Economy (second ed.). Macmillan and Co. p. XIV.

Free, Rhona C., ed. (2010). 21st Century Economics: A Reference Handbook. Volume 1. SAGE Publications. p. 8. ISBN 978-1-4129-6142-4.

2 ۔آدم سمتھ (Adam Smith) ایک برطانوی ماہر معاشیات اور فلسفی تھا۔ 1723ء اسکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا۔آکسفورڈ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔گلاسگو یونیورسٹی میں فلسفے کا استاد رہا۔

3. An Inquiry into the Nature and Causes of the Wealth of Nations, Smith, Adam (1776).. and Book IV, as quoted in Groenwegen, Peter (2008). "'political economy'". In Durlauf, Steven N.; Blume, Lawrence E. Political Economy. The New Palgrave Dictionary of Economics (second ed.). pp. 476–480.

4. Economic, Twining Hardly, P. 10

الفریڈ مارشل نے ایڈم سمتھ کی بیان کردہ تعریف کو انتہائی زیادہ تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔الفریڈ مارشل کہتے ہیں کہ اس بیان کردہ تعریف سے معاشیات صرف ایک شیطانی علم بن کر رہ جاتی ہے اسی لئے انہوں نے اسے شیطانی علم (Dismal Science)اور دولت پرستی کا علم (mammon worship)قرار دیا ہے۔انہوں نے اس تعریف کو رد کرنے کے بعد خود معاشیات کی تعریف کی ہے۔

> Economics is a study of man's action in the ordinary business of life; it equerries how he gets his income and how he uses it."It examines how that part of individual and social action which is most closely connected with the attainment and with the use of material requisites of well-being. "thus economics is on one side a study of wealth, and the other, and more important side, a part of the study of man(1)."

"علم معاشیات وہ علم ہے کہ جس میں انسان کی ان معاشی سرگرمیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے کہ جن کا تعلق انسانی زندگی کے روزمرہ معاملات سے ہوتا ہے۔اس علم سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان دولت کیسے کماتا ہے اور اس دولت کو کیسے خرچ کرتا ہے۔علم معاشیات انسان کی انفرادی اور اجتماعی کوششو ں کے اس حصے کا جائزہ لیتا ہے جس کا اس بات سے گہرا تعلق ہوتا ہے کہ خوشحال زندگی کے ضامن مادی مادی لوازمات کس طرح حاصل کیے جاتے ہیں۔پس معاشیات ایک طرف تو دولت کا علم ہے اور دوسری طرف خود انسانی زندگی کے ایک پہلو کا بھی۔"

پروفیسر رابنز نے معاشیات کی تعریف ان الفاظ میں پیش کی ہے "معاشیات انسان کے اس طرز عمل کا مطالعہ کرتا ہے، جو خواہشات کے بے شمار ہونے اور ذرائع کے محدود ہونے کی بناپر اختیار کیا جاتا ہے۔جب کہ یہ ذرائع مختلف طور پر استعمال ہو سکتے ہوں"(2)۔

---

1 ۔Marshall, Alfred (1890). Principles of Economics. Macmillan and Company. pp. 1–2.

2 ۔Robbins, Lionel (2007) [1932]. An Essay on the Nature and Significance of Economic Science. Ludwig von Mises Institute. p. 15.

انہوں نے اپنی اس تعریف کی بنیاد انسانی زندگی کی مندرجہ ذیل حقیقتوں پر رکھی ہے:

(اول)انسان کی خواہشات بہت زیادہ ہیں۔

(دوم)ان خواہشات میں سے بعض زیادہ اہم ہوتی ہیں اور بعض کم اہم۔

(سوم)انسانی خواہشات کو پورا کرنے کے ذرائع (یعنی دولت یا اشیاء خدمات) تھوڑے ہیں۔

(چہارم)ہر ایک ذریعہ (یعنی روپیہ، پیسہ) مختلف خواہشات پوری کرنے کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔

## تجزیہ

ابن خلدون کے نزدیک رزق کی تلاش میں کی جانے والی ہر کوشش معاشیات کے دائرے میں شامل ہے۔ علامہ اقبال دولت پیدا کرنے، تقسیم کرنے، اس کا تبادلہ کرنے اس کے استعمال کے اسالیب کو علم معاشیات میں شامل کرتے ہیں۔ مولانا مناظر احسن جیلانی کے نزدیک اکتسابی سرگرمیوں اور اخراجات کے مصارف سے متعلق معلومات معاشیات میں شامل ہیں۔ مولانا سیوہاروی کے مطابق بھی علم معاشیات کا دائرہ کار دولت کمانے اور اس کو خرچ کرنے کے حوالے سے تصورات کے گرد گھومتا ہے۔

غیر مسلم مفکرین کے نزدیک معاشیات کی جملہ بیان کردہ تعریفات میں سے پروفیسر رابنز کی بیان کردہ تعریف کو اکثر ماہرین معاشیات نے پسند کیا ہے اور اس تعریف کو ترجیح دیتے ہیں لیکن یوں کہنا بھی درست نہیں ہے کہ یہ تعریف معاشیات کی کوئی حتمی اور ناقابل اعتراض تعریف ہے۔ کیونکہ اس تعریف پر بھی ماہرین معاشیات نے تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ انہی وجوہات کی بنا پر جارج[1] برناڈ شاہ نے یوں کہا ہے کہ اگر تمام دنیا کے معیشت دانوں کو ایک جگہ جمع کردیں اور درجہ بہ درجہ ان کا مطالعہ کریں تو ان میں سے کوئی بھی ایک نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے گا۔

ان تمام تعریفات میں سے مسلمان علما کی بیان کردہ تعریفات زیادہ قابل اعتماد ہیں کیونکہ ان میں صرف دولت کمانے کے حوالے سے ہی نہیں بلکہ اس کے مصارف کے ساتھ بھی بحث کی جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں مسلمان علما کے نزدیک علم معاشیات میں صرف مالی سرگرمیاں ہی نہین بلکہ اخلاقی معاملات بھی زیر بحث آتے ہیں۔

---

1۔ جارج برنارڈ شا(انگریزی:George Bernard Shaw)(پیدائش:26جولائی1856ء-وفات:2نومبر1950ء) بیسویں صدی کا آئر لینڈ کا نوبل انعام یافتہ ڈرامانویس، نقاد، ناول نگار، افسانہ نگار اور سیاستدان تھا۔

# فصل دوم: معاشی مسئلہ

## حاجات، تعیشات، مقاصد

دنیا میں آنے کے بعد انسان کی ضروریات کا آغاز ہو جاتا ہے جنھیں پورا کرنے کے لیے وہ مسلسل جدوجہد میں مصروف ہو جاتا ہے۔ زمانہ قدیم میں انسان کی ضروریات محدود تھیں اس لیے وہ ان کو پورا کرنے کے لیے ایک مخصوص حد تک محنت کرتے ہوئے وسائل اور ذرائع کو بروئے کار لاتا تھا اور اس کی حاجات پوری ہو جاتی تھیں۔ عہدِ جدید میں اس کی ضروریات کے ساتھ ساتھ تعیشات بھی مربوط ہو گئی ہیں۔ تعیشات کا مقصد انسانی زندگی میں سکون اور تسکین کا سامان کرنا ہے۔ چنانچہ آج کا انسان ضروریات کے ساتھ ساتھ تعیشات کا انتظام کرنے کے لیے اضافی محنت کرتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی(1) کے مطابق انسان کی خواہشات کی کوئی حد نہیں ہے۔ وہ گاہے بگاہے اٹھتی رہتی ہیں اور آئے دن ان میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ ان کو پورا کرنے کے لیے ذرائع ساتھ نہیں دے سکتے کیونکہ وہ ان کے مقابلے میں کم ہیں اور اسی لیے معاشی مسائل پیدا ہوتے ہیں[2]۔

اگر وسائل بڑھتی ہوئی خواہشات کا ساتھ دیں تو کوئی مسئلہ سرے سے سر ہی نہ اٹھا سکے گا۔ حضرت آدم کی آمد کے بعد سے ہی بنی نوعِ انسان نے اپنا پیٹ بھرنے کی خاطر جدوجہد شروع کر دی تھی تاکہ ضروریات اور ان کے بعد خواہشات کو پورا کیا جا سکے۔ یہ کوشش تاحال جاری ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیامت تک جاری و ساری رہے گی۔

ماہرینِ معاشیات کا کہنا ہے کہ انسان اپنی محنت اور جدوجہد سے محض اپنی ضروریات ہی پوری کر سکتا ہے۔

## مقاصد کی کثرت

مقاصد کی کثرت سے مراد انسان کی ایسی بہت سی خواہشات ہیں جنہیں وہ اپنے ذرائع سے پورا کرنا چاہتا ہے اس لیے وہ کچھ خواہشات کی تکمیل تو کر لیتا ہے لیکن اس کی بہت سی خواہشات ادھوری رہ جاتی ہیں۔ وہ ہمہ وقت ان کی تکمیل میں سرگرداں ہوتا ہے۔ ایک خواہش کے پورا ہو جانے کے بعد دوسری خواہش سامنے آ جاتی ہے اور وہ اس کی

---

1۔ محسنِ انسانیت کی تصنیف سے عالم گیر شہرت پانے والے مولانا نعیم صدیقی کا اصل نام فضل الرحمن تھا۔ آپ 4 جون 1914ء کو خطہ پوٹھوہار کی مردم خیز دھرتی، چکوال کے گاؤں خانپور میں پیدا ہوئے۔ تقریباً اٹھاسی سال کی عمر میں 25 ستمبر 2002ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

2۔ صدیقی، نعیم (ڈاکٹر)، اسلام اور جدید معاشی تصورات، ناشر و سن طباعت غیر مطبوعہ ص: ۱۴

تکمیل میں سر گرداں ہو جاتا ہے۔ مثلاً پیدل چلنے والا سائیکل حاصل کرنے کے بعد موٹر سائکل اور موٹر سائیکل حاصل کرنے کے بعد گاڑی کی خواہش کو پورا کرنے میں مصروفِ عمل ہو جاتا ہے۔ اگر معاشی مسائل میں مبتلا ہو کر اس کو پہلے والی سادہ زندگی میں واپس آنے کی مجبوری درپیش ہو جائے تو اس زندگی کو وہ باآسانی قبول نہیں کر پاتا ہے۔ چنانچہ صارف ہمہ وقت اپنی ضروریات، اسائشات اور پھر تعیشات کو حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتا ہے جس کے سبب ہمیشہ معاشی مسائل سامنے آتے رہتے ہیں۔

## مقاصد کی اہمیت میں فرق

ہر مقصد دوسرے سے الگ اہمیت کا حامل ہے۔ اگر ہر مقصد، ہر خواہش بالکل ایک جیسی ہوتی تو انسان پاگل ہو چکا ہوتا۔ کچھ مقاصد اہم، کچھ مقاصد کم اہم اور کچھ غیر اہم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک گھر میں بیمار کی دوا خریدنی ہے، بچے کی اسکول فیس جمع کروانی ہے، صوفہ بھی خریدنا ہے وغیرہ۔۔ اس صورت میں سب سے اہم کام بیمار کا علاج، اس کے بعد کم اہم بچے کے اسکول کی فیس، اور سب سے آخر میں فرنیچر یا صوفے کی خریداری ہوگی۔ چنانچہ معاشی مسئلہ کی نوعیت اس کے پیش نظر مقصد کے مطابق ہوتی ہے۔

## معاشی ذرائع

اللہ تعالیٰ کی جانب سے کچھ عطیات مفت عطا کیے گئے ہیں۔ ان معاشی ذرائع میں سبزیاں، فصلیں، اناج اور پھل وغیرہ کے ساتھ ساتھ سمندری، زمینی اور فضائی جانوروں کا گوشت وغیرہ بھی شامل ہے۔ کچھ انسان کو محنت کر کے حاصل کرنا ہوتے ہیں۔ محنت اور کام کر کے حاصل ہونے والے ذرائع کو کمیاب ذرائع کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد مقدار میں کم نہیں بلکہ طلب کے مقابلے میں کم ہیں مثلاً؛ گندم دنیا بھر میں اربوں ٹن پیدا ہوتی ہے مگر آبادی کے اعتبار سے کم ہے، لہٰذا کم یاب ہے۔ ورنہ گندے انڈے بھی مقدار میں تھوڑے ہوتے ہیں مگر اپنی طلب نہ رکھنے کی بنا پر کمیاب نہیں ہیں۔

## ذرائع کا متبادل استعمال

انسان کے پاس ذرائع اور وسائل کثیر تعداد میں موجود ہیں لیکن خواہشات ان کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ خواہشات کو پورا کرنے کے لیے وہ وہ متبادل ذرائع کا استعمال کر سکتا ہے اور اس سے تھوڑی بہت اطمنیانی تشفی حاصل ہو سکتی ہے۔ مثلاً؛ زمین کا ایک قطعہ اس قابل ہوتا ہے کہ اس پر باغ، سبزیاں وغیرہ اگائی جائیں یا پھر اس پر کوئی اسکول، کالج، کمرشل بلڈنگ یا مسجد بنادی جائے۔ پہلی صورت میں کمائی کا نظام بہت آہستگی سے آگے بڑھے گا

جب کہ دوسری صورت میں کمائی تیزی سے آئے گی۔البتہ دوسری صورت زہیں کا وہی قطعہ دوبارہ استعمال کے قابل نہیں رہے گا اور اس کو کسی اور استعمال میں لانے کے لیے ایک خطیر رقم کی ضرورت ہو گی۔

چنانچہ دنیا کا ہر فرد، خواہ وہ تارک الدنیا راہب، صوفی یا سادھو ہو، معاشی مسائل سے دوچار ہے۔ جن علاقوں میں انسانی زندگی خطِ غربت سے نیچے ہے وہاں یہ معاشی مسائل بنیادی ضروریات یعنی خوراک، رہائش اور لباس کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں۔ دوسری جانب قدرتی سہولیات سے مالا مال علاقوں میں ضروریات سے آگے بڑھ کر اسائشات او رتعیشات کی بنا پر انسانی زندگی معاشی بحران سے دوچار ہے۔اس مسئلہ کا مقابلہ کرنے کے لیے علمی میدان میں جس سائنس سے استفادہ کیا جاتا ہے اس کو علمِ معاشیات کہا جاتا ہے۔

## معاشی مسئلہ کو حل کرنے میں درپیش چار چیلنجز

مفتی عارف محمود[1] نے معیشت کے اس مسئلہ کے حل کو چار مراحل میں تقسیم کیا ہے۔پہلا مرحلہ ترجیحات کا تعین ہے۔ان کا موقف ہے کہ نہ صرف فرد بلکہ ملک کے وسائل بھی محدود ہوتے ہیں اس لیے کوئی بھی ریاست اپنے باشندوں کی خواہشات کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ محدود وسائل کو سامنے رکھتے ہوئے لازم ہے کہ حکومت پہلے یہ طے کرے کہ دستیاب وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے پہلے کن ضروریات کو پورا کرنا چاہیے۔ حکومت کو یہ بھی طے کرنا ہے کہ کون سی چیز پیداوار کے اعتبار سے اہم ہے اور عوام کی کن ضروریات اور خواہشات کو مقدم رکھا جائے گا اور کون سی ضروریات و خواہشات کو موخر رکھا جائے گا۔اس مکمل عمل کو "تعینِ ترجیحات" (Determination of Priorities) کہا جاتا ہے۔

دوسرے مرحلے کو وسائل کی تخصیص(Allocatian of Resources) کا ہے۔اربابِ معیشت کو یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ دستیاب وسائل کو کس طرح استعمال کیا جائے۔ زمین، سرمایہ اور محنت کس کام کے لیے ہونی چاہیے۔ کون سی چیز اگائی جائے، کارخانوں میں کس طرح کی اشیاء اور مصنوعات اگائی جائیں وغیرہ۔

مفتی موصوف نے تیسرے مرحلے پر آمدنی کی تقسیم کا چیلنج بیان کیا ہے۔وسائل کو استعمال میں لانے کے بعد پیداوار کا حصول ایک نئے چیلنج کو پیدا کرتا ہے جس کو آمدنی کی تقسیم(Distribution of Income) سے موسوم کیا گیا ہے۔پیداوار یا آمدنی کو عوام میں مساوی بنیادوں پر تقسیم کرنے کے لیے کون سا کلیہ اور قاعدہ ہونا چاہیے؟ کس بنیاد پر برابری کی سطح پر اس کو بانٹا جا سکتا ہے؟ یہ مرحلہ ماہرینِ اقتصادیات اور معاشیات کے لیے پوری دنیا میں تا حال انتہائی پیچیدہ ہے۔

---

1۔ ابوالخیر محمد عارف (مفتی)، قدیم اور جدید معاشی نظریات کا تعارف (دوسری قسط)، مطبوعہ، ماہنامہ بینات، جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، شعبان المعظم 1234ھ، جولائی 2013، ص: 45، 46

چوتھے اور آخری مرحلے پر اربابِ معیشت کے لیے یہ فکر ناگزیر ہے کہ معاشی حاصلات میں بہتری کس طرح لائی جاسکتی ہے۔ پیداوار کو کیفیت و کمیت کے اعتبار سے کس طرح بہتر بنایا جاسکتا ہے تاکہ معاشی حاصلات میں اضافہ ہو، نت نئے آلات ایجاد کیے جائیں تاکہ عوام الناس کو بہتر سے بہتر ذرائع آمدن مہیا کیے جائیں۔ اس پورے عمل کو "ترقی (Development)" کہا جاتا ہے۔

## معاشی مسائل کے حل میں مذاہبِ عالم کی تعلیمات

انسانی تاریخ کا عمیق مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشی مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے مذہب اور ارباب اقتدار سے مدد لینے کی روایت پختہ رہی ہے۔ چنانچہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ مذہب اور ارباب اقتدار کے پیش کردہ حل کا ایک خاکہ یہاں پیش کرنے کے بعد جدید دنیا کی جانب سے تجویز کردہ حل کا جائزہ لیا جائے تاکہ مکمل تصویر واضح ہو جائے۔

### یہودیت و عیسائیت

اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ آبادی عیسائیوں کی ہے[1] اور ان کی مذہبی کتاب بائبل ہے۔ جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث کیے گئے تھے اس وقت فلسطین میں معاشی مسائل موجود تھے اور یہود ان مسائل کی بنیادی وجہ تھے کیونکہ انھوں نے سودی نظام کو بہت بڑے پیمانے پر رائج کر رکھا تھا۔ تورات میں یہ شرط بھی لکھ دی گئی کہ سود محتاج اسرائیلی سے نہ لیا جائے بلکہ باقی افرادِ انسانی سے لیا جانا چاہیے۔ اس ضمن میں تورات[2]، متی کی انجیل[3]، لوقا کی انجیل[4] میں متعدد مثالیں موجود ہیں۔

1. http://www.pewresearch.org/fact-tank/2017/04/05/christians-remain-worlds-largest-religious-group-but-they-are-declining-in-europe/

2۔ اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو کچھ قرض دے تو اس سے قرضخواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اس سے سود لینا۔ (کلامِ مقدس، پاکستان بائبل سوسائٹی، انار کلی بازار، لاہور، خروج، باب ۲۲، آیت ۲۵ )

تُو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا خواہ وہ روپے کا سود ہو یا اناج کا سود یا کسی ایسی چیز کا سود ہو جو بیاج پر دی جایا کرتی ہے۔ تُو پردیسی کو سود پر قرضہ دے تو دے پر اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا تاکہ خداوند تیرا خدا اُس ملک میں جس پر تو قبضہ کرنے جا رہا ہے تیرے سب کاموں میں جن کو ہاتھ لگائے تجھ کو برکت دے۔ (استثنا، باب ۲۳، آیات ۱۹ تا ۲۰)

3۔ دیکھیے: متی کی انجیل، باب ۲۵، آیات ۲۸ تا ۲۸

4 ۔ دیکھیے: لوقا، باب ۱۹، آیت ۲۴

غربت کے خاتمے کے لیے یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس مسئلہ کی حساسیت کو محسوس کر کے اس کے خاتمے کے لیے اقدامات کیے ہوں گے لیکن ان کی تعلیمات کو چونکہ بعد میں تحریف کا سامنا کرنا پڑا، اس لیے موجودہ بائبل کی بعض آیات کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ان میں عیسیٰ علیہ السلام کی اصل ہدایات موجود نہیں ہیں۔ مثلاً آپ علیہ السلام کا مشہور ترین "پہاڑی وعظ" جس کا آغاز ہی اس جملہ سے ہوتا ہے "مبارک ہیں وہ لوگ جو دل کے غریب ہیں کیونکہ آسمانی بادشاہت ان ہی کے لیے ہے"[1]۔

اس میں غریبوں کو صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے لیکن انہیں آگے بڑھنے کی ترغیب نہیں دی گئی اور نہ ہی ان کے معاشی مسئلہ کے حل کے لیے محنت کا راستہ دکھایا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ انجیل کے مصنف "متی" کی ذاتی سطر ہے۔ متی کے علاوہ مرقس، یوحنا اور لوقا کی اناجیل کا مطالعہ کرنے پر بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام مصنفین بار بار لوگوں کو رہبانیت یعنی جوگی پن (Monasticism) کی تعلیم دیتے ہیں۔[2]

اس ضمن میں مندرجہ ذیل آیات قابل غور ہیں:

"کوئی آدمی دو مالکوں کی خِدمت نہیں کر سکتا کیُونکہ یا تو ایک سے عَداوت رکھے گا اور دُوسرے سے محبّت۔ یا ایک سے مِلا رہے گا اور دُوسرے کو ناچیز جانے گا۔ تُم خُدا اور دَولت دونوں کی خِدمت نہیں کر سکتے۔ اِس لئے میں تُم سے کہتا ہُوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پیئیں گے؟ اور نہ اپنے بَدَن کی کہ کیا پہنیں گے؟ کیا جان خوراک سے اور بَدَن پوشاک سے بڑھ کر نہیں؟"[3]۔

بعض مقامات پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ایسے بیانات منسوب کیے گئے ہیں جن کی روشنی میں نہ صرف دولت اور زر کے حصول کو مکمل طور پر ہلاکت خیز قرار دیا جاتا ہے بلکہ انھیں نجات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب مندرجہ ذیل نصیحت اس ضمن میں پیش کی جاسکتی ہے؛

"اور یِسُوع نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تُم سے سَچ کہتا ہُوں کہ دَولتمند کا آسمان کی بادشاہی میں داخِل ہونا مشکِل ہے۔ اور پھِر تُم سے کہتا ہُوں کہ اُونٹ کا سُوئی کے ناکے میں سے

1 ۔ دیکھیے: متی، باب ۵ آیت ۳

2۔ غفاری نور محمد (ڈاکٹر)، اسلام کا معاشی نظام، شیخ الھند اکیڈمی، کراچی، ص: ۲۶۳

3 ۔ متی، باب ۶ آیات ۲۵، ۲۴

نِکل جانا اِس سے آسان ہے کہ دَولتمند خُدا کی بادشاہی میں داخِل ہو۔ شاگرد یہ سُن کر بہت ہی حَیران ہُوئے اور کہنے لگے کہ پھِر کون نِجات پا سکتا ہے؟"[1]۔

اناجیل کا مطالعہ کرنے پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسیحیت سرمایہ داری کو ناپسند کرتی ہے لیکن اقتصادی نظام کے نقطہ نظر سے اس میں ترغیب و تلقین کے علاوہ کوئی قانونی عملی حیثیت مذکور نہیں ہے جس کو سامنے رکھ کر اقتصادی عادلانہ نظام مرتب کیا جاسکے۔ چنانچہ عہد نامہ قدیم کے ابواب "قاضیوں"اور"سلاطین"کا غائر نظر مطالعہ کرنے پر بھی اقتصادی نظام کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی ہے، حالانکہ ان کا تعلق حکومتی معاملات سے متعلق ہدایات کے ساتھ ہے۔ یہاں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر انجیل اقتصادی معاملات میں خاموش ہے تو پھر جدید دنیا میں مسیحیوں کے تشکیل دیے گئے معاشی نظاموں کی علمی اور مذہبی بنیاد کون سی ہے؟

منیر بعلبکی[2] لکھتے ہیں کہ دراصل یہ عیسائیوں کے بعد کے مذہبی پیشواؤں کی ان تعلیمات کا اثر ہے کہ قیصر کو قیصر کا حق دو اور گرجاگھر کو گرجاگھر کا حق دو۔ یعنی مذہب کا کھاتہ الگ، معیشت کا دھندہ الگ۔ دونوں اکٹھے نہیں چل سکتے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ مسیحیت کے پیروکاروں نے مذہب کو پسِ پشت ڈال کر معیشت کی راہ نکالی ہے۔ دین اور دنیا کو الگ الگ قرار دے کر کارگاہِ حیات میں جہاں جس سے کام نکلتا نظر آیا، اسے استعمال کر لیا۔ صرف سینٹ پیوس[3] (Saint Pius) دہم وہ پہلے اور آخری پاپائے روم ہیں جو فقرا کے طبقہ کی اصلاح کے لیے فکر مند ہوئے تھے[4]۔

## زرتشت

زرتشت[5] دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ایک ہے جو تقریباً ۳۵۰۰ برس قبل از مسیح وجود میں آیا تھا۔ اس کے پیروکار تاحال ایران میں موجود ہیں۔ ان کے مذہبی عقائد میں دو خداؤں کا ذکر ہے جن میں ایک نیکی کا خدا

---

1 ۔ متی، باب۱۹ آیات ۲۵،۲۴

1- آپ 1918 کو بیروت لبنان میں پیدا ہوئے تعلیم آپ نے امریکن یونیورسٹی آف بیروت سے حاصل کی۔

3۔ ۱۹۰۳ سے ۱۹۱۴ تک یہ شخص کیتھولک چرچ کا ہیڈ رہا ہے

4 ۔ منیر بعلبکی، المورد، دار العلم للملایین، جزو معجم الاعلام، حصہ P

3۔ زرتشت قدیم فارس کے مفکر اور مذہبی پیشوا تھے۔ اوستا میں ممدوح کا نام زرتُشترَہ آیا ہے۔

ہے اور دوسرا بدی کا خدا ہے[1] جس خدا کا تصور مثبت پیرائے میں موجود ہے اس کو "اہورامزدا" کا نام دیا گیا ہے جس کا معانی ہے "حکمت والا خدا"[2]۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ نیکی کے خدا کے ساتھ ایسے احکام منسوب کیے جاتے جو انسانی زندگی کو اقتصادی اور معاشی مسائل سے نکلنے میں مدد دیتے لیکن ایسا کوئی بھی حکم بھی "اوستا" میں موجود نہیں ہے۔

اوستا اور دساتیر میں محض حیات بعد الموت، جنت، جہنم اور خیر و شر کے انتخاب میں انسان کی آزادی کا ذکر ہے۔ عملی طور پر اس میں بھی یہود کی طرح سر ڈھانپنے کا حکم دیا گیا ہے[3]۔

یہاں مذہبی ادب میں اقتصادیات سے متعلق تعلیمات اور ہدایات کا سرے سے کوئی وجود نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ زرتشت کے زمانے میں اس وقت کے حکمران سائرس اعظم[4] کا اس قدر سخت غلبہ تھا کہ مذہب کو محض عبادات اور عقائد تک ہی محدود رکھا گیا تھا۔ کسی نظام کی تشکیل کے لیے عملی یا نظریاتی طور پر کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا تھا جس کی وجہ سے اس کی مذہبی کتاب (جتنی اب تک باقی موجود ہے) معاشی نظام کی تشکیل سے مبرہ ہے۔ مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی لکھتے ہیں؛

---

1. Boyd, James W.; et al. (1979), "Is Zoroastrianism Dualistic or Monotheistic?", Journal of the American Academy of Religion, Vol. XLVII, No. 4, pp. 557–588, doi:10.1093/jaarel/XLVII.4.557.

2. Gerardo Eastburn (2015-02-20). The Esoteric Codex: Zoroastrianism. Books.google.com. p. 1. Retrieved 2017-06-14

3." Effect of Wearing Cap on Zarathustri Urvaan: by Ervad (Dr.) Hoshang J. Bhadha". Tenets.zoroastrianism.com. Archived from the original on 2017-07-27. Retrieved 2017-06-14.

4۔ ایران میں ہامنشی سلطنت کا بانی، اسی حکمران نے بابل کو فتح کر کے یہودیوں کو آزادی دی تھی۔

"زرتشتی تعلیم کی مبینہ الہامی کتابیں "ژند اور اوستا کا اگرچہ میں نے مطالعہ نہیں کیا لیکن اس مذہب کے عقیدے کے مطابق بازی مذہب کے علاوہ نبیوں اور رسولوں کے صحیفے جو "دساتیر آسمانی" کے نام سے موسوم ہیں، فارسی اور پہلوی زبان میں نہ صرف میرے مطالعہ سے گزرے ہیں بلکہ عرصہ دراز تک میرے زیر مطالعہ رہے ہیں۔۔۔ ظالمانہ طریق پر حصول دولت وثروت کی ہجو ومذمت کے باوجود بصورت احکام قوانین اقتصادی نظام کی تربیت میں مطلق کوئی مدد نہیں ملتی ہے۔"[1]

## ہندومت

مقالہ نگار نے ہندو مذہب کی مذہبی کتب کی اصلی زبان سنسکرت سے ناواقفیت کی بنیاد پر ان کے معتبر تراجم اور ان کی بنیادی تشریحات کی کتابوں "ستھیارتھ پرکاش[2]" اور "اور آدی بہاشیہ بھومکا[3]" پر بنظر غور جائزہ لیا

---

1 ۔ حفظ الرحمان سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارۃ الانوار، کراچی، ص: ٦٦٩

2 ۔ معانی: سچائی کی روشنی۔ اس کی تالیف آریا سماجی کے بانی مہارشی دیانند نے کی اور یہ کتاب ١٨٧٥ میں ہندی میں شائع کی گئی تھی۔ ١٨٨٨ میں سوامی دیاند سرسوتی نے اس پر نظر ثانی کی اور پھر اس کو تقریبا بیس زبانوں میں شائع کیا گیا تھا۔ اس کے آخری تین ابواب میں مذاہب عالم کے عقائد کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے یہ کتاب ہندوؤں کے درمیان شروع شروع میں انتہائی مقبول رہی۔ بعد میں اس کے مندرجات پر دیگر ادیان کے پیروکاروں کے ساتھ ساتھ ہندومت کے پیرکاروں نے بھی اعتراضات کھڑے کیے۔ سالٹوک آشرم کے رہنما رام پال نے ٢٠٠٦ میں اس پر ایک تنقید لکھی جس کے بعد آشرم اور آریا سماج کے درمیان فرقہ وارانہ تنازعات جنم لینا شروع ہوئے۔ ان تنازعات میں ایک شخص ہلاک بھی ہو گیا تھا۔

Ganga Ram Garg, World Perspectives on Swami Dayananda Saraswat, Page 188

3 ۔ معانی: ویدوں کا تعارف۔ یہ کتاب بھی آریا سماج کے بانی مہارشی دیانند نے ہی لکھ کر شائع کی تھی۔

Saraswati, Dayanand. "An Introduction to the Commentary on the Vedas Rigvedadi Bhashya Bhumika by Dayanand Saraswati, Ghasi Ram — Reviews, Discussion, Bookclubs, Lists". Goodreads.com. Retrieved 2014-04-19.

۔ دیانند کا موقف تھا کہ ہندو علما نے ہندو مذہبی کتابوں کی غلط تعبیرات پیش کی ہیں جن کی وجہ سے ہندو مذہب اعتراضات کی زد میں ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنی کتاب میں ویدوں کی حقیقی تعبیر پیش کی ہے۔

The History and Principles of Vedic Interpretation - Ram Gopal - Google Books. Books.google.co.in. Retrieved 2014-04-19.

ہے۔ غور و حوض کے ساتھ ان کے مطالب و معانی اور مفہوم و مراد تک پہنچنے کی سعی کرنے کے بعد یہ نتیجہ حاصل ہوا ہے کہ ویدوں میں دولت مندوں کے بے جا مظالم کے خلاف چند پند و نصائح یا ان کے مقابلہ میں جنگ کے علاوہ اقتصادی نظام کے لیے احکام و قوانین کی دفعات و جزئیات کی شکل میں کچھ بھی نظر نہیں آتا ہے۔

یہاں معاشی مسئلہ کے دو ہی حل موجود ہیں۔(۱)صبر و برداشت ۔(۲)بغاوت و جنگ اور چھینا جھپٹی۔ یقینا ان میں سے کوئی بھی معاشی مسئلہ کا مستقل حل نہیں ہے۔

# فصل سوم: کسب معاش کی ضرورت واہمیت

## تمہید

گزشتہ دو فصلوں میں انسانی زندگی میں درپیش معاشی مسئلے کی نوعیت اوراس کے اس حل کی نشاندہی کی گئی ہے جو انسانوں نے مذہب کی تعلیمات سے آزاد ہو کر اپنے تیئں تشکیل دیا تھا۔ سرمایہ دارانہ نظام میں وسائل کی کمیابی کی صورت میں تمام اختیارات دولت مند کے قبضے میں چلے جاتے ہیں جس سے عام انسان کو اس کا "رزق" حاصل کرنے میں سخت مصائب میں سے گزرنا ہوتا ہے۔ اشتراکیت کی صورت میں بھی چند ظاہری اور لفظی تبدیلیوں کے ساتھ یہی نظام چند مخصوص افراد کے ہاتھوں کا کھلونا بن جاتا ہے اور پھر عام انسان اسی تکلیف کا شکار نظر آتا ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے دوران مشاہدے میں ہے۔ چنانچہ ان دونوں نظام ہائے معیشت کا اگر کسی طبقے کو فائدہ ہے تو وہ ہے طاقت ور اور سرمایہ دار طبقہ۔

فرد کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کو لوازمات کی فراہمی کا ایک معتدل اور معقول نظام عالمی سطح مطلوب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کے ہر حصے میں زندگی کی اقتصادی ضروریات سے نبرد آزما ہونے کے لیے طرح طرح کے کلیات و قواعد اپنائے گئے ہیں لیکن اس امر سے انکار بھی ممکن نہیں کہ تمام طریقوں کے اپنانے کے بعد مسائل و مصائب ختم نہیں ہوئے ہیں۔ کہیں اگر کامیابی ملی ہے تو اس کی نوعیت جزوی ہے۔

چنانچہ لازم معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسے نظامِ اقتصادیات کو مد نظر رکھا جائے جس کے نتیجے میں سرمایہ دار کو اس کا حق، حکومتِ وقت کو اس کا ٹیکس اور عام انسان کو اس کی ضروریات کی فراہمی بیک وقت یقینی بنائی جا سکے۔ یہ نظام روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کے لیے نہ صرف انفرادی اور معاشرتی سطح پر مدد و معاون ہو سکتا ہے بلکہ یہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر بھی کل بنی آدم کے مسائل کا تسلی بخش حل بھی سامنے لا سکتا ہے۔

راقم الحروف کو یہ خصوصیت صرف اسلامی نظامِ معیشت میں نظر آتی ہے کیونکہ اس کی بنیاد معاشی مساوات پر مبنی ہے جس کا پہلا اصول یہ ہے کہ معاشرے کا ہر فرد کسب واکتساب کے فرائض کی انجام دہی میں مصروف عمل ہونا چاہیے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی روح کے رزق کی فراہمی کا وعدہ کر رکھا ہے۔

﴿و مَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا و يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا و مُسْتَودَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾[1]

---

1۔ ہود:٦

ترجمہ: اور زمین پر چلنے والا کوئی جانور ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو اور وہ اس کا ٹھکانہ اور اس کی واپسی کی جگہ سے بھی واقف و آشنا ہے۔ سب کچھ کھلی کتاب میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسی مفہوم میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

﴿و مَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ و لَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُو نَ﴾ (1)

ترجمہ: کتنے ہی جانور ہیں کہ اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، اللہ ہی ہے جو ان کو رزق مہیا فرماتا ہے او رتمہیں بھی، وہ سنتا اور جانتا ہے۔

ان آیات کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ انسان فارغ البالی میں اوقات صرف کرتے ہوئے یہ سوچ کر محنت و مشقت سے گریز کرے کہ اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے لہٰذا اس کو ہاتھ پاؤں مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔

حکیم محمود احمد ظفر لکھتے ہیں کہ "اس نظریہ کا حقیقی حامل طلب رزق میں اپنے آپ کو کسی کے سامنے ذلیل و خوار نہیں کرے گا۔ وہ اپنی خودی اور خودداری کی حفاظت کرے گا اور صرف اپنے رب سے سامنے دستِ سوال دراز کرے گا۔ وہ فقر کے ڈر سے دوسروں کی حق تلفی نہیں کرے گا کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل ہو گا۔ یہ معاشی اصول وہ ہے کہ اگر دنیا اسے تسلی کرے تو ضبط ولادت کی ملحدانہ تحریک اپنی موت آپ مر جائے گی"(2)۔

اسلام نے انسان کو معاشی حوالے سے جدوجہد کی ترغیب اور کسبِ معاش کے لیے حرکت کی دعوت دی ہے۔ جمود اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانے کی زندگی کو موت کے مترادف قرار دیا ہے اور اس کو حیات کہنا بت معنٰی ہے۔ اس طریقِ زندگی کو توکل کی زندگی کہا جاتا ہے۔

## اجتماعی معاشی مفاد کی اہمیت

اسلام نے فرد کے انفرادی ملکیت کے تصور کو قبول کیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿هُو الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ (۳)

ترجمہ: وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے، تمھارے لیے پیدا کیا ہے۔

اس آیت میں حقِ معیشت کے حوالے سے "ما فی الارضِ جمیعا" کو افراد معاشرہ کے لیے مباح قرار دیا ہے۔ اس طرح کسی فردِ واحد یا افرادِ جماعت کو اسلامی معاشرے میں ہر گز یہ حق حاصل نہیں ہو گا کہ انھیں معاشی مفاد

---

1 ۔الانعام:38

2 ۔ محمود احمد ظفر (حکیم)، معیشت و اقتصاد کا اسلامی تصور، ادارہ اسلامیات، لاہور، ص: ۱۵۳

3۔البقرۃ:۲۹

کے ایسے حقوق کا مالک بنا دیا جائے جو مفاد عامہ کے خلاف ہو بلکہ جہاں بھی انفرادی مفاد کی وجہ سے اجتماعی مفاد پر زد پڑتی ہو وہاں اجتماعی مفاد کو انفرادی مفاد پر ترجیح دی جائے گی۔اس ضمن میں مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ سے استشہاد کیا جاسکتا ہے:

حضرت ابیض بن حمال ماربی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ` وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے نمک کی کان کی جاگیر مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دے دی، لیکن جب وہ واپس مڑے تو مجلس میں موجود ایک شخص نے عرض کیا: جانتے ہیں کہ آپ نے ان کو کیا دے دیا ہے؟ آپ نے ان کو ایسا پانی دے دیا ہے جو ختم نہیں ہوتا، بلا محنت و مشقت کے حاصل ہوتا ہے ؂وہ کہتے ہیں: تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے واپس لے لیا، تب انہوں نے آپ سے پوچھا: پیلو کے درختوں کی کون سی جگہ گھیری جائے؟ ، آپ نے فرمایا: ”جہاں جانوروں کے پاؤں نہ پہنچ سکیں،،[1]۔

حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ ہیں کہ` نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث مزنی کو قبلیہ کی نشیب و فراز کی کانیں ٹھیکہ میں دیں اور قدس (ایک پہاڑ کا نام ہے) کی وہ زمین بھی دی جو قابل کاشت تھی اور وہ زمین انہیں نہیں دی جس پر کسی مسلمان کا حق اور قبضہ تھا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کے لیے ایک دستاویز لکھ کر دی، وہ اس طرح تھی: "**بسم اللہ الرحمن الرحیم**،، یہ دستاویز ہے اس بات کا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث مزنی کو قبلیہ کے کانوں کا جو بلندی میں ہیں اور پستی میں ہیں، ٹھیکہ دیا اور قدس کی وہ زمین بھی دی جس میں کھیتی ہو سکتی ہے، اور انہیں کسی مسلمان کا حق نہیں دیا[2]،،۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو آپ نے اس پیکیج پر غور فرماتے ہوئے محسوس کیا کہ اس کے پاس زائد زمین ہے اور وہ اس کو کاشت کاری میں استعمال نہیں کر رہا ہے۔چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے زائد از ضرورت زمین لے کر غربا میں تقسیم کر دی[3]۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فقہ کے مطابق جہاں عامۃالناس کے مفادات کا معاملہ ہو وہاں کسی فردِ واحد یا مخصوص جماعت کو حقِ ملکیت نہیں دیا جاسکتا ہے۔

---

1 ۔ابوداؤد سلیمان بن اشعث، سنن ابوداؤد، دار السلام، لاہور: 3064

2 ۔ سنن ابوداؤد: 3062 باب فِي إِقْطَاعِ الْأَرَضِينَ (حسن)

3۔ القرشی، یحی بن آدم، کتاب الخراج، بیروت، لبنان، دار المعرفہ رقم: ۲۹۴، ص ۹۳،

# کسبِ معاش قرآن کی روشنی میں

اسلام ہر فرد سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ حصولِ رزق کے لیے جد وجہد میں مصروفِ عمل رہے۔ محنت ومشقت سے جی نہ چرائے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر مت بیٹھ جائے۔ انفرادی مسائلِ معیشت پر اگر غور کیا جائے تو پہلی منزل کسبِ معاش اور ابتغاءِ رزق کی منزل ہے۔ دنیا کو قرآن نے میدانِ عمل قرار دے کر اس کی استعداد کے مطابق جد وجہد کو لازم قرار دیا ہے۔ اس کارگاہِ ہستی میں اللہ تعالیٰ نے سامانِ رزق کے ذخیرے جمع کر دیے ہیں مگر تلاش و سعی کو ان کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔

اس ضمن میں اس کو دور دراز کے علاقوں کا سفر کرنے کی ضرورت آن پڑے تو اس سے بھی گریز نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُو الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُو لًا فَامْشُو ا فِي مَنَاكِبِهَا و كُلُو ا مِن رِّز قِهِ و إِلَيْهِ النُّشُو رُ﴾ (1)

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو نرم کیا تو اس کی راہوں میں چلو پھرو اور خدا کا دیا ہوا رزق کھاؤ۔

اکتساب کی اس خصوصیت کو بنیاد پر کر اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کو دیگر مخلوقات پر فوقیت کا حامل قرار دیا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿و لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ و حَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ و الْبَحْرِ و رَز قْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ و فَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾ (2)

ترجمہ: ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انھیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور انھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔

ذرائع اور وسائل کی اس کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ انسان کو اسی لیے نوازا ہے کہ وہ محنت کر کے ان کے ذریعے زندگی کا سامان کرے۔ چنانچہ اسلام کے اہم ترین فریضے نماز کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ:

---

1 ۔الملک:۱۵

2۔ بنی اسرائیل:۷۰

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُو ا فِي الْأَرْضِ و ابْتَغُو ا مِن فَضْلِ اللَّهِ و اذْكُرُو ا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُو نَ﴾ (1)

ترجمہ: پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤاور اللہ کا فضل تلاش کرواور اللہ کاذکر زیادہ کروتاکہ تم کامیاب ہو جاو ۔

قرآن نے تلاش معاش کے لیے ہجرت کوایک احسن عمل قرار دیاہے۔

﴿و مَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا و سَعَةً﴾ (2)

ترجمہ: جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں پناہ لینے کے لیے وسیع جگہ اور بسر اوقات کے لیے بڑی گنجائش پائے گا۔

تلاش رزق کے لیے صرف خشکی ہی نہیں بلکہ تری کو بھی اللہ تعالیٰ نے سامنے رکھاہے۔سمندر میں بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے رزق تیار کیاہے اور اس کے ساتھ ساتھ سمندری راستوں میں سفر کرتے ہوئے دیگر ممالک میں جاکر کسبِ معاش کو بھی ممکن بنایاہے۔اللہ کا فرمان ہے:

﴿رَّبُّكُمُ الَّذِي يُزْ جِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُو ا مِن فَضْلِهِ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ (3)

ترجمہ: تمہارا رب تو وہ ہے جو سمندروں میں تمہارے لیے کشتی چلاتاہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اکتساب کے عمل کو براہ راست اپنی جانب منسوب فرمایاہے اور واضح کر دیاہے کہ محنت کے بدلے میں رزق عطاکرنے کااختیار اسی کے پاس ہے اس لیے ایسے ذرائع اور وسائل کااختیار لازم ہے جو اس کے آوامر کے زمرے میں آتے ہیں۔

---

1 ۔جمعہ:۱۰

2 ۔النساء:۱۰۰

3 ۔بنی اسرائیل:٦٦

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُو نَ مِن دُو نِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُو نَ لَكُمْ رِز قًا فَابْتَغُو ا عِندَ اللَّهِ الرِّزْ قَ و اعْبُدُو هُ و اشْكُرُو ا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُو نَ﴾ [1]

ترجمہ: جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں ہیں۔اس لیے تم اللہ کے پاس روزی کو تلاش کرو۔

اسلام کے نزدیک انسان میں مستور ممکنہ قوتیں اور خوابیدہ صلاحیتیں اسی وقت بیدار ہوتی ہیں جب وہ کشمکش حیات اور معاشی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیتا ہے۔قرآن مجید اور احادیث نبوی میں بہترین اور منظم انداز میں کسبِ مال اور اکتساب دولت اور حصول منفت کی دعوت وترغیب دی گئی ہے۔اللہ کا ارشاد ہے

﴿و اَن لَّیسَ لِلاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ [2]

ترجمہ: یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اُس نے سعی کی ہے۔

﴿و ابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ و لَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا و أَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ و لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾ [3]

ترجمہ: جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر اور دُنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر، اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔

## کسبِ معاش احادیث کی روشنی میں

اللہ کے نبی ﷺ نے انسان کو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے سے سخت منع فرمایا ہے اور پوری امت کو حصولِ معاش کے لیے کوشش کرنے کی ترغیب دی ہے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

1 ۔العنکبوت:۱۷

2 ۔النجم:۳۹

3 ۔القصص:۷۷

((طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة))[1]

ترجمہ: روزی حاصل کرنے کے لیے حلال اور جائز ذرائع اختیار کرنا بھی دوسرے فرائض کے بعد ایک فرض ہے۔

چنانچہ اس فریضے کی اہمیت وافادیت کو آپ نے انتہائی واضح انداز میں دنیا کے سامنے رکھتے ہوئے اس رزق کو بہتری قرار دیا جو کمائی کے ذریعے حاصل کیا گیا ہو۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((ان اطیب ما اکلتم من کسبکم))[2]

ترجمہ: جو چیز تم کھاتے ہو اس میں سب سے بہتر وہ ہے جو تم اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاؤ۔

یہی مفہوم مختلف الفاظ کے ساتھ مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ میں بھی بیان ہوا ہے:

((ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یدیه و ان نبی الله و او و د کان یاکل من عمل یدیه)) [3]

ترجمہ: اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا کسی شخص نے کبھی نہیں کھایا ہے۔ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتے تھے۔

آپ ﷺ سے استفسار کیا گیا کہ بہترین کمائی کون سی ہے۔ فرمایا:

((عمل الرجل بیده و کل بیع مبرو ر))[4]

ترجمہ: آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور وہ تجارت جس میں جھوٹ اور بے ایمانی سے کام نہ لیا گیا ہو۔

آپ ﷺ نے جائز طریقوں سے روزی کمانے کو اللہ تعالیٰ کا فضل قرار دیا ہے اور اس کے لیے سفر کی ترغیب دی ہے۔ ایک مقام پر اگر روزگار میسر نہ ہو سکے تو دوسرے مقام کا سفر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

---

1 ۔ بیہقی، شعب الایمان، حدیث نمبر ۸۷۴۱ (اس کی سند میں عباد بن کثیر متروک ہے۔)

2 ۔ ابواسحاق، الحویثی الاثری، غوث المکدود بتخریج منتقی ابن الجارود، دار الکتاب العربی، ج ۳، ص: ۲۵۲

3۔ البخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، دار السلام، لاہور: ۲۰۷۲ کتاب البیوع باب کسب الرجل وعملہ بیدہ

4 ۔ احمد بن حنبل (امام)، المسند، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت: ۱۷۱۱۵

((سافرو ا تستغنو ا))[1]

ترجمہ: سفر کرو، مال دار ہو جاؤ گے۔

کسبِ معاش کی اہمیت و افادیت کے پیشِ نظر نبی اکرم ﷺ نے ہر ایک ذریعہ روزگار کو عزت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ آپ ﷺ کے نزدیک ہر وہ شخص قابلِ عزت ہے جس کی زندگی کا پہیہ خود اس کی اپنی محنت سے چلتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اوقاتِ کار کی اہمیت کے پیشِ نظر حکم صادر فرمایا کہ:

((اذا صلیتم الفجر فلا تنو مو ا عن طلب ارز اقکم))[2]

ترجمہ: جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنے رزق کی جد وجہد کے بغیر نیند کا نام نہ لو۔

آپ ﷺ اس حقیقت کو بخوبی سمجھتے تھے کہ فارغ البال انسان اکثر اوقات شیطان کی چالوں میں آکر گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ اس لیے اعمالِ سیئہ سے اجتناب کے لیے کسبِ معاش کی مصروفیت کو آپ ﷺ نے انسانی کردار میں عافیت پیدا کرنے والے محرکات میں شمار کیا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((الذنو ب ذنو ب لا یکفرها الا الهم فی طلب المعیشة)) [3]

ترجمہ: بعض گناہوں میں سے ایسے گناہ ہیں جن کا کفارہ طلبِ معیشت کی فکر اور جد وجہد میں کاوش ہی سے ہو سکتا ہے۔

## ایک حدیث کے فہم میں غلطی کی نشان دہی

کتبِ احادیث میں ایک حدیث کو توکل کے ضمن میں غلط انداز اور مفہوم میں لیا جاتا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

---

1 ۔ الطبراني، سلیمان بن أحمد بن أیوب ا، المعجم الأوسط، دار الحرمین، جلد نمبر ۷ ص: ۲۴۵

2 ۔ الہندی، علاؤالدین علی متقی بن حسام الدین، کنز العمال، دار احیاء التراث العربی، بیروت، حدیث نمبر: ۴۱۶۸

3۔ ا الھیثمي، علي بن أبي بکر بن سلیمان، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، مکتبة القدسي، القاھرة، ۱۹۹۴ء، جلد نمبر ۲، ص: ۶۴، ۶۳

**((لو انکم تتو کلو ن علی اللہ حق تو کلہ لرز قکم کما یرز ق الطیر تغدو ا خماصا و ترو ح بطانا))**[1]

ترجمہ: اگر تم لوگ اللہ پر صحیح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں روزی دے گا جس طرح وہ پرندوں کو روزی دیتا ہے۔ وہ علی الصبح روزی کی تلاش میں خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو واپس آتے ہین تو ان کے پیٹ بھرے ہوتے ہیں۔

**تغدو** کا مادہ غدو ہے۔ اس کا مفہوم ہے "صبح کے وقت رزق کی تلاش میں نکلنا"۔ حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پرندے اپنے گھونسلے میں بیٹھے رہتے ہیں اور وہاں ان کو رزق پہنچتا ہے بلکہ اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ جس طرح پرندے رزق کی تلاش میں صبح اپنے گھونسلوں سے نکلتے ہیں اور پیٹ بھر کر شام کو واپس آتے ہیں، اسی طرح تم بھی گھروں سے نکلو، تلاش کرو، اللہ نے تمہارے لیے بھی زمین میں رزق بکھیر دیا ہے۔

عبدالرحمان مبارک پوری لکھتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ آپ کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جو اپنے گھر یا مسجد میں بیٹھ کر کہتا ہے کہ میں کوئی کام نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے یہیں رزق پہنچائے گا۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا "یہ شخص صفات الٰہی سے کتنا جاہل ہے۔ کیا اس نے آنحضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان نہیں سنا کہ میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں رکھا گیا ہے[2]"۔

اسی موقف کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کے مطابق ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے پوچھا:

**((یا رسو ل اللہ اعقلھا و اتو کل او اطلقھا و اتو کل))**

ترجمہ: میں اپنی اونٹنی کو باندھوں اور اللہ پر توکل کروں یا اس کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: **((اعقلھا و تو کل))**[3]

اس کو پہلے باندھ لو پھر توکل کرو۔

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محنت و مزدوری میں کوئی عار نہیں سمجھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا:

---

1 ۔الترمذی ، محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، دارالسلام، لاہور: ۲۲۶۶

2 ۔ مبارک پوری، عبدالرحمان، تحفۃ الاحوذی، دارالکتب العربی، بیروت جلد نمبر ۳، ص: ۲۶۸

3 ۔ ترمذی: ۲۴۴۱

((نعم ،كنت ارعها علی قراریط لاھل مکة))[1]

ترجمہ: ہاں، میں چند قیراط اجرت کے عوض اہلِ مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جو دین اور دنیا کی دوئی کے تصور کو رد کرتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو محنت و مشقت کا درس دیا اور صحابہ کرامؓ نے اس کو اپنی زندگیوں میں عملی مظاہر کے ذریعے دنیا کے سامنے پیش کیا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے عوام کو تلاش رزق کے لیے محنت کی بھرپور ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((لا یقعد احدکم عن طلب الرز ق)) [2]

ترجمہ: رزق و معاش کی تلاش میں کوئی شخص بھی پست ہمت ہو کر نہ بیٹھ جائے۔

حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جس کسی شخص کو بظاہر خوش حال دیکھتے تو دریافت فرماتے کہ وہ کمانے کا کام کرتا ہے یا نہیں۔ جواب ہاں میں ملتا تو آپ کو اطمنیان محسوس ہوتا تھا اور اگر جواب نہ میں ملتا تو وہ شخص آپ کی نظر میں بے وقعت ہو جاتا تھا۔ اس ضمن میں آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

مکسبة فیھا دناءة خیر من مسالة الناس[3]

ترجمہ: کسی کا کم تر پیشہ اختیار کر لینا لوگوں سے سوال کرنے سے بہتر ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جس طرز زندگی کو اختیار کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے اس میں کسبِ مال اور اپنی خودداری کے حوالے سے خصوصی تعلیمات کا اہتمام فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے کسی بھی فرد کے لیے فارغ بیٹھ کر کھانے کو جواز نہیں دیا اور نہ ہی آپ ﷺ کے صحابہ میں اس کی کوئی روایت موجود ہے۔ اسلام ایک مکمل معاشی اور اکتسابی نظام پیش کرتا ہے جس میں ہر فرد اپنی مدد آپ کے تحت اپنی زندگی گزارنے کا پابند ہے۔

---

1 ۔ صحیح بخاری: ۲۲۶۲ کتَابُ الِاجَارَۃِ، بَابُ رَعْیِ الغَنَمِ عَلَی قَرَارِیطَ

2 ۔ الھیثمي، علي بن أبي بکر بن سلیمان، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، مکتبۃ القدسي، القاھرۃ، ۱۹۹۴ء جلد نمبر ۲، ص: ۶۳

3 ۔ الماوردي، علي بن محمد بن حبیب البصري، الأحکام السلطانیۃ، مکتبۃ دار ابن قتیبۃ ۔ الکویت، ۱۹۸۹ء، ص: ۲۳۵

# فصل چہارم: کسب معاش کی فضیلت

## کسبِ معاش کا اسلامی تصور

اسلامی تعلیمات کے مطابق ہر مسلمان کو دولت و ثروت کے ذرائع کی تلاش کے لیے کوشاں رہنا چاہیے اور ان خوابیدہ اور پوشیدہ ذرائع اور خزانوں کی حفاظت کی لوگوں کو ترغیب دینی چاہیے۔

## تسخیر کائنات کا اکتسابی پہلو

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو کچھ اس کائنات میں پایا جاتا ہے وہ انسان کے کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے اور اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اس سے مستفید ہوتا رہے۔

**﴿و هُو الَّذِی سَخَّرَ البَحرَ لِتَاکُلُو ا مِنهُ لَحمًا طَرِیًّا و تَستَخرِجُو ا مِنهُ حِلیَةً تَلبَسُو نَهَا و تَرَی الفُلكَ مَو اخِرَ فِیهِ و لِتَبتَغُو ا مِن فَضلِه و لَعَلَّکُم تَشکُرُو نَ﴾**[1]

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ تم اس سے ترو تازہ گوشت لے کر کھاؤ اور اس سے زینت کی وہ چیزیں نکالو جنہیں تم پہنا کرتے ہو تم دیکھتے ہو کہ کشتی سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی چلتی ہے یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔

اسی سے ملتے جلتے انداز میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ہے

**﴿رَبُّکُمُ الَّذِی یُز جِی لَکُمُ الفُلكَ فِی البَحرِ لِتَبتَغُو ا مِن فَضلِه اِنَّه کَانَ بِکُم رَحِیمًا﴾**[2]

ترجمہ: تمہارا (حقیقی) رب تو وہ ہے جو سمندر میں تمہاری کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلا ش کرو حقیقت یہ ہے کہ وہ تمہارے حال پر نہایت مہربان ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں کسب معاش کے لیے پاکیزہ طریقوں کو تلاش کرنا اور اس کے ذریعے فضل الٰہی کو تلاش کرنا نہ صرف متلاشی کے لیے بلکہ دیگر انسانوں کے لیے بھی دنیا میں مفید اور آخرت کے لیے کار گر ہے۔

---

1۔ النحل: ۱۴

2۔ بنی اسرائیل: ٦٦

## وقت کے تصور کا محنت واکتساب کے ساتھ ربط

اسلام میں کسبِ رزق کی پر زور ترغیب دی گی ہے اور اسے صاحبِ استطاعت پر واجب قرار دیا گیا ہے۔ اسلام ماہرین صنعت و حرفت اور پیشہ ور کاریگروں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اسی لیے بھیک مانگنا جرم ہے اور اس بات کی تشہیر کرنے کو کہا گیا ہے کہ بہترین عبادت کسبِ رزق ہے کیونکہ کسبِ رزق انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ بہترین کسبِ رزق وہ ہے جو اپنے ہاتھ سے کیا جائے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایسے بے روزگار جو جان بوجھ کر کوئی کام نہیں کرتے ہیں ان کی حوصلہ شکنی کی جائے کیونکہ ایسے لوگ معاشرے پر بوجھ ہوتے ہیں۔ اسلام میں اس طرح کی بے روزگاری اور توکل کا کوئی تصور نہیں۔ بلکہ توکل کا مفہوم یہ ہے کہ اسباب کو اختیار کیا جائے اور نتائج اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے حاصل کیے جائیں۔ جو ایسا نہیں کرتا ہے وہ اللہ پر بھروسہ نہیں کرتا ہے۔ رزق کا حصول انتھک کوشش کے ساتھ مشروط ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿و جَعَلنَا الَّيلَ و النَّهَارَ اٰيَتَينِ فَمَحَو نَآ اٰيَةَ الَّيلِ و جَعَلنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبصِرَةً لِّتَبتَغُو ا فَضلًا مِّن رَّبِّكُم و لِتَعلَمُو ا عَدَدَ السِّنِينَ و الحِسَابَ و كُلَّ شَيءٍ فَصَّلنٰهُ تَفصِيلًا.﴾ (1)

ترجمہ: دیکھو، ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے رات کی نشانی کو ہم نے بے نور بنایا، اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو اور ماہ و سال کا حساب معلوم کر سکو اِسی طرح ہم نے ہر چیز کو الگ الگ ممیز کر کے رکھا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے نفع مند مال کی تعریف کی ہے اور اس مال کے کمانے کی خواہش اور حرص کو اور اسے احسن طریقے سے خرچ کرنے اور اس مال کو مزید ثمر آور بنانے کو ضروری قرار دیا ہے۔ ایسے امیر آدمی کو سراہا ہے جو مال ملنے پر شاکر ہو اور اس مال کو لوگوں کی منفعت اور خیر خواہی کے لیے خرچ کرے جب کہ اس ضمن میں سوائے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے اور کوئی چیز اس کے پیش نظر نہ ہو۔

## حصول رزق سے متعلق اہم ترین احتیاط

اسلام میں ایسی کوئی فکر نہیں پائی جاتی جس کی بنیاد پر دنیا اور مال و دولت کو برا کہا جائے۔ ایسی فکر سے سوائے سرکشی اور فتنہ و فساد کے اور کوئی چیز جنم نہیں لیتی ہے۔ اس سے معصیت، فسق و فجور اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

1۔ بنی اسرائیل: ۱۲

﴿و لَا تُو تُو ا السُّفَهَاءَ اَمو الَکُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰہُ لَکُم قِیٰمًا و ارز قُو هُم فِیهَا و اکسُو هُم و قُو لُو ا لَهُم قَو لًا مَّعرُو فًا﴾[1]

ترجمہ: اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے قیام زندگی کا ذریعہ بنایا ہے، نادان لوگوں کے حوالہ نہ کرو، البتہ انہیں کھانے اور پہننے کے لیے دو اور انہیں نیک ہدایت کرو۔

یہاں قرآن مجید نے مال اور معاش کو انسانی زندگی کی بقا اور استحکام کی بنیاد قرار دیا ہے اور اس کی اہمیت واضح کی ہے۔جب تک معاشرہ ٹھوس معاشی بنیادوں پر استوار نہیں ہو گا اس وقت تک خوش حالی اور آسودگی فرد کا مقدر نہیں بن سکتی ہے۔

## اکتساب کی اہمیت وفضیلت

حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

((نعم المال الصالح للمرء الصالح))[2]

ترجمہ: اچھا مال اچھے آدمی کے لیے اچھی چیز ہے۔

اس کے برخلاف غربت و تنگ دستی کو انسان کے ایمان کے لیے خطرہ قرار دیتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((کاد الفقر ان یکو ن کفرا))[3]

ترجمہ: ممکن ہے کہ غربت وافلاس کا رد عمل کفر کی حد تک پہنچ جائے۔

محنت و اکتساب ہی کی فضیلت کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست کے لیے ایک ایسا قانون تشکیل دیا جو انسانوں میں حرکت اور برکت کے فلسفہ کو ترویج دیتا ہے۔آپ نے مردہ اور غیر آباد زمینوں پر ان کے آباد کرنے والوں کو حقِ ملکیت عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

---

1۔ النساء۵

2 ۔مسند احمد، حدیث نمبر ۱۷۷۶۳ (۱۹۷/۴)

3۔مسند احمد، حدیث نمبر ۱۷۷۶۳ (۱۹۷/۴)

**((من احیا ارضا میتة فھی لہ))**[1]

ترجمہ: جس کسی نے مردہ زمین کو آباد کیا، وہ اسی کی ملکیت ہو گی۔

اسے مراد یہ ہے کہ دراصل اس زمین کے اندر خوابیدہ صلاحیت تو تھی لیکن اس نے ابھی تک حقیقی صورت اختیار نہ کی تھی۔اس جس نے اس کو زندہ کر کے قابل کاشت بنا دیا،یعنی اس کی مخفی صلاحیت کو حقیقی صورت دے کر فعال کر دیا وہی اس کا مالک متصور ہو گا۔ گویا نفع اٹھانا اور دوسروں کو نفع اٹھانے دینا ہی حقِ ملکیت کے جواز کی بنیاد ہے۔

اکتسابِ مال کی فضیلت کے ہی پیش نظر اسلام انسان کی جسمانی زندگی اور اس کے تقاضوں اور اس کی مادی ضروریات کو نظر انداز نہیں کرتا ہے بلکہ وہ اپنے ماننے والوں کو ترک دنیا یعنی رہبانیت سے دور رکھتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

**((لا رھبانیة فی الاسلام))**[2]

ترجمہ: اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔

معاشی کفالت ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔ غربت و افلاس کے اندھیروں میں ایمان کی شمع کو روشن رکھنا اکثر ممکن نہیں رہتا ہے۔اندر کا انسان سرکشی اور بغاوت پر اتر آتا ہے اور یہ سرکشی اور بغاوت خالقِ کائنات کے وجود کے انکار پر بھی منتج ہو سکتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس حقیقت کا خوب ادراک تھا۔ وہ غریبوں کو نصیحت کرتے تھے

**یا معشر الفقراء! ارفعو ا رؤو سکم اتضح الطریق-فاستبقو ا الخیرات،و لا تکو نو ا عیالا علی المسلمین**

ترجمہ: اے گروہِ فقرا! اپنے سروں کو اٹھاؤ۔ بے شک تمھارے سامنے ایک واضح راستہ ہے اور نیکیوں کی طرف سبقت لے جاؤ۔ دوسرے مسلمانوں پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جاؤ[3]۔

آپ کے بعد آنے والے خلفا بھی اکتساب کی اسی فضیلت کو خوب سمجھتے تھے اور انھوں نے بھی اپنی رعایا کو اس کی اہمیت و افادیت سے آگاہ کرنے کا فریضہ سرانجام دیا۔ چنانچہ ابو جعفر منصورؒ کام کرنے اور طلبِ حلال کی ترغیب دیتا ہوا پایا جاتا تھا۔تاریخِ یعقوبی میں اس کا ایک قول منقول ہے:

---

1۔ سنن ابوداؤد، کِتَابُ الْخَرَاجِ وَالْإِمَارَةِ وَالْفَيْءِ، باب فِي إِحْيَاءِ الْمَوَاتِ حدیث نمبر ۳۰۷۳

2 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۴۷۷۸

3 ۔شعب الایمان: ۱۲۱٦ (۸۱/۲)

**من رضی من الله بالیسر من الرزق رضی منه بالیسر من العمل، و من لم یستح من طلب الحلال خفت مؤونته و نعم اهله** [1]

ترجمہ: جو اللہ سے تھوڑے رزق پر راضی ہوا تو اللہ اس سے تھوڑے عمل پر راضی ہوا اور جس نے رزق حلال حاصل کرنے میں شرم محسوس نہ کی تو اس کی مالی کمزوری دور ہو جاتی ہے۔ یہ محنت اس کے اہلِ خانہ کے لیے نعمت بن جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے معاشی منظر نامے میں بہتری کے عنصر کو کام کاج اور تجارت کے ساتھ مربوط کر دیا ہے۔ صرف دنیا ہی نہیں بلکہ آخرت کی کامیابی و کامرانی کا معیار تجارت میں دیانت دارانہ کردار کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق وہ شخص جو تجارت کے پیشے کے ساتھ منسلک ہو اور اس کے کردار میں صداقت اور امانت کے اوصاف موجود ہوں اس کو دنیا میں مال و دولت کی برکت کے ساتھ ساتھ آخرت میں انبیا، صدیقین اور شہدا کی معیت سے نوازا جائے گا[2]۔

دورِ جدید میں تجارت زبردست اہمیت کی حامل بن چکی ہے۔ یہ کسی بھی اقتصادی نظام کی کامیابی اور ترقی و برتری کی آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ اقتصادی بہبود اور خود کفالت کی ضامن بھی بن گئی ہے۔ جن ممالک نے تجارت کو ترقی دی وہ آج ترقی یافتہ اقوام کی صف میں شامل کیے جا چکے ہیں۔ اس کے برعکس وہ ممالک جنھوں نے تجارت کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ دی وہ غربت و افلاس، بیروزگاری، قرض اور معاشی استحصال کے شکنجے میں پھنسے ہوئے ہیں۔

اسلام ہر اس پیشے کو انسان کے لیے افضل گردانتا ہے جو اس کو باعزت طریقے سے روزی مہیا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**((لان یاخذ احدکم حبله فیاتی بحزمة الحطب علی ظهره فیبیعها فکف الله بها وجه خیر له من ان یسال الناس اعطوه او منعوه))** [3]

ترجمہ: تم میں سے کوئی ایک رسی سے بندھا ہوا لکڑی کا گٹھا اپنی پشت پر اٹھا کر لائے اور اس کو فروخت کرے تو اللہ نے اس کے چہرے کو اس ذلت سے روک لیا ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے اور وہ اس کو دیں یا نہ دیں۔

---

1۔ یعقوبی، احمد بن ابو یعقوب بن جعفر، التاریخ، دار صادر، بیروت، لبنان جلد نمبر ۲ ص: ۳۸
2 ۔ جامع ترمذی، کتاب البیوع، باب مَا جَاءَ فِي التُّجَّارِ حدیث نمبر ۱۲۰۹
3۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الاستعفاف عن المسالۃ: ۱۴۰۲

صرف اسی پر بس نہیں بلکہ آپ ﷺ نے محنت کش انسان کے لیے اخروی نجات کی خوش خبری بھی بیان فرماتے ہوے ارشاد فرمایا:

((من امسیٰ کالا من عمل یدہ امسی مغفو ر لہ)) (1)

ترجمہ: جس نے اپنے ہاتھوں کے ساتھ مزدوری کرتے ہوے تھک کر شام کی تو اس کی شام بخشش کے ساتھ ہوئی۔

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا کے حوالے سے محنت کش کو بالخصوص ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

((ان اللہ یحب الملو من المحترف))(2)

ترجمہ: بے شک اللہ محنت کرنے والے مومن کو محبوب رکھتا ہے۔

خود نبی ﷺ کی تمام زندگی محنت و مشقت اور سعی پیہم کا بہترین نمونہ ہے۔ سیرت پاک کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے:

۱. بچپن میں بکریاں چرائیں۔
۲. بعثت سے قبل تجارت کی۔
۳. بیت اللہ کی تعمیر میں حصہ لیا۔
۴. ہجرت کرنے کے بعد مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر میں حصہ لیا۔
۵. غزوہ احزاب میں خندق کھودنے میں بہ نفس نفیس شریک ہوئے۔
۶. آپ ﷺ اپنے ہاتھوں سے اپنے کپڑوں کو پیوند لگا لیتے تھے۔
۷. آپ ﷺ اپنی جوتی خود گانٹھ لیتے تھے۔

اس ضمن میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے متعلق ایک روایت کتب احادیث میں موجود ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ مدینہ میں آہن گری کا کام کرتے تھے۔ ہتھوڑا چلاتے چلاتے ان کے ہاتھ سیاہ اور کھردرے ہو گئے تھے۔ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے مصافحہ کرتے ہوئے محسوس کیا تو وجہ دریافت کی۔ انھوں نے عرض کیا کہ اپنے اہل و عیال کے لیے روزی کماتا ہوں اس لیے ہاتھوں کا یہ حال ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ چوم لیے اور فرمایا:

---

1 ۔ طبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر، معجم الاوسط، مکتبۃ المعارف، ریاض، حدیث نمبر: ۷۵۲۰ (۲۸۹/۷)

2 ۔ طبرانی، معجم الاوسط: ۸۹۳۴ (۳۸۰/۸)

((هذه لا تمسها النار ابدا))[1]

ترجمہ: یہی وہ ہاتھ ہے جسے جہنم کی آگ کبھی بھی نہیں چھوئے گی۔

یہ امر ملحوظ رہے کہ صدقات و زکاۃ کی ادائیگی کے لیے اور اس کے ثواب کا مستحق بننے کے لیے لازم ہے کہ مال اور پیسہ دستیاب ہو جو کہ بغیر محنت کے حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، جن کی سخاوت او رایثار کے سبب آپ ﷺ نے ان کو خوشخبری سنائی کہ

((ما ضر عثمان ما صنع بعد اليو م))[2]

ترجمہ: آج کے بعد عثمان جو بھی کرے، اس کو ضرر نہ پہنچے گا۔

محض اس لیے تھا کہ انھوں نے خوب محنت کر کے تجارتی سر گرمیوں کے ذریعے دولت جمع کی تھی اور پھر اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا تھا۔

آج بھی بہت سے مسلم مفکرین اور علما و فاضلین اپنے ناموں کے ساتھ اپنے پیشے کو لکھنا عار نہیں سمجھتے ہیں۔ مثلاً مشہور کتاب "مباحث فی علو م القرآن" کے مصنف "مناع القطان ہیں اور قطان روئی دھننے والے کو کہتے ہیں۔ پروفیسر محمو د مز درعه ایک مصری عالم ہیں۔ مزدرعہ کھیتی باڑی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ "تیسر مصطح الحدیث" کے مصنف ڈاکٹر محمود الطحان[3] ہیں اور طحان پسائی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اس طرح کی متعدد مثالیں عصرِ حاضر سے دی جاسکتی ہیں۔

---

1۔ جزری ،ابن الاثیر مبارک بن محمد بن محمد بن عبدالکریم، اسد الغابہ فی معرفة الصحابة، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان :۴۲۰/۲

2 ۔ سنن ترمذی، کتاب المناقب باب فِي مَنَاقِبِ عُثْمَانَ حدیث نمبر:۳۷۰۱

3- آپ 1935 کو حلب میں پیدا ہوے۔ آپ کی مشہور زمانہ کتاب تیسیر مصطلح الحدیث ہے جو کہ پاکستان کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔

# فصل پنجم: معاش کی ذمہ داری

معاشی مسئلہ سے نمٹنے کے لیے نبوی طریقہ کار ایک قابل عمل اور مفید لائحہ عمل تشکیل دیتا ہے۔اس فصل میں بتایا جائے گا کہ فریضہ معاش سے خواتین اسلامی حدود میں رہ کر کس طرح نبرد آزما ہو سکتی ہیں۔

## مرد اور کسبِ معاش

اللہ تعالیٰ نے اسلام کے خاندانی نظام میں مرد کو حاکم مقرر فرمایا ہے۔اس کے رتبے کو عورت پر فوقیت دی ہے۔ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں

"اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس ادارے (خاندان) میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں؟اس نظریے سے بڑی حماقت اور کوئی نہیں ہے۔اس لیے کہ سیدھی بات ہے کہ کسی بھی ادارے کے دو برابر کے سربراہ نہیں ہو سکتے۔آپ کسی محکمے کے دو ڈائریکٹر بنا دیں تو ادارہ تباہ ہو جائے گا۔او پر مینیجنگ ڈائریکٹر ایک ہی ہو گا،اس کے نیچے آپ دس ڈائریکٹر بھی بنا دیں تو کوئی حرج نہیں۔۔۔ہر شعبے کا ایک مینیجر بنا دیجیے۔کسی بھی ادارے میں اگر نظم قائم کرنا ہو تو اس کا چوٹی کا سربراہ ایک ہی ہونا چاہیے۔لہٰذا جب مرد یا عورت سے ایک خاندانی ادارہ وجود میں آتا ہے تو اس کا سربراہ کون ہو گا،مرد یا عورت؟[1]"۔

مرد کے اس تفوق کے اظہار کے بعد اس کے تفوق کی وجہ قرآن کریم کی روشنی میں یہی معلوم ہوتی ہے کہ اخراجات کا انتظام کرنا اور مالی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی بنا پر اس کو سربراہی دی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَو امُو نَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعضَهُم عَلٰى بَعضٍ و بِمَآ اَنفَقُو ا مِن اَمو الِهِم﴾[2]

ترجمہ: مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے اُن میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔

گزشتہ فصل میں بیان کردہ فریضہ اکتساب کے حوالے سے مذکور آیات اور احادیث عمومی مفہوم میں مردوں سے ہی مخاطب ہیں۔اس کا یہ مفہوم بالکل نہیں ہے کہ اکتسابِ مال کی ذمہ داری محض مرد پر ہی عائد ہوتی ہے۔یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی پابندی مذکور نہیں ہے۔

---

1۔ اسرار احمد (ڈاکٹر)، بیان القرآن، انجمن خدام القرآن، پشاور: ۲۹۷/۱

2 ۔النساء: ۳۴

اسلام نے خواتین کو معاشی فکر سے آزاد رکھا ہے اور ان کا معاشی بار شادی سے قبل والد، بھائی یا چچا پر ڈالا ہے۔ شادی کے بعد یہ ذمہ داری ان کے بیٹے اور شوہر کے کندھوں پر لادی جاتی ہے۔ اگر اولاد نہ ہو تو پھر پوتے اور نو اسے اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے پابند ہیں۔ اگر وہ بھی نہ ہوں تا پھر ہر محرم اس فریضے کی ادائیگی کا مکلف ہے [1]۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿و قَرْنَ فِي بُيُو تِكُنَّ﴾[2]

عورت کو اللہ تعالیٰ نے گھر کی چار دیواری میں رہ کر گھریلو امور کی انجام دہی کا ذمہ سونپا ہے اور اس کو زینتِ باز ار بننے سے منع فرمایا ہے۔ فرمان رسول ﷺ ہے

**((صلاة المراة في بيتها افضل من صلاتها في حجرتها، و صلاتها في مخدعها افضل من صلاتها في بيتها))**[3]

ترجمہ: کہ عورت کی اس نماز کو سب سے زیادہ افضل قرار دیا ہے جو گھر کے اس کمرے میں ادا کی جائے جو سب سے پیچھے بنایا جاتا ہے۔

الغرض اسلام عورت کے لیے زیادہ باہر نکلنا پسند نہیں کرتا ہے بلکہ وہ ایک ایسا مطمئن اور پر امن معاشرہ چاہتا ہے جہاں مرد و عورت دونوں کو سکون اور تحفظ میسر ہو۔ ایسا معاشرہ تب ممکن ہے اگر خواتین گھریلو انتظامات سے متعلق ذمہ داریاں نبھائیں اور مرد گھر سے باہر معاشی فرائض سرانجام دیں۔

## خواتین اور کسبِ معاش

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مرد و عورت کے حقوق کی مساوات کا ایک ایسا تصور دیا ہے جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ خواتین و حضرات کی تخصیص کے بغیر ہی معاشرے کے تمام افراد کے لیے معاشی انصاف اور اقتصادی وسائل کو حاصل کرنے میں برابری کا ماحول فراہم کرنا اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ چونکہ معاشی استحکام ہر معاشرے کی ترقی اور کامیابی کا جزو لازم ہے اس لیے اس چیلنج سے نبرد آزما ہونے کے لیے لوازماتِ حیات کو حاصل کرنے کے امکانات زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی ضرورت ہے۔

زمین پر وسائل و ذرائع کی کثرت، دنیا میں بے پناہ ترقی، پیداوار کے ذرائع کی بہتات اور بے مثال اقتصادی ارتقاء کے باوجود جن معاشروں میں جنسی تفریق کا دور دورہ ہے وہاں خاندانی اور سماجی سطح پر بے چینی دوسرے

---

1۔ فتاویٰ ہندیہ، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، جلد نمبر ۱، ص: ۵۶۵

2 ۔اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو (الاحزاب: ۳۳)

3۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصَّلَاۃِ ۔ باب التَّشْدِيدِ فِي ذَٰلِكَ حدیث نمبر ۵۷۰

معاشروں کی نسبت زیادہ دیکھی گئی ہے۔ سماجی خوشحالی کے لیے ایک ایسے معاشرے کا قیام لازم ہے جس میں تمام افراد کو تعمیر و ترقی میں اپنا اپنا کردار ادا کرنے کا موقع مل سکے۔ چنانچہ مردوں اور خواتین دونوں کے لیے یہ لازم ٹھہرتا ہے کہ وہ اس میدان میں برابری کی بنیاد پر اپنے فرائض ادا کریں اور مساوی حقوق حاصل کریں۔ اس اعتبار سے اسلامی نقطہ نظر کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن نے معاشی دوڑ میں دونوں کے کردار کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ ان کو اپنی اپنی استعداد پر معاشی حقوق دینے کا عندیہ دیا ہے۔ قرآن مجید میں اس حوالے واضح تعلیمات موجود ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿و لَا تَتَمَنَّو ا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُو ا و لِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ و اسْأَلُو ا اللَّهَ مِن فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ (1)

ترجمہ: جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اُس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتو ں نے کمایا ہے اس کے مطابق اُن کا حصہ ہاں اللہ سے اس کے فضل کی دعا مانگتے رہو، یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

ضروریات زندگی کے سامنے بے بس ہو کر اپنے آپ کو قربان کر دینا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک ایسا عمل ہے جس کی کبھی بھی حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے بحالت مجبوری اکتسابی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے حوالے سے شریعت عورت کے لیے نرمی پیدا کرتی ہے تاکہ وہ مالی تنگ دستی کی اذیت سے محفوظ رہ سکے اور باعزت طریقے سے زندگی بسر کر سکے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((انه اذن لکم ان تخرجن لحاجتکن))(2)

ترجمہ: بے شک تمھیں اپنی حاجات کے لیے گھروں سے باہر جانے کی اجازت ہے۔

**عورت کی ملازمت کی نوعیت:**

مذکورہ حالات اور اجازت کی روشنی میں یہ سوال جنم لے سکتا ہے کہ اگر عورت کا معاشی حق اسلام نے تسلیم کیا ہے تو اس ضمن میں اس کا دائرہ کار کیا ہو سکتا ہے؟ وہ کون سے امور ہیں جو فطرتی طور پر اس کے سپرد کیے گے ہیں؟ کون کون سا کام اس کے لیے معقول ہے اور اس کے لیے اجازت بھی ہے؟ سماجی فلاح و بہبود میں اس کا حقیقی کردار کیا ہو سکتا ہے؟ انفرادی اور اجتماعی سطح پر معاشرے کی کامیاب تشکیل میں وہ اپنی کون کون سی خدمات پیش کر سکتی

---

1۔ النساء: 31

2 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر ۴۷۹۵

ہے ؟اسلامی سماج کو پاکیزہ اور معتدل رکھنے کی خاطر یہ لازم ہے کہ ان تمام سوالات کے جوابات اور ان کی درست سمت کا تعین ہو۔ عصرِ حاضر میں معاشرہ کی تقریباً پچاس فیصد آبادی خواتین پر مشتمل ہے اور مردوں کے لیے ان حالات میں معاش کا بوجھ تنہا اٹھانا اور اس گاڑی کو صرف ایک پہیے کی مدد سے کھینچنا یقیناً ایک مشکل امر ہے اور بعض مواقع پر ناممکن بھی۔ چنانچہ خواتین کو بھی حالات کے تقاضوں کے مطابق اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کی اجازت ملتی ہے اور اسلام ان کی اس کوشش کو معیشت کی بہتری کے لیے ایک احسن عمل کے طور پر قبول کرتا ہے۔

اسلامی تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ مالی معاملات میں عورتوں کی خدمات و فرائض کا سلسلہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے ہی جاری ہے۔ اس زمانے میں اس کی اہمیت، ضرورت اور افادیت مزید بڑھ گئی ہے کیونکہ اب دنیا کے حالات میں تغیر واقع ہوا ہے۔ یہ دور جدت، ترقی اور ٹیکنالوجی کا دور ہے جس میں ہر شخص بہتر سے بہترین کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ زندگی کا معیار پہلے کی نسبت بلند ہو چکا ہے۔ اسی بنا پر عورتوں کی معاشی بہتری، استحکام، خودمختاری اور آزادی کے لیے لازم ہے کہ معیشت کے میدان میں ایسا مستحکم اور مضبوط لائحہ عمل تشکیل دیا جائے جس میں عورتوں کے لیے آسان، الگ اور خودمختار ذرائع روزگار کا اہتمام ہو سکے۔ صرف یہی نہیں بلکہ خواتین کے معاشی مسائل کے حل کے لیے ایسے مناسب اور آسان راستے نکالے جائیں جن کی روشنی میں ان کا معاشی سفر آسانی کے ساتھ اپنی منازل کی جانب رواں دواں ہو۔

**علما کی آراء**

اس دور میں سائنس ہی نہیں بلکہ معاشرتی و سماجی حالات کے ساتھ ساتھ معاشی سطح پر بھی دنیا کا نظام تبدیل ہوا ہے۔ ہر کوئی اپنی زندگی میں زیادہ سے زیادہ اسائشات کے حصول کی کوشش میں مصروف عمل ہے۔ چنانچہ ایک عام روایت بن گئی ہے کہ خاندان کے تمام افراد معاشی تگ و دو میں مصروف ہیں۔ اس رجحان کی بنا پر خواتین بھی معاشی بہتری، آزادی اور استحکام میں اپنے آپ کو خودمختار بنانے میں مصروف ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام اس عہد کے معاشی تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے خواتین کو اس مالی خودمختاری کی اجازت دیتا ہے؟ اس کا جواب دینے کے لیے عہد حاضر کے اہلِ علم نے اپنے اپنے حالات اور فقاہت کے اعتبار سے شرعی توضیحات پیش کی ہیں۔ ڈاکٹر الصبحی الصالح لکھتے ہیں کہ حدودِ شریعت کے اندر رہتے ہوئے، اپنے بنیادی فرائض سے غافل نہ ہو تو اسلام مرد کی طرح عورت کو بھی مالیات کے میدان میں دوڑ دھوپ کرنے کی اجازت دیتا ہے اور اس کی محنت کے صلہ کو اس کا جائز حق تسلیم کرتا ہے[1]۔

1۔ صبحی صالح (ڈاکٹر)، علوم القرآن، ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد، صفحہ ۴۳۴

مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے مطابق عورت اپنے اخراجات کی خود ذمہ دار اور مکلف نہیں ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق اس کے والد اور بھائی، اس کی شادی سے قبل اس کے تمام اخراجات اور مصارف کے ذمہ دار ہیں۔ بعد از نکاح یہ ذمہ داری اس کے شوہر کے کندھوں پر لادی گئی ہے کہ وہ اپنی زوجہ کے نفقہ کا انتظام کرے[1]۔

مولانا ابو الکلام آزادؒ اس ضمن میں خاتونِ خانہ کے حقوق کو زیادہ وسیع انداز میں بیان کرتے ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ عورت کے مردور ثا کمائی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ عورت کے پاس یہ حق محفوظ ہے کہ وہ اپنے والد، بھائی، شوہر اور بیٹے کی کمائی کے ساتھ ساتھ اپنی کمائی کا خود انتظام کر سکتی ہے اور اپنی کمائی ہوئی چیز کی ملکیت کے حقوق حاصل کر سکتی ہے[2]۔

مولانا مودودیؒ خاندانی سطح پر ہر فرد کا عملِ اکتساب سے وابستہ ہونا اس لیے بھی لازم معلوم ہوتا ہے کہ ذرائع معاش کم جب کہ ضروریات وخواہشات لا محدود ہیں۔ چنانچہ تمام ذرائع آمدن کو اس طرح استعمال کیا جانا چاہیے کہ ان کے ذریعے تمام مقاصد کا حصول ممکن ہو سکے اور خانگی زندگی میں سعادت اور فلاح پائی جا سکے[3]۔

عبدالحلیم شقہ کے مطابق مسلمان معاشروں کے حالات کا بغور جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آمدن کی مقدار ضروریات کے مقابلے میں قلیل ہے جس کی وجہ سے خواتین کو اپنے خاندان کی ضروریات پورا کرنے کے لیے ملازمت کرنے اور اقتصادی سرگرمیوں کا حصہ بننے پر مجبور کر دیا ہے[4]۔

مسلمان معاشرہ دیگر مذاہب کے مقابلے میں خواتین کے معاشی حقوق کا خاص خیال رکھتا ہے۔ یہاں ایک بیٹی کی ضروریات اس کے والد، بہن کی ضروریات اس کے بھائی، بیوی کی ضروریات اس کے خاوند اور ماں کی ضروریات اس کے بیٹے کے لیے پوری کرنا ضروری ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حالات کے تقاضوں اور ضروریات کے تحت قومی اور معاشرتی سطح پر موجود معاشی بحران اور مالی مصائب و مسائل موجود ہو تو خواتین سے یہ سوال بالکل منطقی اور فطری نوعیت کا ہوا کہ آیا وہ اس معاملے میں اپنا کردار کتنی فعالیت سے پیش کر رہی ہیں۔ ڈاکٹر خالد علوی کے مطابق کسی بھی معاشرے میں عورت کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہے بلکہ معاشرتی اور تمدنی بہتری اور اس کی بقا کا دار و مدار مکمل

---

1۔ محمد شفیع (مفتی)، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، جلد ۲، صفحہ ۸۹

2 ۔ ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، اسلامی اکادمی، لاہور، جلد ۲، صفحہ ۱۹۱

3۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، معاشیاتِ اسلام، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، صفحہ نمبر: ۵۷

4 ۔ شقہ، عبدالحلیم، تحریر المراۃ فی عصر الرسالۃ، دار التعلم، کویت، جلد ۲ صفحہ ۳۴۹

طور پر خاتون کی حیثیت پر ہے۔خواتین کے اس منصب،ان کے عمل اور کردار کے ساتھ ساتھ ان کی حیات بخش صلاحتیں ہی سماج کی ترقی و تنزلی کا سامان ہیں[1] ۔

یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اسلامی قانون کا تاریخی اعتبار سے ناقدانہ جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ اقوام عالم میں اسلام نے پہلی مرتبہ اس قانونی بدعت کی داغ بیل ڈالی تھی جسے جدید دنیا کی خواتین نے ایک مثبت پیرائے میں لیتے ہوئے قبول اسلام کا رجحان پیدا کیا ہے۔ڈاکٹر اسرار احمد[2] کے بقول دنیا میں عورت کو کبھی مستقل قانونی تشخص نہیں مل سکا تھا اور اسلام نے اس کی ابتدا کی تھی۔اللہ تعالی نے خواتین کو اپنی ذاتی ملکیت رکھنے کا حق عطا فرمایا اور اس ملکیت پر مکمل تصرف دیتے ہوئے ایک ایسے ممتاز نظامِ معیشت و معاشرت کی ابتدا کی جس کی مثال تمام مذاہبِ عالم پیش کرنے سے قاصر ہیں[3]۔

اسی سے ملتا جلتا موقف مختلف علما کے ہاں ملتا ہے کہ شریعت نے اکتسابِ مال کا مرد اور عورت،دونوں کا حق دیا ہے۔اسلام اس خود مختاری کو تمام اقتصادی امور میں بیان کرتا ہے اور اس طرح عورت کے لیے قسم قسم کے مالی افعال کی اجازت دیتا ہے۔اس کو اپنے سرمائے اور آمدنی کا مالک قرار دیتا ہے[4]۔

کمانے کے جائز کاموں میں عورت کے اشتراک سے اس کا قد کاٹھ بڑھ جاتا ہے اور اس کی عزت اور احترام میں اضافہ ہوتا ہے۔جن معاشروں میں کسبِ معاش کے لیے عورت کا گھر سے نکلنا اس کی شخصیت کے لیے معیوب سمجھا جائے یقینا ان معاشروں کو متمدن اور مہذب سماج میں شامل نہیں کیا جا سکتا ہے۔افضل االرحمان کے مطابق اسللام کی تعلیمات نے زندگی کا ایک ایسا نقشہ پیش کیا ہے جو مکمل طور پر قابل عمل اور منطقی ہے۔چنانچہ وہ تمام اسلامی تعلیمات جن کا تعلق عبادات ،شعائر دینی،کاروبار،خاندانی نظام،سماجی آداب،معاشی قوانین یا تہذیب و تمدن کے ساتھ ہے، مکمل طور پر عقلی اور منطقی ہیں۔اسلام کسی صورت ہیں بھی خواتین کے مقام و منصب اور مرتبے کو کم کرنے یا کسی دوسری صورت میں نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا ہے[5]۔

ڈاکٹر عابدہ خواجہ نے عورت کی اس معاشی آزادی کو مرد کے مقابلے میں زیادہ پر سکون زندگی گزارنے کا سبب قرار دیا ہے۔ان کے مطابق عورت پر کوئی معاشی بوجھ نہ ہونے کی وجہ سے ان ذرائع سے جو آمدنی اسے حاصل ہو

---

1۔ خالد علوی(ڈاکٹر)،اسلام کا معاشرتی نظام،الفیصل ناشران وتاجران کتب،لاہور،طبع ۲۰۰۵،صفحہ ۲۶۱

2- آپ 1932 کو حصار انڈیا میں پیدا ہوے تنظیم اسلامی کے بانی ہیں آپ کا انتقال 2010 کو لاہور میں ہوا۔

3 ۔ اسرار احمد(ڈاکٹر)،اسلام میں عورت کا مقام،انجمن خدام القرآن،لاہور،طبع ۱۹۹۹،ص:۱۷

4 ۔ مسلمان عورت،خانہ فرہنگ جمہوری ایران،طبع ۱۹۸۵،صفحہ ۷۰

5 ۔ افضل الرحمان،دورِ جدید میں مسلمان عورت کا کردار،فیروز سنز،لاہور،طبع ۱۹۹۴،صفحہ:۷۲

تی ہے،وہ پوری کی پوری اس کے پاس محفوظ ہوتی چلی جاتی ہے۔جب کہ مرد پر گوناگوں معاشی ذمہ داریاں ہیں۔وہ جو کچھ کماتا ہے،اس کا بڑا حصہ ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے پر خرچ ہو جاتا ہے [1]۔

## اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں خواتین کا کسبِ معاش

اس ضمن میں اقوام متحدہ نے ۱۹۷۹ میں ایک کنوشن کی منظوری دی جسے عورتوں کے خلاف ہر قسم کے امتیاز ات کے خاتمہ کا کنونشن کہا گیا تھا۔اقوام متحدہ کے تمام رکن ممالک کو کہا گیا کہ وہ اس کنونشن کی سفارشات کو قبول کریں اور ان کے نفاذ کو یقینی بنائیں۔یہ سفارشات اسی بنیادی سوچ کی عکاس ہیں جن میں انسان کی قدر و قیمت مناصب او رمال و دولت سے متعین ہوتی ہے۔چنانچہ یہ سفارشات خواتین کو طاقت ور بنانے کے لیے جو لائحہ عمل تجویز کرتی ہیں ان میں تعلیم اور ملازمتوں میں خواتین کے لیے مساوی مواقع، قومی اور بین الاقوامی سطح پر یکساں نمائندگی اور تنخواہوں اور وراثت میں یکساں ادائیگی شامل ہے۔اس کے آرٹیکل نمبر ۱۱ کو "ملازمت" کا عنوان دیا گیا ہے جس کی سفارشات مندرجہ ذیل ہیں:

ریاستیں ایسے تمام مناسب اقدام کریں گی تاکہ روزگار کے میدان میں عورتوں کے خلاف امتیاز ختم ہو اور انھیں مردو ں کے برابر مواقع میسر ہوں خصوصا:

۱. کام کرنے کا حق
۲. روزگار حاصل کرنے کے یکساں مواقع اور بھرتی کے یکساں ضابطے
۳. روزگار اور پیشہ کے آزادانہ انتخاب کا حق
۴. یکساں اجرت کا حق، ہر قسم کی مراعات، کام کی یکساں اہمیت اور یکساں ضوابط کے تحت کام کرنے کا حق
۵. سماجی تحفظ خصوصا ریٹائرمنٹ، بے روزگاری، بیماری، بڑھاپے یا کسی دوسری وجہ سے ہونے والی معذوری کے دوران مراعات اور تنخواہ کے ساتھ چھٹیوں کا حق
۶. کام کے دوران تحفظ اور صحت کی سہولیات کی فراہمی بشمول حمل اور زچگی کے دوران صحت کی حفاظت کا حق [2]

اسی کنونشن میں آرٹیکل ۱۳ کے مطابق معاشی حقوق کے نام پر مندرجہ ذیل سفارشات کی گئیں:

---

1۔ عابدہ خواجہ (ڈاکٹر)،اسلامی نظام معاشرت میں مسلمان عورت کا کردار، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی، یونیورسٹی آف پنجاب، ۱۹۹۰، ص:۹۳

2. Convention of elimination of all forms of discrimination against women(CEDAW), Article 11

تمام ممالک ایسے اقدام کریں گے تا کہ معاشی اور معاشرتی زندگی میں مساوات مرد و زن کی بنیاد پر عورتوں کے خلاف امتیاز ختم ہو اور ان کے لیے ایک جیسے حقوق کا حصول یقینی ہو خصوصا:

۱. خاندانی مراعات (وراثت) میں یکساں حق۔
۲. بنکوں سے قرضوں کے حصول اور دوسری معاشی سکیموں سے استفادے کا یکساں حق[1]۔

۱۹۹۵ میں بیجنگ کانفرنس میں خواتین کی معاشی بہتری کے لیے بارہ امور طے کیے گئے۔ ان میں معاشی سرگرمیوں میں عورتوں کی شمولیت کو چھٹا نمبر دیا گیا تھا۔ اس میں پیش کی جانے والی اہم سفارشات مندرجہ ذیل تھیں۔

۱. عورتوں کی معاشی خود اختیاریت کو یقینی بنایا جائے۔
۲. معاشی سرگرمیوں میں ان کی شمولیت اور کام کرنے کے لیے مناسب ماحول قائم کیا جائے۔
۳. معاشی مسائل پر ان کے کنٹرول کی حوصلہ افزائی کی جائے۔
۴. وسائل، ملازمت، بازار اور تجارت تک ان کی رسائی کو آسان بنایا جائے۔
۵. کم آمدنی والی خواتین کے لیے کاروباری سہولتوں، تربیت، مارکیٹ تک رسائی، معلومات اور ٹیکنالوجی کا حصول ممکن بنایا جائے۔
۶. خواتین کی کاروباری اور معاشی سرگرمیوں کے لیے ایک مربوط نظام قایم کیا جائے۔
۷. ہر طرح کی ملازمتوں میں عورتوں کے خلاف امتیازی رویے ختم کر دیے جائیں۔
۸. مردوں اور عورتوں کے لیے بیرونِ خانہ اور گھر میں یکساں ذامہ داریوں کو فروغ دیا جائے[2]۔

## پاکستان کی قانونی قراردادوں کی روشنی میں خواتین کا کسبِ معاش

دنیا میں جہاں کہیں بھی خواتین کو معاشی سرگرمیوں میں شامل کرنے کے لیے مہمات چلائی گئی ہیں ان کا بنیادی نقطہ نظر یہی ہے کہ ہر فرد اپنی معاش کا خود ذمہ دار ہے اور معاش کے حوالے سے وہ جتنا مضبوط ہو گا اتنا ہی طاقت ور تسلیم کیا جائے گا۔ اس نظریہ کے تحت پاکستان میں قومی کمیشن برائے منصب خواتین ۲۰۰۳ نے معاشی عمل میں خو اتین کی شمولیت کو بڑھانے کے لیے مندرجہ ذیل سفارشات پیش کیں:

1. Ibid Article 13

2. Strategic objective F.2. Facilitate women's equal access to resources, employment, markets and trade
http://www.un.org/womenwatch/daw/beijing/pdf/BDPfA%20E.pdf

۱.   پارلیمینٹ خواتین کی زندگی کے تمام قومی، سماجی، سیاسی اور معاشی میدانوں میں شرکت کی بھرپور پشت پناہی کرتے ہو ئے مثبت اقدام کے ذریعے آواز اٹھائے۔
۲.   ملازمتوں میں خواتین کے لیے کوٹہ مختص کیا جائے۔ سرکاری اور نجی شعبہ کی تمام ملازمتوں کے اشتہارات میں خاص طور سے درج ہو کہ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی اہل ہیں۔
۳.   نئی بھرتیوں میں ایک جیسی تعلیم رکھنے والے مردوں اور عورتوں میں عورت کو ترجیح دی جائے۔
۴.   نیم سرکاری مشاورتی بورڈ، کمیٹیوں، بنکوں، پی آئی اے، زکوۃ و عشر کمیٹیوں میں عورتوں کو مناسب حصہ دیا جائے۔
۵.   جن جگہوں پر ترقی ٹریننگ کے ساتھ وابستہ ہے وہاں عورتوں کو لازماً شرکت کروائی جائے تاکہ وہ ترقی حاصل کر سکیں۔
۶.   ایک مہم چلائی جانی چاہیے جس کا ایجنڈا یہ ہو کہ لوگوں کو قائل کیا جائے کہ وہ اپنے کاروبار اپنی بیویوں، بہنوں اور بیٹیو ں کے نام پر منتقل کریں۔ (1)

یقیناً ان تمام شقوں پر عمل کرنا ایک مسلمان معاشرے میں ممکن ہے کیونکہ ان میں سے چند ایک ایسے نکات بھی ہیں جن کے بارے میں مذہبی حلقوں کی جانب سے تحفظات کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ یہاں محض یہ بتانا مقصود ہے کہ اسلام میں کسبِ معاش کی ذمہ داری صرف مرد پر عائد ہوتی ہے اور ضمن میں عورت کے پاس اختیار موجود ہے کہ اگر وہ چاہے تو وہ بھی تجارت یا ملازمت کے ذریعے مرد کا ہاتھ بٹا سکتی ہے۔ حکومتی اور عوامی سطح پر پوری دنیا میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص ایسی تشویش موجود ہے جس کا رخ خواتین کو معاشی طور پر فعال بنانے کی جانب ہے۔ اس ضمن میں اسلام کی تعلیمات مکمل طور پر ایسے اقدام کی تائید کرتی ہیں جن کا مقصد عورتوں کو اقتصادی میدان میں آگے بڑھنے کا موقع فراہم کرنا ہے۔

یہاں مسلمان علمانے ان پیشوں کی تخصیص کر رکھی ہے جن میں عورت کی معاشی سرگرمیوں کو محیط کیا جا سکتا ہے۔ ان پیشوں کی تفصیل تیسرے باب میں پیش کی جائے گی۔

---

1۔ دیکھیے رپورٹ: قومی کمیشن برائے منصب خواتین ۲۰۰۳

## باب اول کا خلاصہ

روئے زمین پر اللہ تعالیٰ نے بے شمار وسائلِ رزق مہیا کیے ہیں لیکن ان سے کماحقہ استفادہ صرف اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے اگر ان کو بروئے کار لانے کے لیے مناسب اقدام کیے جائیں۔ بصورتِ دیگر ان وسائلِ رزق کی موجودگی کے باوجود انسانیت ہلاکت کا شکار ہو جائے گی۔ یہاں یہ معاشی مسئلہ درپیش ہے کہ وسائل رزق کو بروئے کار لانے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ محدود ہیں اس لیے ہر کوئی معاشی مسئلہ کا شکار ہے۔ اس معاشی مسئلہ کے حل میں مذاہب عالم کی تعلیمات یا تو سرے سے موجود ہی نہیں ہیں اور بعض مذاہب کی جانب سے اس ضمن میں کچھ کہا بھی گیا ہے تو وہ عملی طور پر کام کرنے کے لیے ناکافی ہے۔ چنانچہ معاشی مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے پہلے سرمایہ دارانہ نظام اور پھر اشتراکی نظامِ معیشت کو آزمایا گیا ہے۔ ان دونوں نظاموں کے نتیجے میں عوام الناس تک ضروریاتِ زندگی کا سامان نہیں پہنچ سکا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں دولت چند ہاتھوں میں سمٹ جاتی ہے اور اشتراکی نظام میں دولت چند اداروں کی ملکیت میں جا پہنچتی ہے۔ اس دونوں کے مقابلے میں اسلام نے اکتسابی نظام دیا ہے جس کی روشنی میں ہر شخص کو مالی طور پر خود کفیل ہونے کے لیے معاشی جدوجہد کا حصہ بننا چاہیے۔ اسے معاشی جدوجہد کو رہبانیت اور بے کاری کی زندگی پر ترجیح دینی چاہیے کیونکہ یہی انسان کو ایک پر وقار زندگی عطا کرتا ہے۔ معاشی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا فریضہ مردوں پر لاگو ہوتا ہے اور ہر مرد اس امر کا مکلف ہے کہ وہ اپنی بیٹی، بہن، بیوی اور ماں کی تمام تر مالی ضروریات کا خیال رکھے اور ان کو پورا کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کرے۔ لیکن دوسری جانب یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر ایک خاندان جو چند افراد پر مشتمل ہوتا ہے، کی کفایت محض مردوں کی کمائی پر کرنے کی کوشش کی جائے تو اس میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے کیونکہ اس وقت دنیا میں زندگی کا معیار قدرے بلند ہو چکا ہے اس لیے محض ایک فرد کی کمائی پر گھر کا چلنا مشکل ہے۔ اس صورت میں لازم معلوم ہوتا ہے کہ مرد کے شانہ بشانہ عورت بھی کام کاج یا تجارت و ملازمت کرتے ہوئے معاشی سرگرمیوں کا حصہ بنے تا کہ مرد کے کندھوں پر موجود معاشی بوجھ قدرے کم ہو سکے۔ اسلام اس ضمن میں عورت کو ملازمت یا کاروبار کرنے کی مکمل اجازت دیتا ہے اور علمائے اسلام نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس متعلق اپنی آرا کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ قرآنی آیات اور احادیث کے علاوہ پاکستانی قانون اور بین الاقوامی قوانین میں بھی اس کی پوری گنجائش موجود ہے۔ پاکستان میں بنائے گئے اس قانون کو ۲۰۰۳ میں آخری مرتبہ نئے اسلوب میں پیش کیا گیا تھا۔

# باب دوم: صحابیات کی معاشی سرگرمیاں

فصل اول: تجارت کے میدان میں صحابیات کے کارنامے

فصل دوم: کاشت کاری کے میدان میں صحابیات کے کارنامے

فصل سوم: تعلیم کے میدان میں صحابیات کے کارنامے

چوتھی فصل: صنعت و حرفت کے میداں میں صحابیات کے کارنامے

فصل پنجم: فوجی میدانوں میں صحابیات کے کارنامے

فصل ششم: طب کے میدان میں صحابیات کے کارنامے

فصل ہفتم: شعبہِ رضاعت میں صحابیات کے کارنامے

## قبل از اسلام خواتین کی اکتسابی سرگرمیاں

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل از اسلام پیغمبروں کے عہد میں خواتین کے لیے معاشی سرگرمیوں کا تصور موجود تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :

**کان آدم حراثا و حو اء تغز ل الشعر فتحو له بیدها، فتکسو ها انفسها و و لدها**[1]

ترجمہ : حضرت آدم علیہ السلام کسان تھے اور حضرت حواء اپنے ہاتھ سے دھاگہ کاتتی تھیں اور اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو پہنایا کرتی تھیں۔

اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحب زادیاں محض گھر کی چار دیواری میں قید ہو کر نہیں رہ گئی تھیں بلکہ وہ ضرورت کے وقت باہر جا کر خود پانی بھر کر لاتی تھیں۔اس کا تذکرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے ضمنمیں قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے تشدد سے مہاجرت فرما کر مدین پہنچے تو انھوں نے وہاں ایک پانی کے کنویں کے کنارے دو خواتین کو دیکھا جو اپنے جانوروں کو پانی پلانے کے لیے لے کر آئی تھیں۔

**﴿و لَمَّا و رَدَ مَاءَ مَدْيَنَ و جَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِنَ النَّاسِ يَسْقُو نَ و و جَدَ مِنْ دُو نِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُو دَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاءُ و أَبُو نَا شَيْخٌ كَبِيرٌ﴾**[2]

ترجمہ :اور جب مدین کے پانی (کے مقام) پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگ جمع ہو رہے (اور اپنے چارپایوں کو) پانی پلا رہے ہیں اور ان کے ایک طرف دو عورتیں (اپنی بکریوں کو) روکے کھڑی ہیں۔موسیٰ نے (اُن سے) کہا تمہارا کیا کام ہے۔ وہ بولیں کہ جب تک چرواہے (اپنے چارپایوں کو ) لے نہ جائیں ہم پانی نہیں پلا سکتے اور ہمارے والد بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاشی و اقتصادی حوالے بائبل میں صرف اس حوالے سے موجود ہیں کہ وہ یہود کو سودی کاروبار سے منع کرتے تھے۔ان کا اپنا پیشہ مذکور نہیں ہے۔البتہ اس ضمن میں امام محمد رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ :

---

1۔امام محمد، کتاب الکسب، ناشر: عبدالهادي حرصوني-دمشق، صفحہ ۴۷

2 ۔القصص:۲۳

**و عیسیٰ کان یاکل من غز ل امه** (1)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ دھاگہ کاتا کرتی تھیں اور اس سے حاصل ہونے والی آمدن سے حضرت عیسیٰ بھی کھایا کرتے تھے۔

قرآن مجید میں حضرت مریم علیہ السلام کو کھجوروں سے متعلق پیشے کے اختیار سے منسلک بتایا گیا ہے۔ان کو کسب معاش کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا تھا:

﴿و هُز یٓ اِلَیكِ بِجِذعِ النَّخلَةِ تُسٰقِط عَلَیكِ رُطَبًا جَنِیًّا﴾ (2)

ترجمہ:اور تو ذرا اِس درخت کے تنے کو ہلا، تیرے اوپر تر و تازہ کھجوریں ٹپک پڑیں گی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں حالات تنگ ہو جائیں اور مجبوری بن جائے تو خواتین کے لیے بذریعہ وحی یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسبِ مال کی غرض سے گھر سے باہر نکلیں اور فقر و افلاس سے نجات پائیں۔

## عہدِ نبوی میں خواتین کے پیشے

اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب سماج نے عورت کو تجارت، دستکاری، زراعت اور حرفت و مزدوری وغیرہ کے انتخاب کی آزادی دے رکھی تھی۔ عورت اس آزادی کو استعمال کر کے ان میں سے کسی ایک کام کو ذریعہ روزگار بنا کر اختیار بھی کرتی تھی۔خواتین اس عہد میں محض خوراک، لباس اور گھر بنانے کی بنیادی ضروریات کے لیے ان پیشوں کو نہیں اپناتی تھیں بلکہ وہ مالی اعتبار سے مستحکم اور دولت مند بننے کے لیے بھی اس اختیار کا بھرپور استعمال کرتی تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد عورت کے اس حق کو قائم رکھا اور آپ کی زندگی میں بھی خواتین نے مختلف پیشوں کے ذریعے اکتسابِ مال کی سرگرمیوں میں شمولیت جاری رکھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ ﷺ کی شادی بھی اسی ایک پہلو کا نتیجہ تھی۔ آپ ﷺ نے ان کے تجارتی مال کے ساتھ ملک شام کا سفر فرمایا اور منافع میں ایک خطیر رقم ان کے حوالے کی ۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی دیانت داری اور تجارتی بصیرت سے متاثر ہو کر آپ ﷺ کو نکاح کا پیغام بھیجا جس کے بعد دونوں رشتہ از دواج میں بندھ گئے تھے۔

---

1۔ کتاب الکسب، صفحہ ٦٧

2 ۔مریم:٢٥

# فصل اول: تجارت کے میدان میں صحابیات کے کارنامے

زمانہ قدیم سے ہی تجارت مال کمانے کا ایک اہم ذریعہ رہا ہے۔اس کے علاوہ بھی زندگی گزارنے کے لیے قو موں مین کئی پیشے معروف رہے ہیں لیکن مال کمانے کے اعتبار سے سب سے زیادہ برکت اسی میں دیکھی گئی ہے۔کسبِ مال کے حوالے سے صحابیاتؓ نے جو پیشے اختیار کیے تھے،اس باب میں ان کا ذکر کیا جائے گا۔

**عمومی خرید وفروخت کا کام**

اسلامی ادب میں ایک اور صحابیہ حضرت قیلہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ ملتا ہے۔ایک مرتبہ وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی:

((انی امراء ابیع و اشتری))[1]

ترجمہ: میں خرید وفروخت کا کام کرنے والی خاتون ہوں۔

حضرت قیلہ کون سی اشیاء کی خرید وفروخت کرتی تھیں،اس بارے میں صراحت موجود نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ وہ بڑے پیانے پر تجارت سے وابستہ نہ ہوں گی اس لیے ان کی تجارت کی نوعیت اور سامانِ تجارت کی تفاصیل دستیاب نہیں ہو پائی ہیں البتہ ان کی تجارتی سرگرمیوں کے مذکورہ حوالے کی روشنی میں عہد نبوی میں کے ان کردار و ں کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے جو معاشی سرگرمیوں کا حصہ تھے۔

تجارتی سرگرمیوں کی بدولت اس عہد کی خواتین میں اشیاء کی جانچ پرکھ اور انتخاب و خرید کی مہارت پیدا ہو چکی تھی۔یہی وجہ ہے کہ تجارت کے علاوہ جب وہ اپنی ضروریات کی اشیاء خریدتی تھیں تو بھی ان کا یہی تجربہ ان کے کام آتا تھا۔ بعض اوقات اس معاملے میں وہ مردوں کو بھی متاثر کر دیتی تھیں۔ حضرت عمرہ بنت الطبیخؓ ایک مرتبہ اپنی لو نڈی کے ہمراہ بازار گئیں اور وہاں سے انھوں نے ایک ایسی مچھلی خریدی جو جسامت میں بہت بڑی تھی۔اس مچھلی کو خریدنے کے بعد جھولے میں رکھا۔ مچھلی کا حجم بڑا ہونے کی وجہ سے اس کی دم اور اس کا سر جھولے سے باہر لٹک رہا تھا۔اسی دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے۔انھوں نے مچھلی کو دیکھا تو حضرت عمرہ بنت الطبیخؓ سے کہا:

---

1۔ الزهري، محمد بن سعد بن منیع، طبقات الکبریٰ، مکتبۃ الخانجی، جلد ۸، صفحہ ۳۱۱

**بکم ھذہ؟ ان ھذا لکثیر طیب یشبع منه العیال**[1]

ترجمہ: "آپ نے یہ مچھلی کتنے میں خریدی ہے؟ یہ تو اپنے حجم کے اعتبار سے اتنی بڑی ہے کہ تمام اہل خانہ اس کو پیٹ بھر کر کھا سکتے ہیں۔

**عطر کی تجارت**

زمانہ قدیم سے ہی عطر کا استعمال مہذب معاشروں میں ہوتا رہا ہے۔اس کی تجارت سے خاطر خواہ کمائی بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ہر تہذیب میں اس کے تاجر با آسانی ملتے ہیں اور صحابیاتؓ نے بھی اس پیشے کو اختیار کیا تھا۔ عہد نبوی کے بعد حضرت عمر کے زمانے میں جب اسلامی معیشت کو چار چاند لگے تو مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین نے بھی تجارتی و کاروباری دنیا میں اپنا کردار زیادہ فعال کر لیا۔اس دور میں حضرت اسمابنت مخرمہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا یمن چلا گیا۔اس نے یمن کی مصنوعات میں سے عطر کا انتخاب کیا اور اپنی والدہ کو یمنی عطر ارسال کرنا شروع کر دیا۔ حضرت اسماءؓ نے اہل مدینہ کی خواتین اور مردوں میں یہ عطر فروخت کرنا شروع کر دیا جس سے ان کی مالی حالت میں بہتری آ گئی[2]۔

آپ ﷺ کے زمانے میں عطر فروشی کا کام ایک اور خاتون بھی کرتی تھیں جن کا اصلی نام تو خولہ تھا لیکن ان کو عطر فروشی کے باعث "العطارہ" یعنی عطر فروش خاتون کا لقب دیا گیا تھا۔خولہ رضی اللہ عنہا کئی مرتبہ آپ ﷺ کے گھر عطر لے کر آئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ ان سے نبی اکرم ﷺ کے لیے عطر خریدا کرتی تھیں۔ آپ ﷺ ان کے عطر کی خوشبو سے ان کو پہچان لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی ﷺ گھر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کو اپنے گھر میں دیکھا۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا "کیا تم لوگوں نے ان سے کچھ خریدا ہے؟"۔ حضرت عائشہ نے جواب دیا: آج وہ کاروبار کی غرض سے نہیں آئی تھیں بلکہ اپنے شوہر کی شکایت لے کر آئی تھیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے معلوم کیا کہ انھیں اپنے شوہر سے کیا شکایت ہے اور پر ان کے مسئلہ کا تدارک کیا[3]۔

معروف صحابی حضرت سائب بن اقرع رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ملیکہ رضی اللہ عنہا بھی عطر فروش تھیں۔ ایک مرتبہ وہ اپنے بیٹے کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تا کہ ان کو کچھ عطر فروخت کیا جا سکے۔ آپ ﷺ نے عطر خریدا اور پھر ان سے ان کی ضرورت و حاجت سے متعلق پوچھا۔ انھوں نے بتایا کہ مجھے کوئی

---

1۔ طبقات الکبریٰ، جلد ۸، صفحہ ۴۸۸

2 ۔ طبقات الکبریٰ: جلد ۸، صفحہ ۳۰۰

3۔ الجزری، عزالدین بن الاثیر ابوالحسن علی بن محمد، اسد الغابہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، جلد ۵، صفحہ ۴۳۲

حاجت نہیں ہے۔ بس ایک گزارش ہے کہ میرے اس چھوٹے بچے (اس اس وقت ان کے ہمراہ تھا) کے لیے دعا فرما دیں۔ آپ ﷺ نے اس بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے حق میں دعا فرمائی[1]۔

**پراپرٹی اور غلاموں کی فروخت کا کام**

نبی اکرم ﷺ کے عہد میں بعض خواتین کو اعزازی طور پر کوئی نہ کوئی چیز بھی عطیہ یا ہدیہ کر دی جاتی تھی جس کو وہ بوقتِ ضرورت فروخت بھی کر دیتی تھیں۔ اس ضمن میں غزوات میں حاصل ہونے والا مالِ غنیمت خصوصی حوالے کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ غزوہ خیبر میں فتح حاصل کرنے کے بعد مسلمانوں میں موجود خواتین میں سے تقریباً بیس خواتین کو عطایا حاصل ہوئے تھے۔ غزوہ فتح مکہ اور غزوہ حنین کے موقع پر بھی خواتین کو عطایا دیے گئے تھے۔ ان خواتین نے حاصل ہونے والے عطایا بعد میں فروخت کر دیے تھے۔

موہوبہ اموال کو پیسوں یا اشیاء کے بدلے میں فروخت کرنا اور ضروریات کی دیگر اشیاء کو خریدنا جس طرح مردوں میں مروج تھا، اسی طرح عورتوں میں بھی مروج تھا۔ روایات میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ خواتین نے اس عہد میں نہ صرف منقولہ جائیدادیں فروخت کیں بلکہ غیر منقولہ جائیدادوں کو بھی بیچا تھا۔ غیر منقولہ زمینوں اور مکانوں سے آمدنی حاصل کرنے والی خواتین کا ذکر بھی کتبِ رجال میں ملتا ہے۔ اس ضمن میں حضرت ام سنان رضی اللہ عنہا کا ذکر اکثر کتب میں ہے جن کو نبی اکرم ﷺ نے کسی غزوہ میں اپنی سواری کا ایک اونٹ ہدیہ کیا تھا۔ غزوہ کے بعد جب لشکر واپس مدینہ پہنچا تو انھوں نے وہ اونٹ سات دینار میں فروخت کیا تھا[2]۔

اس عہد میں غلام بھی پراپرٹی کی مانند تھے۔ خواتین نے تجارتی حوالے سے ان کے لین دین کا کام بھی کیا تھا۔ ابن الاثیرؒ نے حضرت ربدا بنت عمرو رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ ایک راستے سے گزر رہے تھے جہاں ایک غلام بکریاں چرا رہا تھا۔ یہ بکریاں اور غلام حضرت ربدا رضی اللہ عنہا کے تھے۔ آپ ﷺ نے اس غلام سے دودھ مانگا۔ اس نے فوراً ایک بکری کا دودھ آپ ﷺ کو پیش کیا۔ جب اس صحابیہ کو یہ خبر ملی تو انھوں نے اپنے غلام کو آزاد کر دیا[3]۔

---

1۔ اسد الغابۃ، جلد ۵، صفحہ ۵۴۹

2۔ الواقدي، محمد بن عمر، کتاب المغازي، بتست مشن۔ کلکتۃ، 1855، صفحہ ۲۸۷

3۔ اسد الغابۃ، جلد نمبر ۷، صفحہ نمبر ۱۰۸

اسی طرح حضرت اسماءؓ کا نکاح جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا توان کو جنگی قیدیوں میں سے ایک باندی ملی۔ وہ باندی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ایک دکاندار کے ہاتھ فروخت کر دی۔اس کی قیمت ملنے کے بعد حضرت زبیرؓ نے حضرت اسماءؓ سے وہ رقم مانگی تو انھوں نے جواب دیا کہ میں اس کو صدقہ کر چکی ہوں [1]۔

حضرت زید ابن ارقمؓ سے متعلق ایک روایت موجود ہے جس کے مطابق انھوں نے ایک عورت سے ایک لونڈی ۸۰۰۰ درہم میں ادھار خریدی تھی [2]۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک خاتون کے غلام تھے جن کا نام خلیسہ تھا [3]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کی خواتین کے لیے غلاموں اور باندیوں کی تجارت مباح تھی اور ان کا مال ان کی ملکیت میں ہی رہتا تھا۔

ان تمام مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں خواتین اکتسابی افعال میں شمولیت کی مجاز تھیں اور ان میں سے چند خواتین نے اپنی اپنی سطح پر تجارت کو ذریعہ کسبِ مال بنا رکھا تھا۔

---

1۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر ۵۵۷۸

2۔ سنن دار قطنی، کتاب البیوع، حدیث نمبر ۳۰۰۲

3 ۔الاصابہ فی تمیز الصحابۃ، جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۴۹۲

# فصل دوم: کاشت کاری کے میدان میں صحابیات کے کارنامے

انسانی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب اور تمدن کے آغاز میں خواتین ہمیشہ مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی آئی ہیں۔ جن ادوار میں دنیا میں مردوں کی تعداد کم تھی ان زمانوں میں خواتین اپنے خاوند، بھائی، والد اور بیٹوں کے ہمراہ جانوروں کو چرانے، ان کے لیے چارے کا بندوبست کرنے اور ان کا چارہ خشک کرنے کے فرائض سر انجام دیتی تھیں۔ کھیتوں میں کام کرنے والے مردوں کے لیے دن میں تین مرتبہ، یعنی صبح، دوپہر اور شام کے وقت کھانا بہم پہنچاتی تھیں اور اس ضمن میں دیگر کئی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا فرض بھی ادا کرتی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں اس کی ایک مثال موجود ہے جس کا ضمنی طور پر گزشتہ فصل میں تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ جب آپ علیہ السلام مصر سے مدین منتقل ہوئے تو وہاں آپ نے دیکھا کہ ایک کنویں کے گرد کثیر تعداد میں لوگ جمع تھے[1] جو خود بھی اس سے پانی پی رہے تھے اور اپنی بھیڑ بکریوں کو بھی پلا رہے تھے[2]۔ موسیٰ علیہ السلام نے وہاں دو خواتین کو دیکھا جو ان لوگوں کے قبائل سے تعلق نہیں رکھتی تھیں[3]۔ وہ بھی اپنے ریوڑ کو اسی کنویں سے پانی پلاتی تھیں[4]۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے مطابق وہ یہ ذمہ داری ہر روز سر انجام دیتی تھیں[5]۔ امام ابن ابی حاتم[6] (۸۵۴ء:۹۳۸ء) کے مطابق ان کے لیے ایک مشکل تھی کہ باقی لوگ اپنے ریوڑوں کو پہلے پانی پلا لیتے تھے کیونکہ ان ریوڑوں کے مالک مرد حضرات تھے۔ ان کے فارغ ہونے کے بعد جب کنواں خالی ہو جاتا تو پھر یہ اپنے ریوڑ کے لیے پانی نکالتی تھیں[7]۔

اس قصے میں قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ وہ دونوں خواتین اپنے ریوڑ کو ایک طرف روک کر کھڑی تھیں تا کہ سب لوگ اپنے اپنے ریوڑ کو پانی پلا کر چلے جائیں اور پھر یہ اپنے ریوڑ کو پانی پلا سکیں۔ اس نکتے سے واضح ہوتا ہے کہ

---

1 ۔ عبد الرحمان بن ابی حاتم، تفسیر القرآن العظیم مسندا عن الرسول ﷺ والصحابۃ والتابعین، مکتبۃ نزار الباز السعودیۃ طبع ۱۹۹۹ء، جلد ۹، صفحہ ۲۸۶۲

2 ۔ ابو الحسن مقاتل بن سلیمان، تفسیر مقاتل بن سلیمان، دار احیاء التراث، بیروت، جلد ۳، صفحہ ۳۴۱

3 ۔ التمیمي، عبد الرحمن بن محمد بن إدریس بن المنذر، الحنظلي، الرازي ابن أبي حاتم، تفسیر القرآن العظیم لابن أبي حاتم، مکتبۃ نزار مصطفی الباز - المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، جلد ۹، صفحہ ۲۹۶۲

4 ۔ تفسیر مقاتل بن سلیمان، جلد ۳، صفحہ ۳۴۱

5 ۔ الطبری محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، مکتبہ و مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، القاہرہ، جلد ۱۸، صفحہ ۲۰۶

[6] ابن ابو الحاتم الرازی (پیدائش: 854ء — وفات: 938ء) قدیم محدث، مفسر اور جرح و تعدیل کے امام تسلیم کیے جاتے ہیں۔

7 ۔ تفسیر ابن ابی حاتم، جلد ۹، صفحہ ۲۹۶۲

ان میں ریوڑ کو سنبھالنے اوراس کو قابو میں رکھنے کی صلاحیت موجود تھی جو اس پہلو کی جانب اشارہ کر رہا ہے کہ وہ ایک عرصے سے یہ ذمہ داری ادا کر رہی ہوں گی کیونکہ اس قابلیت اور لیاقت کے لیے تجربے کا ہونا ناگزیر ہے۔

## کھیتوں میں کام

کھیتوں میں کام کرنے کا یہ عمل عہد نبوی ﷺ میں بھی جاری و ساری تھا۔ امام بخاریؒ نے اس ضمن میں حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل فرمائی ہے جس میں انھوں نے اپنے شاگرد ابو سلمہ کو بتایا کہ ان کے زمانے میں ایک خاتون تھی جو اپنی زمینوں میں چقندر کاشت کرتی تھی۔ اس خاتون کا نام کتبِ احادیث میں مذکور نہیں ہے۔ سہل فرماتے ہیں کہ جمعہ کے روز وہ خاتون اپنی زمینوں میں سے چقندر اکھاڑ کر لے آتیں اور ایک برتن میں اس کو سالن کی ورت میں پکاتی تھی۔ اس کو پکانے کے بعد جو کے آٹے کی ایک مٹھی اس پر چھڑک دیتی تھیں۔ جس سے اس چقندر کا ذائقہ ایسا ہو جاتا تھا جس طرح گوشت کا ذائقہ ہوتا تھا۔ جمعہ کی نماز کے بعد ہم لوگ ان کو سلام کہنے کے لیے جاتے تو وہ اپنا تیار کیا ہوا کھانا ہمارے سامنے رکھ دیتیں جسے ہم کھا جاتے تھے۔ اس خاتون کا کھانا ہمیں اس قدر پسند تھا کہ ہم لوگ ہر جمعہ کو ان کے کھانے کی خواہش رکھتے تھے[1]۔

اس حدیث کے تناظر میں معلوم ہوتا کہ کاشت کاری ایک ذریعہ روزگار ہی نہیں بلکہ اجر و ثواب کا سبب بھی ہے۔ صحابہ کرام کا بیان کہ "ہمیں اس خاتون کا کھانا نہایت پسند تھا" بتاتا ہے کہ وہ خاتون تسلسل کے ساتھ اس اجر کے حصول کے لیے باقاعدہ دوسروں کا پیٹ بھرتی تھیں۔ آپ ﷺ نے اسی لیے زراعت کے پیشے کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے اور آپ ﷺ یہ خوش خبری بھی دی کہ اگر کوئی فرد درخت لگائے اور اس درخت کے پھل سے پرندے، جانور اور انسان فائدہ اٹھائیں تو اس کے لیے اس میں اجر ہے[2]۔

عہد نبوی میں بہت سی ایسی خواتین بھی موجود تھیں جو مستقل طور پر کھیتی باڑی کے پیشے کے ساتھ منسلک تھیں اور ان کا یہ عمل کئی فقہی مسائل کی تشریح میں کارآمد ثابت ہوا۔ اس ضمن میں امام ابوداؤدؒ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے جس کے مطابق ان کی ایک خالہ تھیں جن کا کھجور کاشت کرنے اور اس کو فروخت کرنے کا کاروبار تھا۔ ان کی شادی شدہ زندگی میں دراڑ پڑ گئی جو طلاق پر منتج ہوئی۔ طلاق کے بعد عدت کے دوران ہی وہ اپنی کھجوریں کاٹنے کے لیے گھر سے نکلیں۔ لوگوں کو ان کے گھر سے نکلنے کے بارے میں معلوم ہوا تو ان میں سے ایک شخص نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی خالہ کو اس حالت میں گھر سے نکلنے سے روکنے کے لیے نصیحت کی۔ موصوفی نبی

---

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ حدیث نمبر ۹۳۸

2۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر ۱۴۶۶

اکرم ﷺ کی خدمت میں آئیں اور اس بارے میں آپ ﷺ سے استفسار کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے سارا معاملہ سنا تو فرمایا:

**((اخرجی فجدی نخلك، لعلك ان تصدقی منه او ر تفعلی خیرا))**(1)

ترجمہ: چلی جایا کرو اور اپنی کھجوریں کاٹا کرو۔ تم اس سے حاصل شدہ کمائی سے صدقہ یا کوئی دوسرا کارِ خیر ہی کرو گی۔

معلوم ہوتا ہے کہ شعبہ زراعت سے منسلک ہونے والی خواتین کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی بلکہ وہی خواتین اس پیشے کے ساتھ منسلک تھیں جو سرسبز وشاداب علاقوں کی مکین تھیں۔ان کی زراعت کے سبب ان کے خاوندوں کو بھی مالی طور پر مستحکم ہونے کا موقع ملا۔

حضرت ابو بکر صدیق کی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی تھی جو مالی طور پر کسمپرسی کا شکار تھے۔اس وقت ان کی کل کائنات ایک اونٹ اور ایک گھوڑا تھا۔اس اونٹ پر پانی لادا جا سکتا تھا۔ان کے ہاں نہ کوئی غلام یا خادم تھا اور نہ ہی گھر میں ایسا کوئی سامان تھا جس سے استفادہ کیا جا سکے۔ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ اس صورت حال میں مجھے خود ہی ان کے گھوڑے کے لیے چارے اور پانی کا انتظام کرنا پڑتا تھا اور اس کے پانی کے لیے میں ڈول بھر بھر کر لاتی تھی۔اس کے ساتھ ساتھ میں آٹا گوندھنے، روٹی پکانے اور ایسے تمام گھریلو کام کرتی تھی۔

میں روٹی پکانے میں کچھ خاص مہارت نہیں رکھتی تھی لیکن اس صورت میں پڑوس میں رہنے والی انصار کی خواتین نے دوستی کا حق ادا کیا اور میری روٹیاں وہ پکادیا کرتی تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو میرے گھر سے تقریباً دو میل دور زمین کا ایک خطہ دے رکھا تھا تاکہ وہ اس پر کاشت کاری کریں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔اسی زمین سے میں کھجور کی گٹھلیاں لاتی تھی۔۔۔۔۔زبیر رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا کہ اللہ کی قسم تمہارا گٹھلیاں اٹھا کر لانا مجھ پر شاق گزرتا ہے۔اس کے بعد اس گھوڑے کی دیکھ بھال کے لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک خدمت گزار ارسال کیا جس کے سبب مجھے اس ذمہ داری سے سبک دوش ہونے کا موقع مل گیا(2)۔

اسماء رضی اللہ عنہا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا پہلا دائرہ کار گھر تھا۔ عہد نبوی میں عورتیں گھر کے کام کاج کے ساتھ ساتھ ایسی تمام سرگرمیوں میں حصہ لینے کی مجاز تھیں جن کا مقصد و مدعا گھر ہی کی بہتری تھا۔ حضرت اسماءؓ نے گھریلو ذمہ داریاں سنبھالنے کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ کھیت میں جا کر کام کرنے کو

---

1۔ سنن ابوداؤد کتاب تفریع ابواب الطلاق باب فی المبتوتۃ تخرج بالنھا، حدیث نمبر ۲۲۹۷

2 ۔ صحیح بخاری کتاب النکاح، باب الغیرۃ، حدیث نمبر ۵۲۲۴

بھی روایت فرمایا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر گھریلو ذمہ داریوں کی ادائیگی کے بعد خاتون میں مزید کام کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی تھی تو عہد نبوی میں اس کو اس کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے سے منع نہیں کیا جاتا تھا۔

زراعت کا پیشہ جن خواتین میں مقبول تھا ان میں سے کچھ خواتین معاشی طور پر اس قدر مستحکم ہو چکی تھیں کہ وہ اپنے گھریلو اخراجات کی ذمہ داری بھی لے لیتی تھیں اور زراعت سے حاصل ہونے والی آمدنی سے گھر کے اخراجات بخوبی پورے کر لیتی تھیں۔اس ضمن میں حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ان کے والد کی طائف میں کچھ جائیداد تھی جس میں سے ان کو بھی وراثت کا حصہ ملا تھا۔وہاں سے ان کو شہد حاصل ہوتا تھا اور بعض دیگر شکلوں میں بھی آمدنی حاصل ہوتی تھی۔وہ اس آمدنی کو اپنے اہلِ خانہ بالخصوص اپنے پہلے شوہر ابو سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے یتیم بچوں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے خرچ کرتی تھیں۔اس بنا پر ایک مرتبہ انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ کیا مجھے اس کا اجر و ثواب ملے گا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا "ہاں"[1]۔

**چرائی/گلہ بانی کے پیشے سے منسلک خواتین**

نبی اکرم ﷺ کے ہاں ایک قبیلہ غفار سے تعلق رکھنے والے ایک اجیر تھے۔وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ ایک چراگاہ میں حکومت کے جانوروں کو چراتے تھے اور دونوں میاں بیوی ان جانوروں کی مکمل دیکھ بھال پر مامور تھے۔معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کی چروائی کا پیشہ مخصوص خواتین بچیوں اور باندیوں کے لیے تھا۔غزوہ بنو قریظہ کے اسیر ان میں سے آپ ﷺ کے حصے میں ربیحہ نامی ایک باندی آئی۔اس کو ذمہ داری صدقات کے باغات میں کام کرنا تھی۔نبی اکرم ﷺ کبھی کبھار اس کے جھونپڑی میں قیلولہ فرماتے تھے۔مرضِ الوفاۃ وہیں سے شروع ہوا تھا[2]۔

اس کے علاوہ ایسی مثالیں بھی عہد نبوی میں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جانوروں کی چروائی کا کام آزاد خواتین بھی کرتی تھیں۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی والدہ لوگوں کے گھروں میں بطور خادمہ کام کرنے کے ساتھ ساتھ اجرت پر لوگوں کے ریوڑ بھی چرایا کرتی تھیں۔آپ ﷺ کے زمانے میں ایسے لوگ کثیر تعداد میں موجود تھے جو گھریلو خدمات مہیا کرتے تھے یا چرواہے کا ذمہ داری ادا کرتے تھے۔

اس عہد کی عرب تہذیب بتاتی ہے کہ اس کو پیشے کو زیادہ تر خواتین ہی اختیار کرتی تھیں۔چروائی کا کام محض ایک پہلو پر مشتمل نہیں تھا بلکہ اس ذمہ داری پر مامور خواتین باڑے کے دیگر کام بھی سرانجام دیتی تھیں جن میں دودھ دوہنا اور پھر اس کو مالکوں کے گھروں میں پہنچانا شامل تھا۔

---

1۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الزکاۃ علی الزوج، حدیث نمبر 1467

2 ۔بلاذری، احمد بن یحیٰ بن جابر، فتوح البلدان، دار الکتب العلمیہ، بیرت، جلد نمبر ا، ص: ۵۴۳

خواتین اس شعبے میں متخصص سمجھی جاتی تھیں اور ان میں سے زیادہ تر باندیاں تھیں۔ نبی اکرم ﷺ کی باندیوں کے علاوہ اہلیان مکہ اور اہلیان مدینہ کی باندیاں چروائی کا کام کرتی تھیں۔ ان میں سے حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی ایک باندی حضرت وجیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں[1]۔

**باغات میں خواتین کا کام**

اس عہد میں خواتین کی جائیدادوں کی نوعیت زرعی تھی۔ علامہ بلازریؒ کے مطابق انصاری خواتین کی زیادہ تر جائیدادیں ایسی تھیں جو کاشت کاری میں کام آتی تھیں جب کہ امہات المومنین میں سے حضرت عائشہؓ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی جائیدادیں طائف اور مکہ میں تھیں[2]۔

جب بنو قریظہ اور بنو نظیر کے زرعی اموال اسلامی ریاست کے اختیار میں آ گئے تو اس میں سے متعدد باغات مہاجرین میں تقسیم کیے گئے۔ نادار اور محتاج انصار کو بھی ان میں سے حصہ ملا۔ فدک، خیبر، تیما اور وادی ام القریٰ وغیرہ میں موجود زرعی جائیدادوں کا بھی یہی معاملہ تھا۔ ان سب میں خواتین ہی کام کرتی تھیں اور کئی باغات کی وہ مالکن بھی تھیں۔ کاشت کاری کے پیشہ سے منسلک یہودیوں کے باغات میں انصاری خواتین ہی عہد جاہلیت سے مزدوری کرتی آ رہی تھیں۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں یہ روایت قائم رہی جو یہودیوں کی جلاوطنی تک جاری رہی تھی۔

اس ضمن میں ایک روایت ملتی ہے جس کے مطابق نبی اکرم ﷺ ایک صحابیہ ام معبد کے باغ میں تشریف لے گئے جو انتہائی سرسبز و شاداب تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو خوش خبری سنائی کہ اگر ان کے باغ کے پھلوں سے پرندے کھائیں گے تو ان کو اس کا بھی اجر ملے گا[3]۔

نبی اکرم ﷺ کی ایک باندی تھی جس کا نام ربیجہ تھا۔ آپ ﷺ نے ایک باغ میں کام کرنے کی ذمہ داری اس کو دے رکھی تھی[4]۔

---

1۔ بلاذری، جلد ا، صفحہ ۵۱۳، ۵۱۴

2۔ بلاذری، جلد ا، صفحہ ۴۲۷

3۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر ۱۵۵۶

4 ۔ بلاذری، احمد بن یحیٰ، انساب الاشراف، جلد نمبر ا، صفحہ نمبر ۵۴۳

# فصل سوم: تعلیم کے میدان میں صحابیات کے کارنامے

## تمہید: خواتین کی تعلیم کی اہمیت

اسلام دین فطرت ہے جو ہمیشہ مہذب معاشروں کی تشکیل کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔ مہذب معاشروں کی تعمیر کے لیے تعلیم اہم ترین چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مردوں اور عورتوں کے لیے حصولِ علم لازم قرار دیا ہے۔

ماں کی گود بچے کی پہلی درسگاہ ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے عورت کی تعلیم و تربیت کی اہمیت مردوں کی تعلیم و تربیت سے کسی طور کم نہیں ہوتی ہے۔ نبی ﷺ جس طرح مردوں کی جانب رہنما کی صورت میں مبعوث کیے گئے تھے اسی طرح آپ عورتوں کے بھی رسول تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان "انما بعثت معلما[1] "تمام اصنافِ آدمیت کو محیط ہے۔ آپ ﷺ کا دوسرا فرمان "انما انا لکم بمنز لۃ الو الد اعلمکم"[2] یعنی میں تمہارے لیے والد کی جگہ ہوں، تمہیں ہر چیز کی تعلیم دیتا ہوں۔

یہ حدیث مبارک بھی اسی حقیقت کی جانب اشارہ کرتا ہے کیونکہ والد کے لیے صرف بیٹے ہی نہیں بلکہ تعلیمی اور تربیتی اعتبار سے بیٹیاں بھی اہم ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کا تصورِ تعلیم ترقی اور کاملیت میں ایک مکمل نظام کی تشکیل کے لیے کافی تھا جب کہ یورپ میں خواتین کو اس وقت تعلیم کے حصول کا خواب دینا بھی نصیب نہ ہوتا تھا۔ انسائیکلوپیڈیا آف ایجوکیشن کا مقالہ نگار Baberino Francesco لکھتا ہے کہ قرون وسطیٰ میں خواتین کی تعلیم کو بنیادی طور پر ایک عیب سمجھا جاتا تھا[3]۔ اس کے مقابلے میں نبی ﷺ نے ہر خاص و عام اور مرد اور عورت پر تعلیم کو فرض قرار دیتے ہوئے اس کو ایک عام حکم کے طور پر لاگو فرما دیا[4]۔

### ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس ضمن میں بعض مسلم معاشروں میں غیر ضروری تحفظات کی بنا پر کئی قسم کی غلط فہمیاں پھیلا دی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک غلط فہمی یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ نے عورتوں کی کی تعلیم اور ان کی خط و کتابت کی حوصلہ افزائی

---

1۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید،، سنن ابن ماجہ، ابواب کتاب السنۃ، باب فضلا العلماء، دار السلام، لاہور، حدیث نمبر: ۲۲۹

2 ۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطھارت، باب کراہیۃ استقبال القبلۃ، حدیث نمبر: ۸

3. Baberino, Francesco: Encyclopedia of Education , London, 1973, vol.3P

4۔ سنن ابن ماجہ ابواب کتاب السنۃ، باب فضلا العلماء، حدیث نمبر: ۲۲۴، (امام سیوطی نے اس کو حسن اور مقبول قرار دیا ہے۔ شرح سنن ابن ماجہ للسیوطی، ص: ۲۰)

نہیں کی ہے بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو خط و کتابت نہ سکھاؤ، ان کو سوت کاتنا سکھاؤ اور سورت نور کی تعلیم دیا کرو[1]۔ حالانکہ یہ ایک من گھڑت روایت ہے[2]۔

اس کے برعکس ایک صحیح حدیث کے مطابق خواتین کی خط و کتابت کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔ آپ ﷺ کی صحابیہ شفا بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ ﷺ کے گھر میں بیٹھی تھیں۔ نبی اکرم ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس طرح تم نے حفصہ کو لکھنا سکھایا ہے اسی طرح اس کو پہلو اور پھنسیوں کا دم کیوں نہیں سکھاتیں؟[3]۔

جن لوگوں نے خواتین کی تعلیم کو ان کے کردار کی خامی کا سبب قرار دے کر ناجائز قرار دیا ہے یہ ان کی انفرادی رائے ہے جسے اہلِ علم کے ہاں پذیرائی نہیں مل سکی ہے۔

نبی ﷺ نے سب سے پہلے اپنی بیویوں کی تعلیم کی جانب خصوصی توجہ فرمائی اور انہیں اس قابل بنادیا کہ وہ نہ صرف خواتین کی تعلیم و تربیت میں مثبت کردار ادا کرتی رہیں بلکہ مرد بھی ان سے شرعی تعلیمات سیکھتے تھے۔ اہم معاملات میں ان سے مشاورت بھی کی جاتی تھی۔

آپ ﷺ نے دوسروں کو بھی ترغیب دی کہ جو شخص اپنی تین بیٹیوں کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت کرے گا اس کے لیے جنت ہے[4]۔ اس ضمن میں آپ نے لڑکی کو لڑکے سے کم تر قرار دینے کی بھی مذمت فرمائی ہے۔ سنن ابو داؤد کی ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی بیٹی کو زندہ در گور نہ کرے اور نہ ہی اس کی بے حرمتی کرے اور نہ ہی اپنے بیٹے کو اس پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا[5]۔

آپ ﷺ نے صرف آزاد عورتوں کو ہی نہیں بلکہ لونڈیوں اور کنیزوں کو بھی تعلیم دلوانے کی تلقین فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی شخص کے پاس لونڈی ہو اور وہ اس کو بہتریں تعلیم دے، اس کو آداب سکھائے، اس کی تربیت کرے، پھر اس کو آزاد کرنے کے بعد اس سے نکاح کرلے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے[6]۔

---

1۔ النیسابوري، محمد بن عبد اللہ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیۃ - بیروت، ۱۹۹۰ء، حدیث نمبر ۳۴۹۴۔ شعب الایمان، حدیث نمبر ۲۲۲۷

2۔ سیوطی، اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۶ء، جلد نمبر ۲، ص: ۱۴۲

3 ۔ سنن ابو داؤد، کتاب طب، باب ماجاءَ فی الرقی حدیث نمبر: ۳۸۸۷

4 ۔ سنن ابو داؤد کتاب النوم، باب فضل من عال یتامی، حدیث نمبر: ۵۱۴۷

5 ۔ ایضا: ۵۱۴۶

6۔ صحیح بخاری، کتاب العتق، باب العبد، حدیث نمبر ۲۵۴۷

خواتین سے احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ منقول ہونا اس امر کا شاہد ہے کہ جس طرح مرد حضرات نبی ﷺ کے مخاطب ہوتے تھے اسی طرح خواتین بھی آپ کے مخاطبین میں شامل تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے جس طرح صحابہ کرام میں سے معلمین کا انتخاب کر کے ان کو دیگر علاقوں میں تعلیم و تربیت کی غرض سے بھیجا اسی طرح مدینے کی خواتین کے لیے بہترین معلمات بھی تیار فرمائیں۔ ان میں شفا بنت عبداللہ، حضرت عائشہ اور حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنھن معروف ہیں[1]۔

خواتین کی تعلیم سے متعلق نبی ﷺ نے ایک مخصوص منہج کو سامنے رکھتے ہوئے ہدایات جاری فرمائی تھیں اور وہ منہج خواتین کے کردار کی بنیاد پر تشکیل دیا گیا تھا۔ عورت کا دائرہ کار وہ نہیں ہے جو مرد کا ہے اس لیے عورت کے لیے تعلیم بھی اسی کے دائرہ کار کے مطابق تجویز کی گئی تھی۔ ذیل میں خواتین کے حوالے سے عہدِ نبوت کے تعلیمی معاملات کی وضاحت کی جاتی ہے۔

## گھروں میں تعلیم

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں عورتوں کی تعلیم کا انتظام ان کے گھروں میں کیا جاتا تھا۔ یہ ذمہ داری مردوں کو سونپی گئی تھی۔ جو وفد دیگر علاقوں سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ان کو بھی آپ ﷺ یہ نصیحت فرماتے تھے کہ جا کر اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ رہ کر انھیں بھی یہ علم سکھاؤ اور اس علم کے مطابق احکام پر عمل کرنے کی تلقین کرو[2]۔

آپ ﷺ کے اصحاب اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو اپنے گھروں میں تعلیم دیتے لیکن بعض اوقات عورتو ں کی تعلیم کی غرض سے گھر سے باہر بھی دروس میں ان کی شرکت کو یقینی بناتے تھے۔ اس ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن اور ان کے بہنوئی فاطمہ و سعید رضی اللہ عنہما کے بارے میں معروف ہے کہ ان کو قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لیے حضرت خباب بن ارتؓ کو مامور کیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے واقعہ کو نقل کرتے ہوئے ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن اور ان کے بہنوئی کے پاس حضرت خباب بن ارت تھے اور ان کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورۃ طٰہٰ لکھی تھی[3]۔ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود

---

1۔ حمیداللہ (ڈاکٹر)، عہد نبوی کا نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی، کراچی، طبع ۱۹۸۷، ص: ۲۰۶

2۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر ۲۴۶۷

3۔ عبدالملک بن ھشام، سیرۃ ابن ہشام، دار الکتب العلمیۃ بیروت، جلد نمبر ۱، ص: ۳۸۲

بھی بتایا کہ میری بہن اور میرے بہنوئی کے پاس حضرت خباب بن ارتؓ آتے جاتے رہتے تھے اور وہ ان دونوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے[1]۔

عورتوں کی تعلیم کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ کسی گھر میں اس کا انتظام کر کے تمام خواتین کو اس میں جمع کر لیا جاتا تھا۔امام بخاری نے اس خاتون کا قصہ نقل کیا ہے جو نبی ﷺ کے پاس آئی اور انھوں نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مرد آپ سے علم حاصل کرتے ہیں اور ہم خواتین محروم رہ جاتی ہیں۔آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ ایک دن کے لیے ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم سے استفادہ کا موقع عنائت فرمائیں۔آپ ﷺ نے ان کو کچھ دنوں کی تعیین کے بعد حکم دیا کہ ان دنوں میں آپ فلاں فلاں گھر میں جمع ہو جایا کریں۔پھر آپ ﷺ وہاں جا کر خواتین کو بھی تعلیم دیتے تھے[2]۔

کئی مواقع ایسے بھی ہوتے تھے جن میں آپ ﷺ خود جا کر درس دینے کے بجائے کسی صحابی کو خواتین کے پاس بھیج دیتے تھے۔حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ مدینہ میں تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ نے خواتینِ انصار کو ایک مکان میں جمع کیا اور اس کے بعد ہماری طرف اپنے صحابی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ارسال فرمایا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مکان کے دروازے پر کھڑے ہو کر ہمیں سلام کہا،ہم نے سلام کا جواب دیا،اس کے بعد انھوں نے عید، نماز جمعہ اور نماز جنازہ میں خواتین سے متعلق اسلامی احکام سے ان کو آگاہ کیا[3]۔

**عید گاہوں اور مساجد میں تعلیم**

مساجد بھی نبی ﷺ کے عہد میں تعلیم کے لیے ایک اہم ذریعہ تھیں۔ان مساجد میں نبی ﷺ کے خطبات سے عورتیں استفادہ کرتی تھیں۔حضرت حارثہ بنت نعمانؓ کی بیٹی کہتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کی زبانی سورۃ ق یاد کی ہے۔آپ ﷺ ہر خطبہ جمعہ میں اس کو پڑھتے تھے[4]۔

حضرت خولہ بنت قیسؓ سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں ہر جمعہ کے دن عورتوں کی آخری صف میں بیٹھ کر نبی ﷺ کا خطبہ سنتی تھی[5]۔

---

1۔ سیرۃ الحلبیہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع ثانی، ۱۴۲۷ھ، جلد نمبر ۱، ص: ۴۷۰

2 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۷۳۱۰

3 ۔ سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۱۱۳۹

4 ۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، دار السلام، لاہور، حدیث نمبر: ۸۷۳

5 ۔ طبقات ابن سعد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۰ء، جلد نمبر ۸، ص: ۲۲۹

نبی ﷺ کا نظام الاوقات کچھ اس طریقے سے تشکیل دیا گیا تھا کہ اس میں خواتین کے لیے درس وتدریس کا باقاعدہ ایک حصہ موجود تھا۔ حضرت بلالؓ کے ساتھ ایک مرتبہ آپ ﷺ نکلے۔ان کا خیال تھا کہ خواتین آپ کا خطبہ غور سے نہیں سن سکی ہیں کیونکہ ان کی صف مردوں کے بعد بنتی تھی اور اس فاصلے کی بنا پر وہاں آواز صحیح طریقے سے نہیں پہنچ سکتی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے خواتین کو بھی نصیحت کی اور انھیں صدقات کا حکم دیا جس کے نتیجے میں وہاں موجود خواتین نے اپنی انگوٹھیاں اور بالیاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جمع کروادیں۔ حضرت بلال ان کو اپنے کپڑے کے ایک پلو میں جمع کرتے جارہے تھے (1)۔

نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو ان کی خواتین سے متعلق یہ حکم دے رکھا تھا کہ :

**((لا تمنعو ا اماء الله مساجد الله))** (2)

ترجمہ: اللہ کی بندیوں کو تم لوگ مساجد میں آنے سے مت روکا کرو۔

غالباً اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ مساجد میں ہونے والے دروس سے خواتین استفادہ کریں اور وہ بھی اپنی تعلیمی تشنگی کو بجھا سکیں۔ حضرت عائشہ کی روایت کے مطابق اس کے بعد خواتین نے شرعی پردہ کرتے ہوئے مساجد میں آنا شروع کردیا اور نبی ﷺ فجر کی نماز کے بعد ان کے پاس جاتے اور ان کو بھی وعظ و نصیحت کرتے تھے (3)۔

عورتوں کے لیے خصوصی حکم تھا کہ عید کے روز ہر عورت عید گاہ آئے۔جوان لڑکیوں کو بھی اس حکم کا مکلف بنایا گیا تھا تاکہ ان کو خطبۂ عید کے ذریعے بہت سی باتیں سننے کا موقع مل سکے۔یہ حکم ان خواتین کے لیے بھی تھا جو حالتِ طہارت میں نہیں ہوتی تھیں۔اگر کسی عورت کے پاس پردہ کرنے کے لیے چادر نہ ہوتی تو اس کے لیے حکم جاری کیا گیا کہ وہ اپنی کسی مسلمان بہن سے چادر لے کر اوڑھ لے (4)۔

اس عہد کی خواتین مساجد میں مسلمانوں کے ساتھ باجماعت شرکت کرتی تھیں اور نبی ﷺ کے دروس کے ذریعے دینی و سماجی تعلیم و تربیت کے مواقع بھی پاتی تھیں۔اس صورت میں ان کو چند آداب کی پابندی کرنا ہوتی تھی جن میں خوشبو کے استعمال سے احتراز کرنا، مردوں کے بعد صف بنانا، امام کی غلطی پر زبان کے بجائے ہاتھ تھپتھپا

---

1۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر ۹۸

2 ۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۴۴۲

3۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۸۶۷

4 ۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۸۹۰، سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۱۱۳۶

کر آواز پیدا کرنا تاکہ امام کو اس کی غلطی کا پتہ چل سکے اور نماز کے بعد مردوں سے پہلے مسجد سے باہر نکل جانا وغیرہ ان آداب میں شامل تھا[1]۔

### خواتین کا شوقِ تعلیم اور پیغمبرانہ دارالافتاء

نبی ﷺ نے اپنے گھر میں خواتین کو آکر روزمرہ زندگی سے متعلق مسائل کے بارے میں حصولِ علم کی کھلی اجازت دے رکھی تھی۔اس کا یہ فائدہ ہوا کہ خواتین اپنے تمام مسئلہ کے حل کے لیے بغیر ہچکچاہٹ کے، آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوالات پوچھ لیتی تھیں۔ حضرت عائشہ نے انصار کی خواتین کے اس مزاج کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ خواتین بہت بہتر ہیں کیونکہ دین کے مسائل پوچھنے کے معاملے میں حیاان کے لیے مانع نہیں بنتی ہے[2]۔

خواتین بعض اوقات انفرادی طور پر آکر سوالات پوچھتی تھیں اور بعض اوقات گروہوں کی شکل میں آکر استفسارات کرتی تھیں جس سے ان کی آوازیں بعض اوقات بلند ہو جاتی تھیں[3]۔جو عورتیں اپنے گھروں میں ہوتی تھیں انہیں جب معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ کوئی عوامی خطبہ ارشاد فرمانے والے ہیں، وہ فوراً خطبہ سننے پہنچ جاتی تھیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ ایک خاتون سے بال گندھوا رہی تھیں کہ انہیں نبی ﷺ کا خطبہ سنائی دیا جس میں آپ ﷺ نے "یا ایہا الناس "فرمایا۔ یہ سنتے ہی انہوں نے مشاطہ کو بال باندھنے کا کہا تاکہ وہ خطبہ سننے کے لیے جا سکیں۔۔۔ پھر انھوں نے خود اپنے بال باندھے اور جا کر پورا خطبہ سنا[4] ۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی ﷺ پر کوئی وحی نازل ہوتی تھی تو ہم سب خواتین اس وحی میں نازل شدہ احکامات یعنی اوامر ونواہی کو ذہن نشیں کر لیتی تھیں۔ کبھی کبھار ہم اس کے الفاظ کو حفظ نہ کر پاتی تھیں لیکن احکام یاد ہو جاتے تھے[5]۔

عہدِ نبوی میں خواتین کو تعلیم دینے کے لیے مندرجہ ذیل طریقے اختیار کیے جاتے تھے:

---

1۔ شفقہ، عبدالحلیم، عورت عہدِ رسالت میں، ادارہ نشریات، لاہور، ص: ۲۰۱

2 ۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۳۳۲

3 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۳۵۸۳

4 ۔ محمد بن فتوح، الجمع بین الصحیحین، دار ابن حزم، بیروت، جلد نمبر ۴، ص: ۲۲۹

5۔ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، دار الکتب العلمیہ، طبع اول۔ ۱۴۰۴، جلد نمبر ۲، ص: ۱۰۳

## بیعت کے ذریعے تعلیم

عورتوں سے بیعت لینے کے لیے آپ ﷺ پانی کے ایک برتن میں ہاتھ ڈالتے، پھر خاتون بھی اس میں ہاتھ ڈالتی، کبھی چادر پھیلا کر اس کے ایک کونے کو پکڑ لیتے اور دوسرے کونے کو خاتون پکڑ لیتی اور بعض اوقات محض زبان سے بیعت لے لیتے تھے۔

فتح مکہ کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خواتین سے بیعت لینے پر مامور فرمایا تھا[1]۔اس بیعت میں خواتین کو محرمات کی تعلیم دی جاتی تھی جن میں شرک، چوری، بدکاری، قتلِ اولاد، بہتان طرازی، خیر کے امور میں نافرمانی وغیرہ شامل تھیں[2]۔فتح مکہ کے موقع پر ہندہ زوجہؓ حضرت ابو سفیانؓ نے بیعت کی تو اسی عہد کی تفصیل بھی واضح کر دی گئی تھی جس کے مطابق شرک سے گریز، چوری سے احتراز، قتلِ اولاد کی ممانعت وغیرہ قابلِ ذکر ہیں[3]۔

## انفرادی استفسارات کے جوابات

حضرت ثابت بن قیسؓ کی بیوی آپ ﷺ کے پاس آئی اور اپنے شوہر سے علیحدگی کے بارے میں سوال پوچھا جس کے جواب میں آپ ﷺ نے اس کو کہا کہ اس صورت میں اس کو وہ باغ اپنے شوہر کو واپس لوٹانے کا کہا جو اس نے حق مہر کے طور پر لیا تھا۔ باغ واپس کر دینے کے بعد آپ ﷺ نے ان کے مابین علیحدگی کروادی[4]۔

ایک خاتون کے والدین ضعیف العمر ہونے کی بنا پر اونٹ پر سواری کرنے سے قاصر تھے۔اس نے اپنے والدین کی طرف سے حج کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے اس کو اجازت دے دی[5]۔

سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کی بیوہ جو حاملہ تھیں، کے سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ بچے کی پیدائش کے بعد عدت ختم ہو جاتی ہے اس لیے خاتون دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے[6]۔

حضرت ام سلیمؓ نے عورت کے احتلام کے بارے میں سوال پوچھا تو حضرت عائشہؓ کو ان کا وہ سوال پسند نہ آیا۔انھوں نے ام سلیمؓ کو ڈانٹا تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ کو منع فرمادیا اور اس کے بعد ام سلیم رضی اللہ عنہا کو ان کے سوال کا جواب دیا[7]۔

---

1۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر:۱۸۶۶

2۔ الممتحنہ:۱۲

3۔ النسفی، مدارک التنزیل و حقائق التاویل، دار الکلم الطیب، بیروت، طبع اول،۱۹۹۸ء، جلد نمبر ۳، ص:۴۷۱

4 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر:۵۲۷۳

5 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر:۱۸۵۴

6۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر:۳۹۹۱

7 ۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر:۳۱۰

آپ ﷺ نے ایک خاتون کو اس کے سوال کے بعد غسل حیض کا طریقہ بھی سکھایا اور کہا "اس کے بعد تم کپڑے کا ایک ٹکڑا لے کر اس سے پاکی حاصل کرو' اس کو آپ ﷺ کے حکم کی سمجھ نہ آئی تو حضرت عائشہؓ نے اس کو اپنی طرف بلا کر وضاحت کہ کی اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو خون لگی جگھوں پر پھیر لیا کرو[1]۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ □ نبوی دار الافتاء میں معاون مفتی کی حیثیت سے کام کر رہی تھیں۔

**خواتین سے مذاکرات و مکالمات**

خواتین جب کسی حکم میں کسی قسم کا ابہام پاتیں تو اس کی وضاحت طلب کر لیتی تھیں اور نبی ﷺ ان کو صراحت کے ساتھ زیر غور نکتہ سمجھا دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک دفعہ عید کے موقع پر ان کو نصیحت کرتے ہوئے بتایا کہ میں نے جہنم میں عورتوں کی کثرت دیکھی ہے جس کے بعد ایک خاتون نے جہنم میں عورتوں کی کثرت کی وجہ دریافت کی۔ آپ ﷺ نے بتایا کہ خواتین لعن طعن زیادہ کرتی ہیں اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں اس بنا پر جہنم میں ان کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو گی[2]۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کا حساب کتاب اللہ کے ہاں ہو وہ عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔ حضرت عائشہ نے اسؐ کے جواب میں عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے خود نہیں کہا کہ

﴿فسو ف يحاسب حسابا يسيرا﴾ [3]

ترجمہ: بہت جلد ان سے آسان حساب لیا جائے گا۔

آپ ﷺ نے ان کو جواب میں فرمایا کہ یہ آسان حساب کتاب پیشی کی طرح ہو گا۔ جس سے احتساب شروع ہو گا وہ ہلاک ہو جائے گا[4]۔

**امہات المومنین کے ذریعے تعلیم**

نبی ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ام سلمہؓ سے مروان نے ایک شخص کے ذریعے جنبی آدمی کے سحری کھانے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب میں کہا کہ نبی ﷺ جنابت کی حالت میں روزہ نہیں توڑتے تھے بلکہ سحری کھاتے تھے۔[5]

---

1۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۳۳۲

2 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۳۰۴

3 ۔الانشقاق: ۸

4 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱۰۳

5۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۱۰۹

نبیﷺ کی ازواج میں تعدد کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ خواتین سے متعلق احکام کو تفصیل کے ساتھ آگے پہنچایا جاسکے تاکہ عورتوں کو ان مسائل سے متعلق تعلیم حاصل کرنے کے دوران کسی مخمصے کا سامنا کرنا نہ پڑ سکے[1]۔

محمد علی الصابونیؒ کے مطابق خواتین اس معاشرے کا نصف ہیں اس لیے ان کو بھی مردوں کی طرح اسلامی احکام سے متعلق تعلیمات دینا لازم ہے تاکہ وہ بھی شعائر اسلامیہ کی پابندی کر سکیں[2]۔

**ازواج مطہرات کی تعلیم وتربیت کے خصوصی انتظامات**

آپﷺ نے ازواج مطہرات کے کمرے مسجد کے ساتھ بنوائے۔ تمام ازواج نہ صرف نبی اکرمﷺ کے مواعظ اور خطبات سنتی تھیں بلکہ بعض اوقات دروازوں سے مشاہدہ کرتی تھیں۔ ضرورت کے وقت وہ حاضرین کی گفتگو میں شرکت بھی کرتی تھیں۔ تمام ازواج مسجد میں وقوع پذیر ہونے والے اکثر و بیشتر حالات سے واقف بھی رہتی تھیں۔ مثلاً حضرت ام سلمیٰ نے نبیﷺ کو خطبے میں حوضِ کوثر کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا[3]۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے حالتِ جنابت میں سحری کھانے سے متعلق ایک شخص کے نبیﷺ سے استفسار کو سنا[4]۔اسی طرح ایک شخص نے جب حضرت ابن حرثہ، جعفر اور زبن رواحہ رضی اللہ عنھم کی شہادت کے بعد ان کے گھرانے کی عورتوں کے ماتم کرنے کی خبر نبیﷺ کو دی تو یہ خبر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہانے اپنے حجرے میں سنی[5]۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ لوگوں نے سعد رضی اللہ عنہ کے جنازہ کو مسجد میں گزارنے کی درخو است پر اعتراض کیا ہے تو انھوں نے جواب میں بتایا کہ نبیﷺ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد کے وسط میں پڑھائی تھی[6]۔اسی طرح ایک مرتبہ حضرت ام سلمیٰ نے دیکھا کہ نبیﷺ نے پانی کے ایک برتن سے اپنے دونوں ہاتھوں اور چہرہ مبارک کو دھویا اور اس برتن میں اپنی کلی کا پانی ڈال دیا۔ پھر حضرت بلال اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنھما کو حکم دیا کہ اس پانی کو پی لیں۔اس کو اپنے چہرے اور گلے پر انڈیل لیں تاکہ اس کی

---

1 ۔الکتانی، عبدالحہ ،التراتیب الداریۃ، دارالارقم، بیروت، جلد نمبر ۲، ص: ۱۶۳

2 ۔الصابونی، محمد علی، شبہات واباطیل حول تعدد الزوجات الرسولﷺ، المکتبۃالوقفیہ، طبع ۱۹۸۰، ص: ۱۳، ۱۴

3 ۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۹۵

4۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۱۱۰

5 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱۲۹۹

6 ۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۹۷۳

برکت سے استفادہ کر سکیں۔انھوں نے حکم کی تعمیل کی تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہانے پردے کے پیچھے سے آواز دے کر کہا کہ اس پانی میں سے کچھ حصہ اپنی والدہ کے لیے بھی سنبھال لو[1]۔

آپ ﷺ ازواج مطہرات کے مابین کسی تلخی کو محسوس کرتے تو حکیمانہ اسلوب میں ان کو تنبیہ کرتے تھے۔جب حضرت حفصہؓ نے حضرت صفیہ بنت حییؓ کو یہودی کی بیٹی کہا تو نبی ﷺ حضرت صفیہ کی دلجوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ایک نبی کی بیٹی ہیں[2]، آپ کا چچا[3] بھی نبی ہے اور آپ ایک پیغمبر کی منکوحہ ہیں۔اس لیے حفصہؓ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ آپ پر کسی وجہ سے فخر کرے۔اے حفصہ! اللہ سے ڈرو[4]۔اسی طرح جب ازواج مطہرات نے دیکھا کہ نبی ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خصوصی لگاؤ ہے تو انھوں نے اس پر شکوہ کیا۔اس کے جواب میں نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے امتیازی اوصاف بیان کیے تاکہ ازواج مطہرات کی تربیت ہو سکے[5]۔

اسفار اور غزوات میں ازواج مطہرات میں سے کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ رکھنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ نئے حالات کا بغور مشاہدہ کر کے نئی چیزیں سیکھ سکیں۔ایک غزوہ سے واپسی پر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا تو مسلمانوں کو اس کی تلاش میں تاخیر ہو گئی۔اس جگہ پانی بھی دستیاب نہیں تھا اور تیمم کا حکم بھی اسی موقع پر نازل ہوا تھا[6]۔اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مشورہ دینا اسی ضمن میں دلالت کرتا ہے[7]۔سفر حج میں ماہواری کے ایام شروع ہونے پر حضرت عائشہ غمگیں ہو گئیں تو آپ ﷺ نے ان کو تسلی دی اور حکم دیا کہ طواف کے علاوہ تمام شعائر بجالائیں[8]۔

بعض اوقات رات کے وقت ازواج مطہرات کو بیدار کر کے ان کی تعلیم و تربیت کا سامان کیا جاتا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات نبی اکرم ﷺ نے بیدار ہو کر فرمایا کہ اس رات بہت زیادہ فتنے نازل ہو

---

1۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۴۳۲۸

2 ۔ حضرت صفیہ کا والد حیی بن اخطب حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔

3 ۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام

4 ۔ سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۳۸۹۴

5 ۔ سنن نسائی، حدیث نمبر ۳۹۴۶

6 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۴۶۰۷

7 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۲۷۳۱

8 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۲۹۴

ئے ہیں۔ بہت زیادہ خزانوں کے دروازے کھول دیے گئے ہیں۔ کمرے میں سونے والی ان خواتین کو جگادو کیونکہ بے شمار ایسی خواتین ہیں جو دنیا میں تو لباس پہنتی ہوں گی لیکن آخرت میں بے لباس ہوں گی[1]۔

یہی وجہ ہے کہ ازواج مطہرات تمام صحابہ کے لیے دینی و علمی رہنمائی کا ایک مصدر تھیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں پر جب بھی کوئی مشکل مسئلہ ہوتا اور ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے متعلق پوچھتے تو آپ رضی اللہ عنہا سے ہمیں اس کا جواب ضرور ملتا تھا[2]۔

ازواج مطھرات میں سے حضرت ام سلمہ اور حضرت حفصہ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کے فرمان سے حضرت شفا بنت عبد اللہؓ سے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا[3]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا گھر خواتین معلمات کا ٹریننگ سنٹر تھا جہاں تعلیمِ نسوانِ امت کے لیے معلمات کی ایک قابل کھیپ تیار ہو رہی تھی۔

ازواج مطھرات کے علاوہ دیگر کئی صحابیات نے تعلیم و تدریس کے میدان میں نمایاں خدمات سر انجام دی تھیں۔ ان میں حضرت زینب بنت ابو سلمہؓ[4]، حضرت ام درداؓ[5]، حضرت سعدہ بنت قمامہؓ، حضرت شفا بنت عبد اللہؓ[6]، حضرت سمرہ بنت نہیک[7] وغیر کا نام سرِ فہرست ہے۔

---

1۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱۱۵

2 ۔ سنن ترمذی، حدیث نمبر ۳۸۸۳

3 ۔ مسند احمد، جلد نمبر ۶، ص: ۲۸۶

4 ۔ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار الجیل، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۲، جلد نمبر ۴، ص: ۱۸۵۵

5 ۔ عسقلانی، ابن حجر، تہذیب التہذیب، دار الکتب العلمیۃ بیروت، جلد نمبر ۱۲، ص: ۴۲۲

6 ۔ سنن ابو داؤد، حدیث نمبر: ۳۸۸۷

7۔ الاستیعاب، جلد نمبر ۴، ص: ۱۸۶۳

# چوتھی فصل: صنعت وحرفت کے میداں میں صحابیات کے کارنامے

## کپڑے کی صنعت

عرب میں صنعتوں کا کچھ خاص رواج نہ تھا کیونکہ وہاں کا تمدن زیادہ ترقی یافتہ نہیں تھا۔اس کے باوجود ہمیں گنتی کی ایسی روایات ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہاں کی خواتین کپڑے کی صنعت کو ذریعہ اکتساب بنا چکی تھیں۔اس ضمن میں حضرت فاطمہ بنت شبیۃ رضی اللہ عنہا کے تذکرے میں امام ابن حجر نے ایک حوالہ نقل فرمایا ہے[1]۔امام ابن حجرؒ نے چند مزید حوالے بھی اس ضمن میں نقل فرمائے ہیں جن کے مطابق عہدِ جاہلیت اور اسلامی عہد میں متعدد خواتین کپڑا بننے کے پیشے سے وابستہ تھیں۔اپنا تیار کردہ کپڑا فروخت بھی کرتی تھیں۔

حضرت عائشہؓ نے ایک قالین اور ایک پردہ انھیں خواتین سے خریدا تھا۔نبی ﷺ کی خدمت میں ایک خاتو ن نے اپنی بنی ہوئی ایک چادر بطور ہدیہ پیش کی تھی۔مکہ کے قومی کارخانوں کے ذریعے خواتین نے سوت کات کر اور کپڑے بن کر فروخت کیے تھے۔ان میں سے ایک کارواں ہجری میں شام گیا تھا جس میں اہلِ مکہ نے کثیر اور خطیر سرمایہ لگایا تھا۔

امام ابن حجرؒ نے مزید لکھاہے کہ صحابہ کرام کی باندیوں میں سے اکثر خیاط تھیں جن کا کام کپڑا بننا تھا۔نجاری، خیاطی اور نساجی ایسے کئی کام خواتین میں مقبول تھے۔کتاب اللباس میں امام بخاری نے باب لبس و القسی میں ترجمۃ الباب میں بتایاہے کہ قسیۃ/قسی جو کہ ایک ریشمی کپڑا تھا،اس کو مصر یا شام سے برآمد کیا جاتا تھا۔خواتین اس کپڑے کو زمین پر چادر کی طرح پھیلاتی تھیں اور پھر اس کو بنا کرتی تھیں[2]۔

خواتین کپڑے کے علاوہ چمڑے کی صنعت کے ساتھ بھی وابستہ تھیں۔نبی اکرم ﷺ نے اجازت دے رکھی تھی کہ ان جانوروں کی کھالوں کو دباغت کے بعد استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جو طبعی موت مرتے ہیں[3]۔ایک مرتبہ کچھ لوگ ایک بڑی بھیڑ کی لاش کو گھسیٹتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کے پاس سے گزرے۔اس و قت حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بھی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھیں۔آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بتایا کہ اس طرح کے مردہ جانور کی کھال کو پاک کرنے کے لیے پانی میں فلاں درخت کے پتے شامل کر کے پاک کیا جا سکتا ہے[4]۔آپ ﷺ کا یہ حکم خواتین تک پہنچ گیا۔چنانچہ آپ ﷺ کی ازواج میں سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

---

1۔ العسقلاني،أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر،الإصابة في تمييز الصحابة،دار الكتب العلمية۔بیروت ۱۹۹۵ء، جلد ۱۳، صفحہ ۸۱

2۔العسقلاني ، أحمد بن علي بن حجر،فتح الباري شرح صحيح البخاري،دار الكتب السلفية،فیصل آباد، جلد نمبر ۱۰، صفحہ ۳۶۰،۳۶۱

3 ۔ صحیح مسلم،حدیث نمبر:۳۶۶

4 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر:۱۴۹۲

نے اس پر عمل شروع کر دیا۔ وہ خود فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ ہمارے ہاں ایک بھیڑ مر گئی تو ہم نے اس کی اتری ہوئی تازہ کھال کو دباغت دینے کے بعد اس میں کھجوروں کو بھر دیا(1)۔

اس سے معلوم ہوتا کہ مردہ جانوروں کی کھالوں کو دباغت دینے کا کام خواتین میں عام ہو گیا تھا اور آپ ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار فرما کر اس کی اجازت دے رکھی تھی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کی ایک بہن کا نام ہالہ رضی اللہ عنہا تھا۔ آپ بھی ان خواتین میں شامل تھیں جو تجارتی سرگرمیوں میں فعال کردار ادا کرنے میں معروف تھیں۔ ہمارے مورخین نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے مکی عہد میں چمڑے کی کھال کا کاروبار کرتی تھیں۔ جب نبی اکرم ﷺ کو حضرت خدیجہؓ نے نکاح کا پیغام بھیجا تو آپ ﷺ نے ہالہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کی تجارت کے مقام پر ملاقات کی۔ اس ملاقات میں آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن حارث ہاشمیؓ اور ایک دوسرے دوست بھی تھے جن کا نام کتبِ تاریخ میں مذکور نہیں ہے(2)۔

صنعت و حرفت کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک زوجہ کا ذکر بھی ہمارے محدثین نے نقل کیا ہے۔ ان خواتین کے پاس اس قدر پیسہ جمع ہو گیا کہ وہ بلا دقت اس سے اپنے اپنے گھر کے اخراجات پورے کرنے پر قادر ہو چکی تھیں۔ اس ضمن میں حضرت علقمہؓ فرماتے ہیں کہ ان کو حضرت عبداللہؓ نے خبر دی کہ ایک مرتبہ زینب ثقفیہ اور زینب انصاریہ (ابن مسعود کی زوجہ) رضی اللہ عنھم، نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے پوچھا کہ کیا وہ اپنی کمائی اپنے خاوندوں پر خرچ کر سکتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ اگر تم ایسا کرو گی تو اس عمل کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمھیں دوہرا اجر ملے گا۔ پہلا اجر صدقے کا اور دوسرا اجر اقربا کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا ملے گا(3)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی بعض خواتین اصحاب ثروت میں شمار ہوتی تھیں۔ یہ عصر حاضر کی ملازمت پیشہ اور تجارت پیشہ خواتین کی طرح مال دار اور خود مختار تھیں۔

خواتین کو آپ ﷺ نے کبھی بھی اپنے شوہروں کے نان و نفقہ پر انحصار کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا بلکہ ان کی کمائی کی حوصلہ افزائی فرمائی تھی۔ مذکورہ دونوں خواتین کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے شوہر کسی بھی معاشی سرگرمی کا حصہ نہیں تھے اس لیے کمانا ان کی مجبوری تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ

1۔ اسد الغابۃ، جلد ۵، صفحہ ۴۸۵

2۔ ابن کثیر، ابوالفدا عماد الدین، تفسیر ابن کثیر دار الکتب العربی، بیروت، جلد ا، صفحہ ۲۶۷، ۲۶۶

3۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، جلد ۴، صفحہ ۳۱۹

کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی تبلیغ میں ہمہ وقت مصروفِ عمل رہتے تھے اس لیے اپنی روزی کمانے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ چنانچہ اس صورت میں ان کی زوجہ کو روزی کمانے اور اپنے شوہر پر خرچ کرنے کے سبب دوہرے اجر کی خوش خبری سنائی گئی تھی۔

امہات المومنین میں سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنی سخاوت کی بناپر معروف تھیں۔ وہ دستی صنعتوں میں مصروف رہتی تھیں اور ہاتھ سے چیزیں تیار کر کے انہیں بیچتی تھیں۔اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کو وہ صدقات اور خیرات کی صورت میں مستحقین پر خرچ کرتی تھیں۔ان کے دل میں نفاق فی سبیل اللہ کا جزبہ موجزن تھا اسی لیے وہ محض صدقات اور خیرات کی غرض سے دستکاری سے جڑی ہوئی تھیں۔حالانکہ ان کو اپنی معاشی ضرو ریات پوری کرنے کے لیے کسی قسم کے کاروبار کی ضرورت نہ تھی[1]۔

ایسی مثال بھی موجود ہے جس کے مطابق کسی صحابیہ نے دست کاری یا صنعت و حرفت میں کام کرنے کے بجائے اس کام کی نگرانی کی۔ نبی اکرم ﷺ جس منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے وہ منبر انصار کی ایک خاتون نے آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کیا تھا۔اس خاتون نے مذکورہ منبر اپنے ایک غلام بڑھئی سے تیار کرایا تھا۔ وہ بڑھئی نجاری کے کام سے مختلف چیزیں تیار کرتا،ان کو فروخت کرتا اور اس سے حاصل ہونے والی ساری کمائی اپنی مالکہ کو دے دیتا تھا[2]۔

مدنی دور کے واقعات کا عمیق مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں کئی عورتیں معاوضہ وصول کرتے ہوئے اجرت پر کام کرتی تھیں۔ فتح مکہ کے موقع پر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک واقعہ معروف ہے جس کے مطابق انھوں نے ایک عورت کو دس دینار (ایک سو درہم) کی خطیر رقم کے عوض اپنا خط اہلیانِ مکہ تک پہنچانے پر مامور کیا تھا۔تاہم نبی اکرم ﷺ کے جاسوس نے اس خاتون کو بروقت جا پکڑا تھا[3]۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجرت پر کام کرنا خواتین میں قدیم زمانے سے رائج ہے جس میں بعض اوقات انتہائی خطرناک قسم کے کام بھی شامل ہو جاتے ہیں۔

---

1۔ اسد الغابہ، جلد ۵، صفحہ ۴۹۴

2 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۲۰۹۴

3 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۴۲۷۴

# فصل پنجم: فوجی میدانوں میں صحابیات کے کارنامے

ریاست کے دفاع کا فریضہ اسلامی تعلیمات کے مطابق مردوں پر عائد ہوتا ہے، عورت کو اس ذمہ داری سے سبکدوش قرار دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود بعض اوقات حالات انتہائی نازک موڑ پر آجاتے ہیں جن کی وجہ سے خواتین کو بھی میدان کار کا حصہ بننا پڑتا ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں ایسے حالات پیدا ہو جاتے تھے جن کی وجہ سے صحابیاتؓ کو بھی صحابہ کرام کے ساتھ غزوات میں شرکت کرنے کا موقع ملا تھا۔ انھوں نے انتہائی ذمہ داری کے ساتھ اس فریضے کی ادائیگی میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کیا تھا۔

روایاتِ سوانح، آثارِ سیرت اور احادیث بتاتی ہیں کہ اول روز سے مسلم خواتین اور صحابیاتِ عصر میں روحِ جہاد موجود تھی۔ وہ اپنے مردوں کی طرح اسلامی خدمت، کلمۂ الٰہی کی بلندی اور دین و معاشرے کی مدافعت کے لیے تلوار اٹھا سکتی تھیں اور مجاہدین کی مدد کر سکتی تھیں۔ اگرچہ میدان جنگ میں جانا ان کے لیے فرض نہ تھا کہ جہاد و قتال اسلامی شریعت میں صرف مردانہ کام ہے۔ اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے متعدد خواتینِ اسلام کو مختلف غزوات و مہمات میں شرکت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس اذنِ نبوی ﷺ سے ایک سنتِ اسلامی وجود میں آئی کہ ضرورت پڑنے پر اور موقع محل کے لحاظ سے جہاد میں عورتوں کو شرکت کی اجازت ہے[1]۔

عام عرب روایات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ خواتین اپنے جنگ جوؤں کے ساتھ لشکروں میں مختلف مقاصد سے شریک ہوا کرتی تھیں۔ زخمیوں کی دیکھ بھال، ان کا علاج معالجہ، نقل و حمل میں اعانت، سامان رسد کی فراہمی اور دوسری رفاہی خدمات ان مقاصد میں شامل تھیں۔ خواتین کی میدان جنگ اور اس سے پہلے فوج میں موجودگی مجاہدوں، جنگ جوؤں اور سورماؤں کا حوصلہ بڑھاتی تھی اور ان کی مردانگی جگاتی تھی۔ غزوات احد و حنین میں مخالف لشکروں میں قریشی اور ہوازنی سورما بالترتیب اپنی چیدہ چیدہ اور تمام خواتین کو میدان جنگ میں اس لیے لائے تھے کہ ان کے پیر وقتِ ابتلا میں نہ اکھڑیں۔ اسلامی لشکروں میں ان مقاصد سے اعلیٰ اور برتر مقصد ملتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ میں ان کا بھی حصہ رہے۔ اسلامی اجتماعیت اور جہادی خدمت کے تقاضوں نے بھی خواتین اسلام کے ایک طبقہ کو غزوات میں حصہ لینے کے لیے آمادہ کیا تھا اور رسول اکرم ﷺ نے ان کو مختلف غزوات میں خدمات ادا کرنے کی بخوشی اجازت دی تھی۔ یہی مطالعہ اس فصل میں مقصود ہے۔

---

1۔ امام بخاری نے اس ضمن میں کتاب الجھاد میں جھاد النساء کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے۔ (ابواب ۶۶تا۶۸) اس کے تحت امام ابن حجر نے متعدد مباحث پیش کیے ہیں (فتح الباری، جلد ۶، صفحہ ۹۳تا۱۰۰)

غزواتِ نبوی ﷺ میں مجاہداتِ اسلام کی شرکت و خدمت کا مطالعہ مختلف طریقوں اور زاویوں سے کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے دو بہتر معلوم ہوتے ہیں۔ ایک انفرادی شخصیات کے حوالے سے کہ کس خاتونِ اسلام نے کس کس غزوہ یا جہاد میں حصہ لیا۔ دوسرے غزوات کے اعتبار سے کہ کس کس غزوہ میں کون کون سی خواتینِ عصر اور صحابیاتِ رسول ﷺ نے شرکت کی تھی۔ دوسرا طریقہ بحث ہی زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شرکتِ خواتین کی کامل صورت گری کی جاسکتی ہے اور جہاں جہاں ضرووت ہو گی وہاں وہاں مجاہداتِ اسلام کی انفرادی مساعی اور مجاہدین کا ذکر بھی کیا جائے گا۔

**غزوہ بدر**

غزوہ بدر ہجرت کے دوسرے سال اور عیسوی سنہ کے مطابق ۶۲۴ء میں پیش آیا تھا۔ اس جنگ کی تفصیلات میں عموماً عورتوں کے شریک ہونے سے متعلق ذکر نہیں کیا جاتا ہے اور یہ سچائی پر مبنی بھی ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کی جانب سے کسی خاتون کی شرکت نہیں ہوئی تھی۔ البتہ ایک ایسی روایت بھی موجود ہے جو اس جنگ سے متعلق ایسے پہلو کی جانب اشارہ کرتی ہے اور قرآن مجید کی ایک آیت بھی اس ضمن میں منطبق کی جاسکتی ہے۔

**حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا**

امام ابو داؤد نے قبیلہ حزرج کی ایک خاتون حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ بنو مالک بن نجار سے تعلق رکھتی تھیں اور اسلام لانے کے بعد انھوں نے قرآن جمع کرنے میں بھی خدمات سرانجام دی تھیں۔ جنگ بدر سے پہلے وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کہ مجھے بھی جنگ میں شریک ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ میں زخمیوں کے علاج اور ان کی تیمارداری میں مصروفِ عمل رہنا چاہتی ہوں۔ ہو سکتا ہے اس جنگ میں اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرمائے۔ آپ ﷺ نے ان کی خواہش سن کر فرمایا کہ

﴿قري في بيتك، فإن الله تعالى يرز قك الشهادة﴾

ترجمہ: اپنے گھر بیٹھی رہ، اللہ تعالیٰ تمھیں شہادت عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد ان کا لقب "شہیدہ" پڑ گیا[1]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں حضرت ام ورقہؓ کو ان کے غلام اور ایک باندی نے شہید کر دیا تھا[2]۔

---

1۔ اسد الغابہ، جلد ۵، صفحہ ۴۸۹، طبقات ابن سعد، جلد ۸، صفحہ ۴۵۷

2 ۔ سنن ابو داؤد، حدیث نمبر: ۵۹۲، ۵۹۱

### دو کنیزیں

ارد گرد کے دیہاتوں میں رہنے والی خواتین کے بارے میں یہ ذکر موجود ہے کہ انھوں نے نہ صرف جنگوں میں شرکت کی بلکہ رفاہی امور سے متعلق اپنی خدمات بھی پیش کیں۔ایک روایت کے مطابق دو ایسی کنیزیں بھی اس جنگ میں شامل تھیں جن میں سے ایک کنیز دوسری کنیز کی مقروض تھی۔قرض خواہ نے مقروض سے اپنی رقم واپس طلب کی جب کہ مقروض نے جنگ کی واپسی کے بعد قرض کی رقم واپس کرنے کا وعدہ کیا اور کچھ وقت کے لیے مہلت مانگی[1]۔

### غزوہ احد

### حضرت عائشہ اور ام سلیم رضی اللہ عنہما

ہجرت کے تیسرے برس اور عیسوی کیلنڈر کے مطابق ۶۲۵ء کو غزوہ احد پیش آیا جس میں خواتینِ اسلام نے بھرپور طریقے سے شرکت کی تھی۔اس جنگ میں ازواج مطہرات میں سے سب سے زیادہ اہم کردار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تھا جو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ہمراہ پانی کے مشکیزے لا کر زخمیوں اور دیگر سپاہیوں کو پلاتی تھیں۔مشکیزوں کے خالی ہو جانے کے بعد ان کو دوبارہ بھر کر لاتی تھیں اور یہ عمل آپ نے متواتر سرانجام دیا تھا[2]۔

### حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا

اس جنگ میں حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔آپ معروف صحابی حضرت ابو سعید الخذری رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں ایک مرتبہ کچھ چادریں مدینہ کی خو اتین میں تقسیم کیں۔ان میں سے ایک چادر باقی رہ گئی تو حاضرین میں سے کسی نے مشورہ دیا کہ یہ چادر اپنی زوجہ حضرت ام کلثوم بنت علیؓ کو عنائت کر دیں۔حضرت عمرؓ نے جواب میں کہا کہ اس چادر پر ام کلثومؓ سے زیادہ ام سلیطؓ کا حق ہے کیونکہ وہ انصار کی ایسی خاتون تھیں جنھوں نے نبی اکرم ﷺ کی بیعت کرنے کے بعد غزوہ احد میں مجاہدین کے لیے مشکیزوں میں پانی بھر بھر کر میدان میں موجود سپاہیوں کو پلای تھی[3]۔

### حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا

نبی ﷺ کی وفات کے بعد ایک صحابیہ ربیع بنت معوذ انصاری رضی اللہ عنہانے لوگوں کو عہد نبوی ﷺ میں عورتوں کے جنگی کردار کی خبر دیتے ہوئے بتایا کہ میں بھی غزوات میں دوسری خواتین کی طرح شرکت کرتی

---

1۔ واقدی، کتاب المغازی

2 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر ۲۹۰۱، ۳۸۱۱، ۴۰۴۶، ۲۸۸۰

3۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۴۰۷۱

تھی۔ان غزوات میں میرا کام یہ تھا کہ سپاہیوں کو پانی پلاوں، زخمیوں کا علاج کروں، شہدا کے اجسام کو خیموں میں منتقل کروں اور اس کے علاوہ کئی دوسری خدمات میرے سپرد تھیں جن کو میں پوری تن دہی کے ساتھ بجالاتی تھی(1)۔وہ زخمی مجاہدین جن کے لیے چلنا مشکل ہوتا تھا ہم ان کی مدد کرتے تھے تا آنکہ وہ مدینہ پہنچ جاتے تھے(2)۔

## حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے عہد نبوی ﷺ میں کئی جنگوں میں شرکت کی تھی۔آپ بیعت عقبہ ثانیہ میں بھی شامل تھیں۔غزوہ احد میں ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند حضرت غزیہ بن عمر نجاری اور اپنے دو بیٹوں عبداللہ اور حبیب کے ساتھ شرکت کی تھی۔آپ کے پاس ایک مشک تھی جس میں وہ پانی بھر کر زخمیوں کو پانی پلایا، جنگ میں حصہ لے کر شجاعت اور بہادری کے جوہر بھی دکھائے۔اس جنگ میں وہ شدید زخمی بھی ہو گئیں۔ان کے جسم کو بارہ زخم پہنچے تھے اور یہ زخم نیزوں اور تلواروں کے وار لگنے کی وجہ سے پہنچے تھے۔آپ نے خود اس جنگ کے حالات بتاتے ہوئے کہا کہ مجھے اس جنگ میں ابن قمیہ نے تلوار کے وار سے زخمی کیا تھا۔میں نے بھی اس پر حملہ کیا لیکن اللہ کے اس دشمن نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں(3)۔

مسلمانوں نے اپنے شکستہ قدم جما لیے تو نبی اکرم ﷺ کے حکم سے اعلان کیا گیا کہ سب لوگ حمراء الاسد پہنچ جائیں۔حضرت ام عمارہؓ نے زخمی ہونے کے باوجود وہاں پہنچنے کی کوشش کی لیکن زیادہ خون بہہ جانے کے سبب وہ ایسا نہ کر سکیں۔رات بھر ان کے علاج پر ایک جراح مامور رہا۔نبی ﷺ نے ان کی خبر لینے کے لیے علی الصبح حضرت عبداللہ بن کعب مازنیؓ کو بھیجا۔آپ ﷺ کو ان کی صحت کی بہتری کی خبر ملی تو آپ ﷺ خوشی سے جھوم اٹھے۔حضرت ام عمارہؓ کا یہ زخم اتنا گہرا تھا کہ سال بھر اس کا علاج ہوتا رہا پھر جا کر ٹھیک ہوا(4)۔

مورخین نے لکھا ہے کہ میدانِ احد سے فرار ہونے والوں میں سے ایک سپاہی کی ڈھال حضرت ام عمارہؓ نے لے لی اور اپنے شوہر اور بیٹوں کے ہمراہ نبی ﷺ کا دشمنوں سے بچاؤ کرنے لگیں۔نبی ﷺ کے مدافعین کے لیے مشکل یہ تھی کہ اس وقت حملہ آوروں میں سے اکثریت شہسواروں کی تھی۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے ایک حملہ آور کے حملے کو اپنی ڈھال سے روک لیا اور جب وہ آگے بڑھا تو انھوں نے حملہ آور کی گھوڑ نس قطع کر دی جس کے سبب وہ زمین پر آ گرا۔نبی اکرم ﷺ نے یہ منظر دیکھا تو ان کے بیٹے کو آواز دی تا کہ وہ اپنی ماں کی مدد کر سکے۔دونوں

---

1۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۲۸۸۲

2۔ایضا، حدیث نمبر: ۳۸۸۲، ۵۶۷۹

3۔طبقات ابن سعد، جلد نمبر ۸، ص: ۴۱۲، ۴۱۳

4۔ طبقات ابن سعد م جلد ۸، صفحہ ۴۱۳

نے مل کر اس حملہ آور کا کام تمام کر دیا۔ایک حملہ آور نے ان کے بیٹے کو زخمی کر دیا۔اس وقت حضرت ام عمارہؓ بھی زخمی تھیں لیکن آپ نے اس حالت میں بھی اس پر حملہ کر کے اس کی پنڈلی پر وار کر کے اس کو گرا دیا۔ نبی ﷺ اس منظر کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔دونوں ماں بیٹے نے مل کر اس حملہ آور کا کام بھی تمام کر دیا۔ نبی ﷺ نے اس کے ہتھیار ان دونوں ماں بیٹے کے لیے بطور غنیمت حصے کے طور پر دے دیے۔ بعد میں یمامہ کی جنگ میں بھی حضرت ام عمارہؓ شریک ہوئیں اور اس جنگ میں لڑنے کے دوران ان کا ایک ہاتھ کٹ گیا تھا۔

ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام عمارہؓ نے جہاد و قتال میں دیگر خواتین سے بڑھ کر کردار ادا کیا تھا[1]۔

جہاد اور قتال میں عورتوں کے کردار کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا ادریس کاندھلویؒ نے لکھا ہے کہ عورتوں پر جنگ میں لڑائی فرض نہیں ہے۔ غزوہ احد میں حضرت ام عمارہ ؓ کے قتال کا جو ذکر ملتا ہے وہ انتہائی ایمر جنسی میں جواز مہیا کرتا ہے اس لیے اس کو غزوات میں عورتوں کے شریکِ قتال ہونے کے خلاف بطور دلیل استعمال نہیں کیا جا سکتا ہے۔ عہدِ حاضر میں جنگی طریقوں اور بارودی ہتھیاروں کی جدت کی وجہ سے عورتوں کے لیے بھی مذکورہ حوالے سے قتال کا جواز ملتا ہے بلکہ عورتوں کے لیے ان سہولیات اور حالات کے ساتھ جنگ لازم بھی ہو جاتی ہے[2]۔

**مسلمان بڑھیا**

ابن سعدؒ نے حضرت ضمرہ بن سعید المازنی رضی اللہ عنہا کی ایک جدہ (دادی یا نانی) کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے جس کے مطابق اپنی ادھیڑ عمری کے باوجود وہ بھی غزوہ احد میں شریک تھیں۔ وہ اس جنگ میں مسلمان مجاہدین کو پانی پلانے کا کام کر رہی تھیں[3]۔

امام ابن حجرؒ نے اس ضمن میں جنگوں میں عورتوں کے کردار کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جنگ کی صورت میں عورتوں کا کوئی ایک کردار متعین نہیں تھا بلکہ وہ صورت حال کے مطابق خود ہی اپنی بساط کے مطابق کوئی نہ کوئی فریضہ سرانجام دینا شروع کر دیتی تھیں۔البتہ ان کے کاموں میں زیادہ اہم کام زخمیوں کے مرہم کی پٹی کرنا اور شہدا کی نعشوں کو خیموں میں منتقل کرنا ہوتا تھا[4]۔

---

1۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔۔۔۔ طبقات ابن سعد، جلد ۸، صفحہ ۴۱۴، ۴۱۵، سیرت ابن ہشام، جلد نمبر ۲، ص: ۸۴، البدایۃ والنہایہ، جلد نمبر ۴، ص: ۳۴

2 ۔کاندھلوی، ادریس، سیرت مصطفی، کتب خانہ مظہری، کراچی، جلد ۲، صفحہ ۲۳۷تا۲۴۰

3۔ طبقات ابن سعد، جلد ۸، صفحہ ۴۱۳

4۔ فتح الباری، جلد نمبر ۷، ص: ۴۵۸

## غزوہ احد میں کفار کے ساتھ خواتین کی شرکت

عرب جنگوں میں بعض اوقات اپنی خواتین کو بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ وہ رجزیہ شاعری گاتی تھیں تاکہ ان کے مردوں میں جوش و خروش پیدا ہو سکے۔ اس کے علاوہ متعدد اقسام کے رفاہی امور ان کے ذمے ہوتے تھے۔ بنیادی طور پر ان کا کام جنگ کے الاؤ کو بھڑکانا ہوتا تھا۔ جنگ بدر میں کفار کو سخت شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا جس کی وجہ سے جنگ احد میں انھوں نے عورتوں کو ہمراہ لے لیا تھا تاکہ وہ مردوں کے جوشِ انتقام میں اضافہ کر سکیں۔ ان میں سے کچھ عورتیں صحابہ کرام میں سے کچھ لوگوں کو نشانہ بنا کر آئی تھیں اور ان کے منصوبوں میں ان صحابہ کی شہادت شامل تھی۔ ہندہ بنت عتبہ نے نبی اکرم ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب کی شہادت کے لیے وحشی بن حرب کو معاوضہ دے کر جنگ میں شامل کیا جس نے معاوضے کے عوض حضرت حمزہؓ کو شہید کر دیا تھا۔

یہاں یہ حقیقت ذہن میں رہے کہ اس جنگ میں تمام عورتیں رجزیہ اشعار گانے والی نہیں تھیں بلکہ بعض خواتین قوم کے سرداروں کی بیویاں تھیں۔ حضرت ابو سفیانؓ کی ایک اور بیوی امیمہ بنت سعد بھی اس جنگ میں شامل تھی۔ اس کے علاوہ صفوان بن امیہ کی بھی دو بیویاں اس جنگ میں موجود تھیں جن کے نام بالترتیب برزہ بنت مسعود اور بغوم بنت معدل تھے۔ ایک اور خاتون جس کا نام سلافہ بنت سعد تھا، قریشی سردار طلحہ بن ابی طلحہ کی بیوی تھی اور عکرمہ بن ابو جہل کی زوجہ ام جہیم بن حارث بھی جنگ احد میں ساتھ آئی تھی۔

ان کے علاوہ فاطمہ بنت ولید زوجہ حارث بن ہشام، ہند بنت منبہ زوجہ عمرو بن العاص، رملہ بنت طارق زوجہ حارث بن سفیان، ام حکیم بنت طارق زوجہ کنانہ بن علی اور ان جیسی کئی ممتاز خواتین کے نام ہمارے مورخین نے ذکر کیے ہیں جو کفار کی طرف سے جنگ احد میں شریک ہوئی تھیں[1]۔

## غزوہ مریسیع / غزوہ بنو مصطلق

غزوہ بنو مصطلق ۵ ہجری / ۶۲۷ عیسوی میں ہوا۔ اس میں حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ اسی جنگ سے واپسی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ پر منافقینِ مدینہ کی جانب سے بہتان لگا تھا۔ حضرت ام سلمہ اس غزوہ میں نبی ﷺ کے ساتھ سفر میں شریک تھیں تاہم اس سفر کے حوالے سے کتبِ احادیث میں ان کی کارگزاری کا ذکر نہیں مل سکا ہے۔

بنو مصطلق کے لشکر میں دشمن کے سردار کی بیٹی حضرت جویریہ بنت حارث مصطلقی خزاعی بھی تھیں جو جنگ کے بعد گرفتار ہو کر لائی گئیں۔ انھوں نے فدیہ دے کر آزاد ہونے کو ترجیح دی اور بعد میں نبی ﷺ کے عقدِ نکاح

1 ۔ کتاب المغازی للواقدی، صفحہ ۲۰۲، ۲۰۳، فتح الباری، جلد ۷، صفحہ ۴۵۸ تا ۴۶۴

میں آ گئیں۔اس جنگ میں دشمن کی کئی خواتین گرفتار ہو کر آئی تھیں۔جب حضرت جویریہؓ اور نبی ﷺ کا نکاح ہو گیا تو صحابہ کرام نے اپنی اپنی باندیاں اور غلام، سب کو آزاد کر دیا[1]۔

## جنگ خندق

غزوہ احزاب میں مسلمان خواتین اسلامی لشکر کے ساتھ شریکِ احوال تھیں۔مجاہدین کا خدمت کا کام انھوں نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا[2]۔کچھ خواتین اور ازواج مطہرات ایک بڑے طبقے کے ساتھ انصاری گڑھوں اور قلعوں میں محفوظ تھیں[3]۔ان قلعوں میں مجاہدات کے کارناموں میں سے نبی ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بنت عبد المطلب کا واقعہ معروف ہے جنھوں نے قلعے کے نزدیک منڈلاتے ہوئے ایک دشمن کو دیکھ کر نیچے اتر کر اس کو قتل کر دیا[4]۔

کچھ انصاری خواتین مثلاً حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے لیے کھانے پینے کا انتظام کیا۔جنگ کے ان نازک ترین حالات میں کھانا فراہم کرنا خواتین کی طرف سے کھانے کا انتظام کرنا انتہائی اہم فو جی خدمت تھی[5]۔

## غزوہ بنو قریظہ

جنگ احزاب کے بعد ۵ ہجری/۶۲۷ء میں خواتین کا تفصیل کے ساتھ ذکر نہیں مل سکا البتہ واقدی کی ایک رو ایت کے مطابق حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے ایک دشمن کے ساتھ مبارزہ کے لیے ہمت دکھائی تو ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ان کی حوصلہ افزائی کی۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس غزوہ کے دوران موجود تھیں[6]۔

## غزوہ صلح حدیبیہ

6ہجری/۶۲۸ عیسوی میں صلح حدیبیہ سے قبل مسلمانوں کے ساتھ عمرے کی نیت سے صحابیات بھی شریک ہو گئی تھیں۔اس موقع پر ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا کردار انتہائی اہم تھا۔صلح کے نتیجے میں

---

1۔ صدیقی، یاسین مظہر (ڈاکٹر)، نبی اکرم ﷺ اور خواتین، نشریات، لاہور، ص:۱۰۳

2۔ فتح الباری، جلد نمبر ۷، ص:۴۹۰

3۔ سیرت ابن ہشام، جلد نمبر ۲، ص:۳۳۳تا۴۸

4۔ فتح الباری، حدیث نمبر ۷، ص:۵۰۷۔ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت صفیہ نے اس جنگ کے علاوہ دیگر کئی جنگوں میں بھی لڑائی کے معرکے سرانجام دیے تھے۔

5۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر:۴۱۰۱،۴۱۰۲

6۔ کتاب المغازی، ص:۴

صحابہ کرام پر بڑی پژمردگی طاری تھی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ نبی ﷺ نے یہ معاہدہ دب کر کیا ہے۔اس نفسیاتی کرب کے دوران عمرہ کے ارکان ورسوم ادا کرنے کی نبوی ہدایت ان کو سنائی نہ دے سکی۔آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کی تجویز پر خود ہی سب سے پہلے عمرے کے ارکان ادا کیے تو صحابہ کرام جاگ پڑے اور ان سب نے قربانی کرنے کے بعد احرام اتار دیے[1]۔

## غزوہ خیبر

6 ہجری/۶۲۹عیسوی میں کئی مسلمان خواتین کے شریکِ لشکر ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ان میں سے حضرت ام سلمہ، حضرت ام عمارہ، حضرت ام منیع اور حضرت ام عامر رضی اللہ عنھن کا ذکر سرِفہرست ہیں۔جنگ کی تیاری سے قبل خواتین کا ایک وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھوں نے آپ ﷺ سے جنگ میں ساتھ جانے کی اجازت مانگی۔آپ ﷺ نے ان سے جنگ میں لشکر کے ساتھ جانے کا مقصد پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ مجاہدین کو پانی پلانے، کھانے کا انتظام کرنے اور زخمیوں کی دیکھ بھال کرنے کی غرض سے ساتھ جانا چاہتی ہیں۔آپ ﷺ نے ان کو ساتھ جانے کی اجازت دے دی[2]۔

ان میں سے ایک کم سن صحابیہ حضرت امیہ بن قیس غفاری رضی اللہ عنہا کو نبی ﷺ نے اپنے پیچھے اونٹ پر بھی بٹھایا تھا[3]۔حضرت ام سنان رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں اس سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔آپ ﷺ نے مجھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہنے کا حکم دیا[4]۔

اس جنگ میں حضرت ام مطاع[5] حضرت کعیبہ بنت سعد[6]، حضرت ام العلا انصاری[7]، حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب الانصاری[8]، حضرت ام سلمہ بن ابی امیہ مخزومی (ام المومنین)[9] حضرت صفیہ بنت عبد المطلب، حضرت ام ایمن، حضرت سلمیٰ زوجہ ابو رافع، زوجہ عاصم بن عدی انصاری، حضرت ام منیع، حضرت ام سلیم بنت

---

1 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر ۲۷۳۱، ۲۷۳۲

2 ۔طبقات ابن سعد، جلد نمبر ۶

3 ۔طبقات ابن سعد، جلد نمبر ۸، ص: ۲۹۳

4 ۔طبقات ابن سعد، جلد نمبر ۸، ص: ۲۹۲، کتاب المغازی للواقدی، ص: ۶۸۲

5۔ طبقات ابن سعد، جلد نمبر ۸، ص: ۲۹۱

6 ۔ایضا، صفحہ ۲۹۱

7 ۔ایضا ص: ۴۵۹

8۔ ایضا ص: ۴۱۲

9 ۔ایضا، ص: ۲۹۲

ملحان انصاری، حضرت ام ضحاک بنت مسعود حارثی، حضرت ہند بت عمرو بن حزام انصاری، حضرت ام عامر اشہلی، حضرت ام عطیہ انصاری، حضرت ام سلیط، حضرت امیہ بنت قیس غفاری، حضرت زوجہ عبداللہ بنت نفیس رضی اللہ عنھن وغیر شامل تھیں[1]۔

جنگ خیبر میں یہودی خواتین بھی جنگی قیدی بنی تھیں۔ان میں حضرت صفیہؓ بنت حی بھی تھیں جو پہلے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں۔نبی ﷺ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر کے ام المومنین کا درجہ دے دیا[2]۔

## غزواتِ فتح مکہ وحنین وطائف

8ہجری/۶۳۰عیسوی میں یکے بعد دیگرے تین غزوات پیش آئے۔ان تینوں غزوات کے لیے مدینہ کے مجاہدین اور مجاہدات کو ایک ہی سفر کرنا پڑا۔جو مجاہدات حزوہ حنین میں موجود تھیں وہ فتح مکہ کے غزوہ میں بھی ضرور شامل تھیں۔۔کیونکہ اسلامی لشکر خصوصی طور پر اسی کے لیے مدینہ سے نکلا تھا لیکن یہ محض ایک مفروضہ ہے۔حضرت ام سلمہ اور ازواج مطھرات فتح مکہ کے غزوہ میں شریک تھیں۔ان کی سفارش پر ابوسفیان بن حارث ہاشمی اور عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی کی سزاؤں کو معاف کر کے انہیں اسلام میں داخل ہونے کا شرف بخشا گیا تھا۔غزوہ طائف اور قیامِ جعرانہ کے دوران حضرت ام سلمہ کی موجودگی ثابت ہے۔حضرت میمونہؓ،حضرت زینبؓ کی ان سب غزوات میں موجودگی ثابت ہے[3]۔

دیگر صحابیات میں سے حضرت ام عمارہ انصاری، حضرت ام سلیم بنت ملحان انصاری غزوہ حنین میں لشکر کے ساتھ تھیں۔ حضرت ام سلیمؓ ایک خنجر لے کر میدانِ حنین میں بھی پہنچ گئیں اور اپنے شوہر سے کہا کہ اگر مجھے کوئی دشمن ملا تو میں اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی۔واقعات حنین کے حوالے سے حضرت ام سلیطؓ اور حضرت ام الحارثؓ کا ذکر بھی ملتا ہے[4]۔

---

1۔ نبی اکرم ﷺ اور خواتین،ص:۱۱۰،۱۱۱

2 ۔ صحیح بخاری،حدیث نمبر ۴۲۰۰

3۔ بکری،دیار(علامہ)،تاریخ الخمیس،مطبوعہ مطبعۃ العامرہ العثمانیہ مصر،جلد نمبر ا،ص:۱۸۱

4۔ طبقات ابن سعد،جلد نمبر ۸،ص:۴۱۲

## غزوہ تبوک

9 ہجری/۶۳۱ ہجری میں غزوہ تبوک پیش آیا۔اس کے حوالے سے صرف حضرت ام سلمہؓ کے نبیﷺ کے ساتھ شریکِ سفر ہونے کاذکرملتاہے[1]۔

## تجزیہ

مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوتاہے کہ جہادو قتال مسلمانوں کافرئضہ ہے، یہ عورتوں پر فرض نہیں ہے لیکن بعض اوقات مجبوراان کو بھی جنگ میں شریک ہوناپڑتاہے۔اسی لیے نبیﷺ نے خواتین کی خواہش سن کران کو بخوشی جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دے دی تھی۔یہی وجہ ہے کہ غزوہ بدر کے سوا تمام غزوات میں خواتین کی شرکت کے بارے میں روایات موجودہیں۔عام صحابیات ہی نہیں بلکہ ازواج مطہرات میں سے بھی کوئی نہ کوئی غزوات میں مسلمان لشکر کے ساتھ موجود ہوتی تھیں۔ان خواتین کے شریکِ سفر ہونے کامقصد مریضوں کی دیکھ بھال،زخمیوں کاعلاج اور کھاناپکاناوغیرہ تھا۔اس کے باوجودانھوں نے بعض جنگوں میں فوجی خدمات کامظاہرہ بھی کیاتھا۔ان خواتین میں ہر عمراور سن وسال کی مجاہدات شامل تھیں۔ حضرت امیہ بنت قیسؓ جیسی نو عمر صحابیہ اور حضرت ام عمارہؓ ایسی صحابیہ جن کے بیٹے جنگ میں شریک تھے،دونوں کالشکر میں موجود ہونااس حقیقت کاثبوت ہے۔حجاب کاحکم خواتین کے جہاد میں شریک ہونے میں مانع نہیں تھا۔پردہ وحجاب کاحکم نازل ہونے سے قبل بھی وہ جہاد میں شریک ہوتی تھیں اور بعد میں بھی شریک ہوتی رہی ہیں۔

---

1۔کتاب المغازی للواقدی،ص:۱۰۳۶،۱۰۲۷

# فصل ششم: طب کے میدان میں صحابیات کے کارنامے

طب کا شعبہ اتنا ہی پرانا ہے جتنی پرانی خود انسان کی اپنی تاریخ ہے۔ دنیا کی ہر قوم میں بیماریوں اور زخموں کا علاج کرنے کی روایت ہمیشہ موجود رہی ہے۔ یہ کام بعض اوقات مرد اور عورت دونوں کے اشتراک و تعاون سے عمل پاتا تھا اور بعض اوقات مرد یا عورت دونوں میں سے کسی ایک صنف کے ذمہ ہوتا تھا۔ زمانہ ماضی میں لڑائیوں اور جنگو ں میں زخمیوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی کیونکہ جنگی ہتھیاروں میں زیادہ تر ایسے تھے جو انسانی جان کے لیے مہلک ثابت نہ ہونے کی صورت میں انسانی جسم کے زخمی ہونے کا سبب بن جاتے تھے۔ اس لیے زمانہ قدیم کی ہر قوم میں جہاں مرد حضرات طب اور جراحت کے کام کو ذمہ داری سمجھ کر سیکھتے تھے اسی طرح خواتین بھی اس میں پیش پیش تھیں۔

عہدِ نبوی میں عرب کی سرزمین نسلی، قبائلی، لسانی اور تمدنی مفاخرت اور تعصب کی بنا پر لڑائیوں اور جنگوں کی وجہ سے کئی محاذ دیکھ چکی تھی۔ اس لیے وہاں کے سماج میں یہ شعور بیدار ہو چکا تھا کہ خواتینِ خانہ کو گھریلو امور میں مہارت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ طبّی اعتبار سے بھی مطلوب مہارتیں سیکھیں۔ صحابیات میں سے جن خواتین کو طب اور جراحت میں کمال حاصل تھا ان میں سے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہ، حضرت ام عطیہ، حضرت ربیع بنت معوذ، حضرت امیمہ، حضرت معاذۃ لیلی، حضرت حمنہ بنت جحش، حضرت ام کبشہ، حضرت ام مطاع، حضرت اسلمیہ، اور حضرت رفیدہ رضی اللہ عنھن کے نام ہمارے مورخین اور سوانح نگاروں نے ذکر کیے ہیں۔ حالتِ جنگ میں یہ زخمی ہونے والے سپاہیوں کی مرہم پٹی کا کام کرتی تھیں جب کہ حالت امن میں یہ عام مریضوں کے علاج کا فریضہ سر انجام دیتی تھیں۔

حضرت سیدنا محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے ایک روایت امام بخاری نے نقل کی ہے جس کے مطابق جنگ خندق میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ زخمی ہوگئے۔ یہ زخم ان کے بازو کی ایک رگ کو پہنچا تھا۔ ان کا زخم بگڑنے لگا تو ان کو حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بھیجا گیا۔ یہ خاتون زخمیوں کا علاج کرتی تھیں (1)۔

عہد نبوی کی ایسی تمام خواتین جو پیشہِ جراحت یا طب کے ساتھ وابستہ تھیں، وہ اس کام میں مکمل مہارت حاصل کرتی تھیں۔ غزوات اور سرایا میں وہ اپنی پیشہ ورانہ خدمات رضاکارانہ طور پر پیش کرتی تھیں جب کہ حالتِ امن میں یہ کام ان کے لیے ذریعہ روزگار تھا۔ یہ کام صرف اسلامی عہد میں ہی نہیں بلکہ زمانہ جاہلیت میں بھی خواتین کے ہاں موجود تھا اور جاہلی دور کی عورتیں بھی طبابت اور جراحت کے ذریعے روزگار کماتی تھیں۔ فوری علاج (ایمر جنسی)

---

1۔ محمد بن اسماعیل البخاری، الادب المفرد، اردو مترجم، محمد ارشد کمال، مکتبہ اسلامیہ، لاہور طبع ۲۰۱۵، حدیث نمبر: ۱۱۲۹

کے حوالے سے بھی کئی خواتین کی خدمات کی مثالیں ملتی ہیں۔غزوہ احد میں نبی اکرم ﷺ زخمی ہو گئے تھے تو آپ ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے زخموں سے رسنے والے خون کو روکنے کے لیے کپڑے کے ایک ٹکڑے کو جلایا اور پھر آپ ﷺ کے زخم اس جلے ہوئے کپڑے کی راکھ سے ڈھانپ دیے۔اس سے زخموں سے نکلنے والا خون رک گیا تھا[1]۔علامہ بلازریؒ نے اس ضمن میں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ اور حضرت ام انمار رضی اللہ عنہا کا ذکر بھی کیا ہے۔ان دونوں نے ایک دوسرے کا علاج کیا تھا[2]۔

حضرت ام سلمہ اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما نے حبشہ میں ہجرت کے بعد وہاں قیام کے دوران کئی طبّی نسخے سیکھے تھے۔نبی اکرم ﷺ کی آخری بیماری میں انھوں نے گھر میں تیار کردہ ایک دوائی ان کو پلائی تھی جو کھلی اور تیل[3] سے تیار کی گئی تھی۔کئی روایات کے مطابق اس دوا کی تیاری میں ورس (عود ہندی) اور تیل کا استعمال کیا گیا تھا[4]۔

یہاں ان خواتین کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جو عہد نبوی ﷺ میں موجود نہیں تھیں بلکہ وہ عہد وسطیٰ کی طبابت اور جراحت کی ماہر تھیں۔ان میں آنکھوں کی بیماریوں کی ماہرہ زینب کا نام معروف ہے جو قبیلہ بنی عود سے تعلق رکھتی تھیں۔طبیبہ کی حیثیت سے ام الحسین بنت قاضی بن جعفر کا نام بھی معروف ہے۔موصوفہ طبابت کے علاوہ دیگر کئی علوم میں بھی مہارت رکھتی تھیں۔منصور بن ابو عامر کے عہد میں حفیظ بن زہر کی ہمشیرہ ماہر طبیبہ تھیں اور فنِ حکمت کے ساتھ ساتھ علمِ طب میں اپنے زمانے کے مشاہیر میں ان کا شمار ہوتا تھا۔امراضِ نسوانی کے علاج میں ان کو کمال حاصل تھا جس کی وجہ سے شاہی خاندان کی عورتوں کے معالجے کے لیے ان کو ہی بلایا جاتا تھا[5]۔

زمانہ قدیم کے مقابلے میں عصر حاضر میں ڈاکٹری کی تعلیم کی اہمیت زیادہ ہے کیونکہ اس دور میں خوراک میں ملاوٹ عام ہو چکی ہے جس سے طرح طرح کی بیماریاں پھیل رہی ہیں

---

1۔ بلازری، جلد ا، صفحہ ۳۲۴

2 ۔بلازری، جلد ا، صفحہ ۱۷۸، ۱۷۹

3 ۔الکست والزیت

4۔ بخاری: ۵۷۱۲

5 ۔احمد شبلی (ڈاکٹر)، تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص ۲۶۰

# فصل ہفتم: شعبہِ رضاعت میں صحابیات کے کارنامے

## رضاعت کی پیشہ ورانہ حیثیت

تاریخی توقیت کے لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی رضاعت کا بیان قرآن مجید میں بصراحت ملتا ہے۔

﴿و أَو حَيْنَا إِلَى أُمِّ مُو سَى أَنْ أَرْضِعِيهِ﴾ (1)

ترجمہ:اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی کہ اسے دودھ پلا۔

ماں کو رضاعت کی مدت پوری کرنے کا حکم پورے دو سال تک دودھ پلانے کا ہے اور یہ عام اسلامی، ازلی، ابدی قانون ہے۔

﴿و الْو الِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَو لَادَهُنَّ حَو لَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ و عَلَى الْمَو لُو دِ لَهُ رِز قُهُنَّ و كِسْو تُهُنَّ بِالْمَعْرُو فِ﴾(2)

ترجمہ:اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، اس کے لیے جو چاہے کہ دودھ کی مدت پوری کرے اور وہ مرد جس کا بچہ ہے، اس کے ذمے معروف طریقے کے مطابق ان (عورتوں) کا کھانا اور ان کا کپڑا ہے۔

ڈاکٹر یاسین مظہر (3) صدیقی لکھتے ہیں:

---

1۔ القصص:۷

2 ۔ البقرہ:۲۳۳

3- پورا نام محمد یٰسین مظہر صدیقی ہے۔26 دسمبر 1944ء کو اُتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ ندوۃ العلماء سے 1959ء میں 'عالم' اور 1960ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے 'فاضل ادب' کیا۔ ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی علی گڑھ سے کیے۔

"اسلامی رضاعت کے قانون واحکام ہو یا سماجی روایات واقدار، دونوں اولین بچے کی ولادت کے دن سے چلے آرہے ہیں، اگرچہ قرآن مجید، احادیثِ شریفہ اور دوسرے آثار قدیمہ میں ان کاذکر نہیں ملتا، تاہم وہ بلاسند ودلیل بھی نہیں ہے۔ قرآنی اور حدیثی احکام سے یہ بہر حال واضح ہوتا ہے کہ رضاعتِ والدہ ایک حقیقت امری ہے اور ہمیشہ سے چلی آرہی ہے اور قیامت تک جاری رہے گی" (1)

قرآن مجید کی متعدد آیات کریمہ میں ماؤں کی صنف کے علاوہ خاص رضاعت کرنے والی خواتین کی صنف بھی بیان کی گئی ہے۔ سورۃ بقرہ کی مذکورہ بالا آیت کا اگلا حصہ انھیں رضاعی ماؤں کے حکم وروایت اور قانون وضابطہ کی وضاحت کرتا ہے۔

﴿فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا و تَشَاو رٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا و إِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُو ا أَو لَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُو فِ و اتَّقُو ا اللَّهَ و اعْلَمُو ا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُو نَ بَصِيرٌ﴾

ترجمہ: پھر اگر وہ دونوں آپس کی رضامندی اور باہمی مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر تم چاہو کہ اپنے بچوں کو دودھ پلواؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں، جب معروف طریقے کے مطابق پورا ادا کردو جو تم نے دیا تھا اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ اس کو جو تم کر رہے ہو، خوب دیکھنے والا ہے۔

رضاعتِ غیر یا دوسری دودھ پلائیوں (مرضعات۔ مراضع) کا ذکر قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات کریمہ کے علاوہ دوسری آیات کریمہ میں بھی آیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان دودھ پلائیوں کا وجود اور ان کی رضاعت کی روایت موجود تھی۔ سورۃ قصص کی آیات نمبر ۷، ۱۱ اور ۱۲ کے مجموعی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ والدہ ماجدہ کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واپس لوٹا دینے کے الٰہی وعدے کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت آسیہ اور فرعون کے انتظاماتِ رضاعت کو مسترد اور مرضعات کو ان پر حرام قرار دیا تھا۔ یہ رضاعتِ غیر کی قدیم روایت بھی ایک دلیل وشاہد ہے۔

---

1 ۔ صدیقی، یاسین مظہر (ڈاکٹر)، رسول اللہ ﷺ کی رضاعی مائیں، مکتبہ قاسم العلوم، ملک اینڈ کمپنی، صفحہ ۷

**و حرمنا علیه المراضع من قبل**

ترجمہ: اور ہم نے اس سے پہلے دائیوں کو روک دیا تھا۔

رضاعتِ غیر، مرضعات و مراضع اور دودھ پلائیوں کی روایتِ فطرت دراصل دینِ حنیفی اور ملت ابراہیمی کا ایک حصہ تھی۔ قانون فطرت اور ازلی تہذیبی روایت کے اسباب و عناصر کے علاوہ عرب جاہلی معاشرے میں یہ رضاعتِ غیر دینِ حنیفی سے ہی آئی تھی۔ بدوی زندگی نے بالخصوص اس کو جاہلی عربوں میں زیادہ مستحکم اور وسیع تر چلن اور عام رواج بخش دیا تھا۔ اس سے شہری بھی متاثر تھے۔ سورۃ بقرہ کی جن آیات [1] میں جس رضاعتِ غیر کو ایک اسلامی روایت و قانون کی حیثیت سے بیان کیا ہے وہ جاہلی عرب کے معاشرے کی مسلمہ روایت کی تصدیق و تعبیر کرتی ہیں۔ وہ بچے کی ماں کی موجودگی میں کسی دوسری رضاعی ماں سے رضاعت کرانے کے رواجِ عام کی تصدیق کرتی ہیں اور دوسالہ رضاعت کے عرصہ کو بھی اسی لیے جاری کرتی ہیں کہ دوسال کا عرصہ رضاعت کا عرصہ تھا، خواہ وہ کوئی بھی کرے 'حقیقی ماں کرے یا مرضعہ انجام دے۔ مزید تصدیق سورۃ طلاق کی مندرجہ ذیل آیت میں ہو جاتی ہے۔

**﴿و إِنْ كُنَّ أُو لَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُو ا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاتُو هُنَّ أُجُو رَهُنَّ﴾** [2]

ترجمہ: اگر وہ حمل والی ہوں تو ان پر خرچ کرو، یہاں تک کہ وہ اپنا حمل وضع کر لیں، پھر اگر وہ تمھارے لیے دودھ پلائیں تو انھیں ان کی اجرتیں دو۔

نیز اس کام کو ایک پیشے کے طور پر تسلیم کرتے ہوئے قرآں مجید نے حکم دیا ہے کہ:

**﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاتُو هُنَّ أُجُو رَهُنَّ و أْتَمِرُو ا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُو فٍ و إِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَى﴾** [3]

ترجمہ: اگر وہ تمھارے لیے دودھ پلائیں تو انھیں ان کی اجرتیں دو اور آپس میں اچھے طریقے سے مشورہ کرو اور اگر تم آپس میں تنگی کرو تو عنقریب اسے کوئی اور عورت دودھ پلا دے گی۔۔

اس آیت سے مفسرین نے یہ حکم نکالا ہے کہ دوسری دودھ پلائیوں کو بھی ان کے دودھ کا معاوضہ ادا کیا جائے جس کے لیے قرآن مجید نے بہت خوبصورت لفظ "اجر/اجور" استعمال کیا ہے اور کس کی تعبیر نیک، حق، بدلہ یا

---

1 ۔البقرہ:۲۳۳

2۔ الطلاق:٦

3 ۔الطلاق:۷

صلہ سے کی گئی ہے۔اس میں معاوضہ سے زیادہ ان کی محبت آمیز خدمت کے بدلہ کا مفہوم بھی شامل ہے اور یہ معاوضہ سے زیادہ وسیع اور عمیق ہے۔

## عرب میں رضاعت کا پیشہ

یہ شعبہ خالصتا خواتین میں چل رہا تھا۔قدیم دور سے ہی عرب کے معاشرے میں مرضعات کا کام ہر علاقے میں چل رہا تھا۔قدیم عہد سے چلنے والا یہ کام اسلامی دور میں بھی جاری رہا اور رضاعی مائیں اس کے ذریعے آمدن حاصل کرتی رہی تھیں۔ان خواتین کے کام کی مقبولیت اور وسعت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ اصحاب ثروت کے سب بچے اور ان کی بچیاں دودھ پینے کے لیے "بادیہ" میں بھیجی جاتی تھیں۔بدوی قبیلوں میں یہ کام زیادہ چلتا تھا جب کہ شہروں میں بہت کم خواتین یہ کام کرتی تھیں۔

اسلامی تاریخ کے مطالعہ کے مشہور ترین مرضعہ حضرت حلیمہ سعدیہ معلوم ہوتی ہیں۔آپ نے رسول ﷺ کے لیے رضاعت کی خدمات پیش کی تھیں۔حلیمہ نے نبی ﷺ کے علاوہ مکہ کے کئی سرداروں کے بچوں کو بھی پالا تھا اور انھوں نے حلیمہ کو مناسب اور معقول عطیات سے بھی نوازا تھا۔مولانا شبلی، مولانا ادریس کاندھلوی[1] کے مطابق آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے پیدائش کے بعد تین چار روز تک آپ کی رضاعت کی۔

حدیثی ماخذ کے مطابق ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابو سفیان اولین سند ہیں جنھوں نے حضرت ثوبیہ کی رضاعتِ بابرکات کا ذکر کیا ہے۔ان کی سند سے نبی ﷺ کا یہ فرمان ہم تک پہنچ ہے کہ حضرت ام حبیبہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کہ کہ آپ میری ہمشیرہ سے نکاح فرمالیں۔آپ ﷺ نے جواب دیا کہ کیا تم اپنی بہن کو اپنی سوکن بنانا پسند کرو گی ؟انھوں نے عرض کی کہ اگر میں اکیلی ہی بیوی آپ کے حرم میں ہوتی تو شاید میں پسند نہ کرتی لیکن چونکہ آپ کی اور بیویاں بھی ہیں اس لیے مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ جہاں دیگر خواتین بھلائی کے کام میں شریک ہیں تو میں چاہوں گی کہ میری بہن بھی خیر کے کام میں شریک ہو۔۔۔۔۔۔۔ مجھ کو اور ابو سلمہ کے باپ کو دونوں کو ثوبیہ نے دودھ پلایا ہے۔۔۔۔۔ عروہ راوی نے کہا ثوبیہ ابو لہب کی لونڈی تھی۔ابو لہب نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔(جب اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کی خبر ابو لہب کو دی تھی) پھر اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا[2]۔

---

1 ۔کاندھلوی،ادریس، سیرت مصطفی، جلد ا، صفحہ ۶۸

2۔ بخاری:۵۱۰۱

اس رضاعت کی مدت تقریباپانچ دن تھی کیونکہ والدہ ماجدہ کی مدت رضاعت کے تین روز کی روایت پیچھے گزر چکی ہے اور قاضی سلیمان منصور پوری کے مطابق "شرفاء مکہ کا دستور تھا کہ اپنے بچوں کو جب وہ آٹھ دن کے ہو جاتے تھے، دودھ پلانے والیوں کے سپرد کر کے کسی اچھی آب وہوا کے مقام پر باہر بھیج دیا کرتے تھے[1]۔

خود نبی ﷺ نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت ام بردہ رضی اللہ عنہا کی خدمات حاصل کی تھیں۔ آپ ﷺ نے ام بردہ اور ان کے خاوند کو اچھی خاصی قیمتی چیزیں بطور خدمت پیش کی تھیں[2]۔

بعض سیرت نگاروں نے اور تاریخ نگاروں نے اس عہد کی شاعری میں موجود بعض دعووں کو ایسے حقائق کے طور پر بیان کر دیا ہے جن کی کوئی مستند حیثیت نہیں ہے۔ چنانچہ ان سیرت نگاروں کے ہاں یہ موقف ملتا ہے کہ عرب معاشرے میں عورت بطور مرضعہ کام کرنا پسند نہیں کرتی تھی اور نہ ہی اس کام کا معاوضہ اس کو زیب دیتا تھا۔اس موقف کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس زمان میں رضاعت کا کام شرمندگی اور عار کا باعث سمجھا جاتا تھا۔اس سے یہ بھی نکتہ نکلتا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ نے یہ کام مجبوری میں اس طریقہِ روزگار کو اختیار کیا تھا۔یہ سب تاویلیں صرف ایک شعری بیان کی خاطر کی گئی ہیں۔مولانا شبلی نعمانی نے اس پر ایک خوبصورت، واقعی اور دلآویز حاشیہ لکھا ہے جو اس دعوے کے بطلان کے لیے کافی ہے۔مولانا شبلی لکھتے ہیں:

"سہیلی نے لکھا ہے کہ عرب میں دودھ پلانا اور اس کی اجرت لینا شریفانہ کام خیال نہیں کیا جاتا تھا۔اسی بنا پر عرب میں مثل ہے "الحرة لا تاكل بثدييها" اس بنا پر سہیلی نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس سال قحط پڑا تھا اس لیے مجبوراً حضرت حلیمہ سعدیہ اور ان کے قبیلہ نے یہ خدمت گوارا کی تھی۔ لیکن تمام تاریخوں میں ہے کہ مکہ میں ہر سال باہر سے عورتیں اس کام کے لیے آیا کرتی تھیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اس کام کو معیوب سمجھنا عرب کا عام خیال نہ تھا۔ یہ خیال اہل شہر اور امراء کے ساتھ مخصوص ہو گا[3]"۔

اس پر مزید اضافہ اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ رضاعت کی تاریخ میں بہت سی شریف خواتین کے اس حسنِ خدمت کا حوالہ آتا ہے۔ عرب جاہلی کی تاریخ سے بھی اس کی متعدد شہادتیں فراہم کی جا سکتی ہیں اور در حقیقت پیش کی بھی گئی ہیں۔ معیوب سمجھنے والوں نے رضاعت کے متعلق آیات قرآنی اور ان کے احکام بھلا دیے ہیں جن سے ان کے "اجور" کو ان کا حق اور صلہ سمجھا گیا ہے۔ حضرت حلیمہ کی دوسری رضاعات کی روایات بھی نظر انداز

---

1۔ سلیمان منصور پوری (قاضی)، رحمۃ للعالمین، مرکز الحرمین الاسلامی، فیصل آباد، جلد ۱، صفحہ ۴۱

2۔ صدیقی، یاسین مظہر (ڈاکٹر)، عہد نبوی میں رضاعت، صفحہ ۱۵۱

3۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، مکتبۃ الاسلامیہ، فیصل آباد، جلد ۱، صفحہ ۱۷۳، حاشیہ ۲

کر دی گئی ہیں جن کے مطابق انھوں نے متعدد لوگوں کی رضاعت کی تھی یا مرضعات شریفہ نے یہ حسن خدمت کا کام کیا تھا اور وہ قحط اور خشک سالی کی مجبوری کے زمانے بھی نہ تھے۔ یہ بھی فراموش کر دیا گیا کہ عرب جاہلی اور اسلامی محمدی سماج میں اور ان سے پہلے اور بعد کے دوسرے اسلامی معاشروں میں رضاعت ایک پیشہ تھا۔ بہت ہی محترم اور معزز بلکہ محبت آفریں اور الفت آمیز اور عزیز و محبوب پیشہ تھا جس کے اثرات تازندگی رہتے تھے۔

# خلاصہ باب

اسلام سے قبل معروف مومنات سے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حوا دھاگہ کاتنے کا کام کرتی تھیں۔شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں گلہ بانی کرتی تھیں۔حضرت عیسیٰؑ کی والدہ حضرت مریم بھی دھاگہ کاتتی تھیں۔یہ روایت اسلامی عہد میں بھی برقرار رہی اور آپﷺ کی صحابیات نے بھی مختلف پیشے اختیار کیے اور اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرنے میں ان پیشوں سے بھرپور استفادہ کیا۔روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابیات میں مقبول پیشوں کی ایک تعداد ہے جن میں چمڑے کی تجارت،عمومی خرید و فروخت کا کام،عطر کی تجارت کھجوروں کی تجارت، عطایا بہم پہچانے کا کام،چقندر کی کاشت کاری، کھجوروں کی کاشت کاری،گلہ بانی،باغات میں کام کرنا،تعلیم و تعلم،درس و تدریس،صنعت و حرفت،طب، فوجی خدمات،رضاعت وغیرہ ایسے پیشوں کے ساتھ منسلک تھیں۔

# باب سوم: پاکستانی عورت کے معاشی مسائل

فصل اول: پاکستانی عورت کی معاشی حالت
فصل دوم: خواتین کی جائداد اور تقسیم میراث کا مسئلہ
فصل سوم: خواتین کے نان ونفقہ کے مسائل
فصل چہارم: حق مہر کا مسئلہ

# فصل اول: پاکستانی عورت کی معاشی حالت

### ۱۹۵۶کا دستور

1956 میں پاکستان کا پہلا باقاعدہ دستور سامنے آیا۔اس میں مرد و خواتین کے معاشی امور سے متعلق بھی نکات موجود تھے۔دستور میں آرٹیکل نمبر ۱۷ کے ذریعے "ملازمتوں میں امتیازات کے متعلق تحفظات" کے عنوان کے تحت واضح کیا گیا کہ پاکستان کے کسی بھی شہری کو محض نسل، ذات، مذہب، جنس، مقامِ رہائش یا مقامِ پیدائش کی وجہ سے امتیاز کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔البتہ کسی خاص فرقے یا علاقے کے رہائشیوں کے لیے بعض ملازمتوں کو مخصوص کیا جاسکتا ہے تاکہ متعلقہ ملازمتوں میں ان کی معقول نمائندگی ہو سکے۔اسی طرح کسی جنس کے افراد کے لیے بھی کسی ملازمت کے مفاد کے لیے مخصوص اسامیوں کو مختص کیا جاسکتا ہے۔اسی طرح آرٹیکل ۱۷ کی پہلی شق میں وضاحت کی گئی کہ اس طرح کے فیصلے کے دوران کوئی امر، حاکمِ وقت کے لیے مانع نہیں ہوگا[1]۔

### ۱۹۶۲کا دستور

۱۹۶۲ میں پاکستان کا دوسرا باقاعدہ قانون بنایا گیا جس میں آرٹیکل ۱۴ کے تحت یہ طے پایا کہ کسی بھی پاکستانی کو اس کے مذہب، اس کی نسل، اس کی جائے پیدائش یا اس کی جائے رہائش کی بنا پر ملازمت سے محروم نہیں کیا جاسکتا ہے[2]۔

### ۱۹۷۳کا دستور

اسی طرح ۱۹۷۳ میں پاکستان میں تشکیل پانے والے تیسرے قانون میں آرٹیکل ۲۷ میں خواتین کے حقوق پر روشنی ڈالتے ہوئے اس امر پر اتفاق کیا گیا کہ اگر کوئی بھی پاکستانی شہری یہاں ملازمت کا اہل ہو تو اس کے مذہب، اس کی ذات، اس کی جنس، اس کی نسل، اس کی جائے پیدائش یا اس کی جائے رہائش کی بنا پر اس کو متعلقہ ملازمت سے محروم نہیں رکھا جائے گا۔البتہ کسی بھی ملازمت کے مفاد کے لیے اس پر کسی ایک جنس کے افراد کو مختص کیا جا سکتا ہے۔ایسا اس صورت میں ہو سکتا ہے اگر دوسری جنس کے افراد اس ذمہ داری کو مناسب طور سے انجام نہ دے رہے ہو[3]

پاکستان آزاد ہو گیا اور یہاں کئی اعتبار سے فضا اسلامی ماحول کے حق میں ہموار ہو گئی لیکن خواتین کے حقوق کی فراہمی ایک مشکل امر تھا جس کی خاطر ان کو سخت گیر تحریکی عمل اپنانا پڑا۔انھیں متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جس کی

---

1۔ دستورِ پاکستان ۱۹۵۶، ص: ۴

2 ۔دستور پاکستان ۱۹۶۲، ص: ۹

3 ۔دستورِ پاکستان ۱۹۷۳، ص: ۱۳

پہلی مثال پاکستان کی پہلی قانون ساز اسمبلی میں صرف دو خواتین کی شمولیت کی صورت میں نظر آتی ہے۔ بیگم جہاں آرا شاہنواز کا تعلق مسلم لیگ سے تھا جب کہ بیگم شائستہ اکرام اللہ کا تعلق مشرقی پاکستان کے معروف خاندان "سہر وردی" سے تھا۔ان دونوں خواتین نے مقننہ کے علاوہ بھی خواتین کے حقوق کے لیے دیگر کئی پہلوؤں پر متحرک انداز میں کام کیا۔

## خواتین کی کوششیں

پاکستان میں خواتین کے حقوق کے لیے باقاعدہ طور پر کوششوں کا آغاز ۱۹۴۸ میں ہی ہو گیا تھا۔ایک مخصوص کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے بجٹ بحث کے وقت شریعت بل پر مشتمل ایک رپورٹ کو ہاؤس کے سامنے رکھا، یہ بل آخری اوقات میں کارروائی سے حذف کر دیا گیا۔پنجاب اسمبلی میں موجود خواتین اس پر احتجاج کرتے ہوئے بل کو مسلم لیگ کی خواتین کمیٹی میں لے گئیں۔ کثیر تعداد میں خواتین اسمبلی ہال کی جانب مارچ کرتے ہوئے اور نعرے لگاتے ہوئے پہنچ گئیں[(1)]۔

بیگم جہاں آرا شاہنواز نے کئی خواتین کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اس وقت کے وزیر اعظم خان لیاقت علی خان کے پاس مسئلہ کو لے گئیں۔ چنانچہ ۱۹۴۸ میں مسلم شریعت پرسنل لاء انتہائی موثر ثابت ہوا۔اس وقت خواتین کو وراثت میں حق دینے کا قانون پاس کیا گیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد ۱۹۵۱ میں مسلم پرسنل لاء آف شریعہ تشکیل دیا گیا جس میں خواتین کو زمینوں میں بھی وراثت کا حق دینے کی حامی بھری گئی۔ یہ وہی قانون تھا جس کو پاس کروانے کے لیے ۱۹۴۸ سے ہی خواتین نے کوششیں شروع کر رکھی تھیں۔

خواتین کے معاشی مسائل کے حل کے لیے حکومتِ پاکستان نے "میں پاور ڈویژن" میں ایک شعبہ قائم کیا تاکہ فعال خواتین کی زندگی کے معیار کا تجزیہ کرتے ہوئے اس میں بہتری پیدا کی جاسکے۔

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ پاکستان میں قانونی حوالے سے خواتین کے حقوق کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے بلکہ ہر سطح پر ان کے حقوق کا مکمل لحاظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔جب قانونی طور پر یہ طے ہو جائے کہ سیاسی، تعلیمی، معاشی اور سماجی اعتبار سے کسی بھی شہری کو اس کی ذات، اس کی جنس یا اس کے مقامِ پیدائش کی بنا پر امتیازی سلوک کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا تو یقیناً عورت کی ہر حیثیت قانونی طور پر محفوظ تصور کی جائے گی۔

---

1. Women's role in Pakistan movement and the formative year paper read in the soyoptomist club, Seminar by Anis Mirza, Women in public life, October, 1972, Lahore, P.4

مذکورہ قانونی تحفظ کے باوجود تاحال پاکستان کی خواتین معاشی اعتبار سے متعدد مسائل کا شکار ہیں۔اس باب میں ان مسائل کا تفصیلی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

# فصل دوم: خواتین کی جائداداور تقسیم میراث کا مسئل

پیسہ انسان کی ایسی ضرورت ہے جس کی مدد سے وہ اپنی بنیادی حاجات کو پورا کرنے کے قابل بنتا ہے۔ بعض او قات اشیاء بھی پیسے کا ہی نعم البدل بن کر اس کے معاشی مسائل کو حل کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ اس کا پیسہ یا اس کی اشیاء اس کی وفات کے بعد اس کی اگلی نسل کو منتقل ہو جاتی ہیں جسے میراث کا نام دیا جاتا ہے۔ وراثت کے مال یا املاک کی اہمیت سے انکار کسی صورت میں بھی ممکن نہیں ہے۔ شاہ ہو یا گدا، مرتے وقت وہ کچھ نہ کچھ اپنی اگلی نسل کے لیے ضرور چھوڑتا ہے۔

## اسلام میں عورت کا حقِ میراث

وراثت سے متعلق احکام و مسائل کی ضرورت صرف اس زمانے میں ہی نہیں، اور نہ صرف اسلام کے نزول کے وقت بلکہ یونانی، یہودی اور رومی قوانین میں اس مسئلہ کی نوعیت کو سمجھا اور اس پر غور و فکر کیا گیا تھا۔ اسلام نے مذکورہ تمام نظاموں کے مقابلے میں ایک بہتر، جامع اور مکمل نظامِ میراث پیش کیا تھا جس کا علم انتہائی قابل قدر سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں وراثت کی تقسیم سے متعلق انتہائی تفصیلی اور تاکیدی احکام بیان کیے گئے ہیں۔

﴿يُو صِيكُم اللهُ فِي أو لِادكُم لِلذَّكَر مِثلُ حَظِّ الأُنثَيَين﴾ (1)

تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ: مرد کا حصہ دو عورتو
ں کے برابر ہے۔

سب کے حصص مقرر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

1۔ النساء: ۱۱

﴿تِلْكَ حُدُو دُ اللَّهِ و مَنْ يُطِعِ اللَّهَ و رَسُو لَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا و ذَلِكَ الْفَو ز الْعَظِيمُ﴾ (۱)

ترجمہ: یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے وہ اسے جنتو ں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے و الے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

ان حدود کو پہچاننے کے لیے یہ معلوم کرنا انتہائی ضروری ہے کہ اسلام میں عورت کے حق وراثت سے متعلق کیا تعلیمات دی گئی ہیں۔ وراثت کے احکام سورۃ النساء میں نازل کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان احکام میں عورت کے حقِ وراثت کا بھرپور لحاظ رکھا ہے۔

## زمانہ جاہلیت میں میراث کی تقسیم اور عورت کی محرومی

زمانہ جاہلیت میں تقسیم میراث کے ضوابط پر روشنی ڈالتے ہوئے امام ابو بکر الجصاصؒ لکھتے ہیں کہ قبل از اسلام نسب اور سبب [2] کے اعتبار سے ایک دوسرے کے قرابت دار بنتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ نسب کی بنیاد پر اہلِ جاہلیت صرف مردوں کو میراث میں سے حصہ دیتے تھے، عورتوں کو اس سے محروم رکھتے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وراثت کا حق صرف اس کے پاس ہے جو گھڑ سو اری کر سکے اور جنگ میں لڑ کر مالِ غنیمت سمیٹ سکے۔ وہ سگی بیٹیوں اور بہنوں کو میراث کے حصے سے محروم رکھتے تھے لیکن سبب [3] کے ذریعے کسی کو اپنا بنانے یا منہ بولا بیٹا بنانے کی صورت میں ایک پرائے مرد کو جائیداد میں سے حصہ دے دیتے تھے۔ جب تک صحابہ کرام مکہ میں قیام پذیر رہے تب تلک ان کے درمیان جائیداد کی تقسیم کا طریقہ کار وہی رہا جو ز مانہ جاہلیت میں تھا۔ مدینہ میں آنے کے بعد بھی کچھ عرصہ وہی نظام چلتا رہا اور اس کے بعد عورتوں کے حقِ میراث کے لیے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ احکام ناز ل فرمائے اور تمام جاہلی رواجوں کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی قول امام شوکانی نے بھی نقل کیا ہے [4]۔

---

1 ۔النساء:۱۳

2۔ الجصاص، أحمد بن علي الرازي، أحكام القرآن، دار إحياء التراث العربي۔ بیروت، جلد نمبر ۳، ص: ۱۴

3۔ سبب سے مراد یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دو لوگ آپس میں معاہدہ کر لیتے تھے جس کے مطابق وہ ہر قسم کی لڑائی اور تجارت میں سے ایک دوسرے کے ساتھی ہوں گے اور جو پہلے مرے گا اس کا جائیداد دوسرے کو ملے گی۔

4 ۔ محمد بن علي بن محمد بن عبد اللہ الشوكاني، فتح القدير، دار ابن كثير، دار الكلم الطيب۔ دمشق، بیروت، جلد نمبر ۱، ص: ۳۹۴

عورت کا حصہ مرد سے کم کیوں؟

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خواتین کے لیے مردوں کی نسبت میراث میں سے حصہ کی مقدار نصف کیوں ہے؟

امام ابن کثیرؒ کے مطابق اہل جاہلیت کے نظام کے مطابق خواتین ہمیشہ خالی ہاتھ رہ جاتی تھیں۔ پھر اسلام نے عورتوں کو ان کا حصہ دلوایا اور اس میں دونوں کے حصوں میں اس لیے فرق رکھا کیونکہ مرد معاشی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی مکلف نہیں ہے۔ اس کے لباس، عام اور رہائش کی ذمہ داری مردوں پر عائد ہوتی ہے اس لیے مردوں کو خواتین سے دوگنا حصہ دیا گیا ہے([1])۔

امام رازیؒ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ خواتین کا واسطہ کم لوگوں سے پڑتا ہے اس لیے انھیں دنیاداری کی سوجھ بوجھ مردوں سے کم ہوتی ہے۔ اس لیے مال کی زیادتی ان کے لیے فتنہ و فساد کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ نیز ان پر کسی بھی کسی کا معاشی بوجھ نہیں ہوتا بلکہ مرد ہی ان کے معاشی مسائل کو حل کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ مرد اپنی بیوی اور اپنے بچوں پر خرچ کرنے کا مکلف ہے اس لیے اس کو مال کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو وراثت میں عورت سے ایک گنا زیادہ حصہ دیا گیا ہے[2]۔

سید قطب اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عورت کو ترکہ مرد سے نصف حصہ دینے کا اسلامی فیصلہ جنسی امتیاز کی بنا پر نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہ فیصلہ اس کی اور عورت کی ذمہ داریوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا گیا ہے۔ اگر عورت اور مرد کی ذمہ داریوں کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ عین اعتدال پر مبنی ہے۔ اسلامی معاشرے میں جب کوئی مرد شادی کرتا ہے تو اس پر اس کی بیوی اور ہونے والے تمام بچوں کی کفالت کی ذمہ داری ہوتی ہے[3]۔ علاوہ ازیں عورت کی معاشی ذمہ داریوں کے نہ ہونے کے سبب اس کا وراثت میں نصف حصہ بھی ایک اعتبار سے مرد سے زیادہ بنتا ہے۔ میراث میں اس کو حصہ دینے کے بعد بھی اس کی معاشی کفالت کی ذمہ داری مرد کے کاندھوں پر ہے۔

## وراثت کے حوالے سے پاکستانی عورت کے مسائل

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پاکستان کا قانون اسلامی تعلیمات کے مطابق عورت کو وراثت میں حق دینے کا حامی ہے۔ لیکن مقامِ افسوس یہ ہے کہ عملی اعتبار سے پاکستانی معاشرے کی حالت اس سے برعکس ہے۔ یہاں اس

1۔ تفسیر القرآن العظیم، جلد نمبر ۱، ص: ۴۵۹

2۔ الرازي، فخر الدین، تفسیر مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)، دار الفکر، بیروت، جلد نمبر ۵، ص: ۱۶۸

3۔ سید قطب، فی ظلال القرآن، دار الشروق، بیروت، جلد نمبر ۴، ص: ۲۶۰

معاملے میں انصاف نہیں کیا جاتا ہے بلکہ خواتین کو حقِ وراثت سے دور رکھنے کے لیے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں۔ تجارت کے پیشے سے منسلک لوگوں میں یہ عام روایت ہے کہ بیٹوں کو کاروبار میں اپنے ساتھ ملالیا جاتا ہے او راولاد نرینہ کو ہی کاروبار کا مالک بنانے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ جہاں تک بیٹیوں کا معاملہ ہے،ان کو محض جہیز دے کر ٹرخا دیا جاتا ہے۔ زملااور زمیں ایسی جائیداداور اثاثے ،مالک اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹوں کے مابین تقسیم کر دیتے ہیں۔

زرعی زمینوں کے حوالے سے پاکستانی جاگیرداروں کے دورنگی رویے پر تبصرہ کرتے ہوئے محترمہ رشیدہ پاٹیل (1) لکھتی ہیں کہ "حالیہ زرعی اصلاحات نے زیادہ سے زیادہ زمیں کی ملکیت کی ایک حد مقرر کی ہے اور اس سے بڑی بڑی اراضی والے خاندان کی عورتوں کو فائدہ پہنچا ہے۔ سرکاری حد سے زیادہ زرعی زمینوں کو حکومت کے حوالے کرنے سے بچانے کے لیے ان کو خاندان کی عورتوں کے نام کر دیا جاتا ہے (2)"۔

محض جائیداد کو اپنے قبضے میں رکھنے کی غرض سے زمیں دار لوگ اپنی بیٹیوں کی شادیاں خاندان میں ہی کرتے ہیں تاکہ جائیداد باہر نہ جاسکے۔ان جاگیرداروں کی حرص وہوس کی بناپر یہ وباعام لوگوں میں پھیلنا شروع ہوگئی ہے اور انھوں نے بھی اپنی عورتوں کو جائیداد سے محروم رکھنا شروع کر دیا ہے (3)۔

خواتین کے وراثتی مسائل سے متعلق اعداد وشمار اکٹھے کیے جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان میں اکثر خواتین کو وراثت میں سے حق ملتا ہی نہیں ہے۔ کچھ خواتین اپنے بل بوتے پر یا عدالت سے رجوع کر کے اپنا حق وصول کرتی ہیں اور اس کے بعد انھیں زندگی بھر طعنوں کے ساتھ جینا پڑتا ہے۔

سندھ اور پنجاب کے کئی علاقوں میں بیٹیوں کے لیے والدین کی جانب سے جہیز کا خاص انتظام کیا جاتا ہے۔ یہ جہیز ان کو جائیداد کے مقابلہ میں شادی کے موقع پر دیا جاتا ہے۔ کئی خاندانوں میں لڑکیوں سے وراثت کا حق بخشوالیا جاتا ہے،ان کی قرآن مجید کے ساتھ شادی کر دی جاتی ہے، کئی کیسوں میں انھیں خفیہ طور پر قتل کرنے کی صورت حال بھی پیدا ہوگئی ہے اور ان سب اقدام کا مقصد یہی ہے کہ جائیداد کو خاندان سے باہر نہ جانے دیا جائے (4)۔

حق میراث سے محرومی کے واقعات مزارعین اور بڑے خاندانو ں میں بڑے پیمانے پر پائے گئے ہیں۔اس کی ایک مثال بی بی سی کی اس رپورٹ میں ملاحظہ فرمائیں:

---

3۔ پاکستان کے مشہور سماجی کارکس۔ایک تنظیم چلاتی ہیں کہ جسکا کام عورتوں کے مسائل کو اجاگر کرنا ہے۔

2۔ رشیدہ پاٹیل، پاکستانی عورت کی سماجی و قانونی حیثیت، کل پاکستان انجمن خواتین، کراچی، ۱۹۸۱ء، ص: ۲۷۰

3 ۔امیر فیاض (ڈاکٹر)، مسلمان عورت اور یورپی سازشیں، میڈیا سروسز، مینگورہ، سوات ۲۰۰۵ء ص: ۱۹

4اعوان، محبت حسین، اسلام، قانون اور مظلوم پاکستانی عورت، مکتبہ بخاری، کراچی، ۲۰۰۲ء، ص: ۸۶

بی بی سی اردو کی ۳ مئی ۲۰۱۸ کی خبر کے مطابق ضلع خانیوال میں ایک خاتون اختری بیگم کو عدالت نے ان کا حقِ وراثت دے دیا۔ وہ قبضہ لینے کے لیے اپنے والد کی زمینوں پر پہنچیں تو ان کے بھائیوں نے ان پر حملہ کر کے ان کی ٹانگیں توڑ دیں۔ دو بھائیوں کو پولیس نے گرفتار کر لیا لیکن بعد میں ان کو ضمانت پر رہا بھی کر دیا[1]۔

بی بی سی اردو نے ۱۸ دسمبر ۲۰۱۵ کو خواتین کے خلاف تشدد کے کیسوں پر مشتمل ایک رپورٹ جاری کی تھی ۔اس رپورٹ کے مطابق" عدالتوں میں آنے والے کیسز میں زیادہ تعداد گھریلو تشدد اور وراثت میں حصہ داری سے متعلق ہوتی ہیں[2]"۔

حقوقِ نسواں کی ایک این جی او نے لاہور میں ایک کال سینٹر کھولا اور اس میں خواتین کے مسائل سے متعلق ان کی کالیں سننا شروع کیں۔ بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق" ہیلپ لائن پر آنے والی اکثر کالز معلومات کے لیے ہوتی ہیں تاہم وراثت میں حصہ نہ ملنے کی شکایات بھی عام ہیں[3]"۔

اسی طرح کے مزید افسوس ناک واقعات آئے دن اخباروں کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں روزنامہ آزادی، کوئٹہ کے کالم نگار چوہدری امتیاز احمد لکھتے ہیں کہ :

---

1 https://www.bbc.com/urdu/pakistan-43976080

2 ttps://www.bbc.com/urdu/pakistan/2015/12/151218_swat_women_killing_rise_rh

3 ttps://www.bbc.com/urdu/pakistan/2015/02/150211_lahore_women_helpline_rwa

"بلوچستان میں یہ روایت عام ہے کہ بھائی اپنی ہی بہنوں پر کاروکاری کا الزام لگا ان کو قتل کر دیتے ہیں۔ ہر سال قتل ہونے والی ایسی خواتین کی تعداد میں کمی کے بجائے اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اسی طرح صوبے میں موجود پشتون علاقوں میں جب جائیداد کا بٹوارا ہوتا ہے تو پہلے بھائی اپنی بہنوں پر دباؤ ڈال کر ان کا حصہ معاف کرواتے ہیں۔ ان علاقوں میں اچھا رشتہ نہ ہونے کا بہانہ بنا کر بیٹیوں کو تمام عمر گھر پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ اگر شادی کرنا مجبوری بن جائے تو خود سے کم حیثیت والے خاندان میں شادی کی جاتی ہے تاکہ تمام عمر دباؤ برقرار رہے اگر شادی کسی دوسرے قبیلے میں کر دی جائے تو اس صورت میں جائیداد میں سے حصے سے محروم رکھنے کے لیے ایک نیا ڈرامہ رچاتے ہوئے تحائف کے نام پر بہت زیادہ مقدار میں سونا اپنی بیٹیوں کو دے دیا جاتا ہے۔ ان خواتین میں سے اپنا حق وراثت حاصل کرنے کے لیے بہت کم عورتیں عدالت کا رخ کرتی ہیں اور اگر کوئی خاتون عدالت کا رخ کرے بھی تو اس کے کیس کو چلتے ہوئے کئی برس کا عرصہ لگ جاتا ہے اس دوران عدالتوں کے چکر اور وکیلوں کی فیس کے مسائل کو برداشت کرنا خواتین کے لیے دردِ سر بن جاتا ہے بھائیوں اور خاندان کے لوگوں کا دباؤ اور ان کا خود اس پر مستزاد ہوتا ہے[1]۔

صوبہ بلوچستان میں معروف ہزارہ جاتوں میں اور نو آباد خاندانوں میں لڑکیوں کو جائیداد میں سے حصہ تو دے دیا جاتا ہے لیکن ان کی جائیداد کے تمام اختیارات ان کے چچاؤں کے قابو میں ہوتے ہیں۔ ان علاقوں میں ان خواتین کو عموماً بری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جو اپنے والد کی جائیداد میں سے اپنا حصہ لے لیتی ہیں۔ اس خوف کے باعث وہ خود ہی اپنے حصے سے دست بردار ہو جاتی ہیں۔ کئی خواتین بیوہ ہو جانے کے بعد اپنے ہی خاندان کے اندر بیاہ دی جاتی ہیں تاکہ وراثت میں ان کا حصہ ہتھیایا جا سکے۔[2]

اس کے بعد ۲۰۱۸ میں بلوچستان اسمبلی میں خواتین کے وراثتی حقوق کے بارے میں قانون سازی کی گئی[3] لیکن اس کا عملی نفاذ کس حد تک ممکن بنایا جاتا ہے؟ اس کا فیصلہ وقت ہی کرے گا۔

مشاہدے میں آیا ہے کہ پنجاب کے علاقوں میں اگر خواتین اپنا حقِ وراثت حاصل کرنے کی کوشش کریں تو ان کو منقول جائیداد میں سے ہی حصہ دیا جاتا ہے۔ غیر منقول املاک سے ان کو محروم رکھا جاتا ہے[4]۔ ان خاندانوں میں

---

1 . https://dailyazadiquetta.com/2018/12/15/womens/

2۔ اسلامی قانون اور مظلوم پاکستانی عورت، ص:۸۷

3. https://urdu.arynews.tv/women-share-in-inherited-property-by-islam/

4۔ ارشاد احمد پنجابی، پنجاب کی عورت، ص:۱۵۱

لڑکی کی شادی تایا یا چچا کے بیٹے کے ساتھ کر دی جاتی ہے تاکہ جائیداد اپنے قابو میں رہے اور اس ضمن میں لڑکی اور لڑکے کے جوڑ کی پروا بھی نہیں کی جاتی ہے۔

صوبہ سرحد میں بیٹیوں کی موجودگی میں بیٹیوں کو وارث بنانے کی سخت مخالفت ہے۔اسی طرح بیواؤں کو جائیداد میں حصہ دینے سے گریز کیا جاتا ہے بلکہ بعض اوقات توان کو وارث کا درجہ بھی نہیں دیا جاتا ہے[1]۔کچھ مرد بسترِ مرگ پر اپنی بیویوں کو طلاق دے دیتے ہیں تاکہ ان کے ترکہ میں سے انھیں کچھ نہ مل سکے۔کئی بیویوں پر ان کے شوہروں کے قتل کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔

قانون کے مطابق تکفین اور تدفین کے بعد ورثا پر اول ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ وہ وراثت میں سے سب سے پہلے بیوہ کو اس کا مہر، اگر معجل تھا تو، ادا کریں۔ عملی طور پر عموما ایسا نہیں کیا جاتا ہے۔

## جائیداد میں حصہ دینے کی عملی صورتیں

پاکستان کے جن گھرانوں میں عورتوں کو جائیداد کا حق دیا جاتا ہے ان میں یہ حق اس شرط پر دیا جاتا ہے کہ لڑکی شادی سے انکار کر کے ساری عمر یونہی گزارنے کا وعدہ کر لے۔اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس خاتون کی وفات کے بعد اس کی جائیداد واپس خاندان میں لوٹ آتی ہے۔اسی طرح سندھ میں کئی خاندانوں میں یہ تصور موجود ہے کہ بیٹیوں کو جائیداد میں صرف اسی صورت میں حصہ مل سکتا ہے اگر والد کی وفات کے وقت اس کی اولادِ نرینہ موجود نہ ہو۔یہ تصور صرف کینجھر جھیل کے علاقے کے باسیوں میں پایا جاتا ہے۔سندھ ہی میں تھر کے علاقے میں اگر کوئی شخص صرف بیٹیاں چھوڑ کر فوت ہو جائے تو اس کی بیٹیاں ہی جائیداد کی وارث قرار دی جاتی ہیں۔

فوت ہونے والے مردوں کی املاک ان کے مرد ورثاء کے اختیار اور قبضے میں ہوتی ہیں۔خواتین کو ان املاک کے وجود کا علم نہیں ہوتا ہے اور اگر معلوم ہو تو بھی ان کا پتہ معلوم نہیں ہوتا ہے۔ان املاک کی تقسیم عدالتی کارروائی کے بغیر کی جاتی ہے۔اگر وارثوں میں جھگڑا ہو جائے تو قانون طور پر اہتمامِ ترکہ کی نالش دائر کرنے کا جواز ہوتا ہے ۔اس صورت میں املاک سے ناواقفیت، کاغذی کارروائی، مقدمے کے اخراجات، عدالتوں میں خجل و خواری اور ان سب پر مستزاد یہ کہ معاشرے کی طرف سے اٹھائی جانے والی انگلیاں، یہ ایسی رکاوٹیں ہیں جن کے خوف سے خواتین عدالتوں میں جانے سے ہی احتراز کرتی ہیں[2]۔

جن کیسوں کی خواتین جائیداد کی حق دار قرار پاتی ہیں ان میں بھی مردوں کی کوئی نہ کوئی شاطرانہ چال ہوتی ہے۔مرد حضرات بعض اوقات ٹیکس نہ دینے کی غرض سے، کسی فراڈ کو چھپانے کی غرض سے یا کسی اور مقصد کے

1۔ اسلامی قانون اور مظلوم پاکستانی عورت، ص:۸۶

2۔ پاکستانی عورت کی سماجی حیثیت، ۲۷۰، ۲۷۱

تحت اپنی جائیداد کو اپنی بیوی یا اپنی بیٹی کے نام پر منتقل کر دیتے ہیں لیکن حقیقت میں اس پر خاتون کا کوئی اختیار نہیں ہوتا ہے۔

پاکستان میں موجود بینکوں میں اکاؤنٹس ہولڈرز کی زیادہ تعداد مردوں کی ہے اور ان میں عورتوں کی تعداد انتہائی قلیل ہے۔ جو خواتین جائیداد میں سے حصہ لینے کے لیے تگ ودو کرتی ہیں ان کو بلیک میل کرنے کی روایت عام ہے۔ عموماً ایسی خواتین سے قطع تعلقی کر لی جاتی ہے جو جائیداد میں سے حصہ مانگتی ہیں۔ بعض خواتین جائیداد میں سے اپنے حصے کا مطالبہ اپنی مرضی سے نہیں کرتی ہیں بلکہ ان کے سسرالیوں کی جانب سے ان پر اس کام کے لیے دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ جائیداد کی فروخت کے وقت یا اس کی عملی منتقلی کے وقت خواتین کی مرضی نہیں دیکھی جاتی ہے۔ بعض ایسے کیس بھی سامنے آئے ہیں جن کے مطابق جب کسی خاتون کو جائیداد میں سے حصہ ملتا ہے تو اس کا خاوند اس کے حصے پر قابض ہو جاتا ہے[1]۔

دولت مند خاندانوں میں بیٹیوں کو سسرالیوں کے طعنوں سے محفوظ رکھنے کے لیے زندگی بھر تحفے دیے جاتے ہیں۔ یہ تحائف بعض اوقات ان کے جائیداد میں سے ملنے والے حصے کے برابر ہوتے ہیں یا اس سے کم ہوتے ہیں۔ ان تحائف میں بعض اوقات کاروبار میں، گاڑی میں، فیکٹری یا مکان میں حصہ بھی ہو سکتا ہے۔ عملی طور پر لڑکی کے خاندان والے اس کے شوہر کو کاروبار بنا کر دے دیتے ہیں یا پھر اس کے لیے ملازمت کا بندوبست کر دیتے ہیں جو اس کے حق وراثت کے نعم البدل کے طور پر تصور کیا جاتا ہے۔ کسی لڑکی کو بوقت نکاح اگر وراثت میں سے حصہ دیا بھی جائے تو یہ اکثر زبانی کلامی ہوتا ہے اور عملی طور پر لڑکی کو اس کا حصہ نہیں دیا جاتا ہے۔

1962 میں پاکستان میں شخصی قانون کی تشکیل کی گئی جس میں خواتین ے لیے وراثت کے حق کو قانونی طور پر قابل نفاذ ٹھہرایا گیا۔ اس قانون کے بنے ہوئے کئی عشرے ہو چکے ہیں لیکن عملی منظر نامہ تاحال رسوم ورواج کے مورچے کو فاتح کے طور پر پیش کر رہا ہے۔

اس زمانے کی خواتین کے وراثتی حقوق کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آزادی اور خود مختاری کے نعرے لگانے کے باوجود یہ خواتین وراثت کے حوالے سے اپنے حقوق حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو پائی ہیں۔ ان کے مقابلے میں عہد نبوی ﷺ کی خواتین اپنے تمام معاشی حقوق سے پوری طرح ہمکنار ہوتی تھیں۔ مقامِ افسوس ہے کہ جس جاہلیت کو نبی ﷺ ختم کرنے کے لیے تشریف لائے تھے اسی جاہلیت نے دنیا کو ایک مرتبہ پھر اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ پاکستان کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کی شاہی خواتین کو چھوڑ کر عام خواتین جہالت کی زندگی گزار رہی

---

1 ۔ فاخرہ تحریم، عورت کا المیہ، ادارہ تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص: ۱۳۶

ہیں۔ عصرِ حاضر میں برصغیر کی عورتوں کی حالت تو ہندوانہ معاشروں کے زیر اثر رہ کر خراب ہو چکی ہے جس کے نتیجے میں انہیں، ہر رشتے میں، وراثت کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے۔

**مسئلہ کا حل**

وراثت کے حق سے عورت کو محروم رکھنے کا مسئلہ انتہائی سنگین ہے اس لیے اس کو ترجیحی بنیادوں پر توجہ دی جانی چاہیے۔ اس لیے ضروری معلو م ہوتا ہے کہ :

۱. کسی بھی شخص کی وفات کے فورا بعد اس کی جائیداد کو سرکاری سرپرستی میں تقسیم کیا جائے اور اس میں تاخیر کرنے کی سخت حوصلہ شکنی کی جائے۔

۲. وراثت کی تقسیم کے عمل میں عورت کو اس کا حق دلواتے ہوئے اس ضمن میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والے افراد کے خلاف سخت قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے۔

۳. حقوقِ نسواں کے ضمن میں چلائی جانے والی دیگر مہموں کی طرح خواتین کے حقِ وراثت کی مہم بھی چلائی جانی چاہیے۔ اس ضمن میں دینی مجالس، سیمینارز، کتابیں، مضامین اور میڈیا کے مختلف فورم استعمال کیے جانے چاہیے۔

۴. نصابِ تعلیم میں عورت کے حقِ وراثت سے متعلق مسائل کو شامل کرنا چاہیے۔

۵. ذرائع ابلاغ کو استعمال کرتے ہوئے جہیز دینے اور لینے کے رواج کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے۔

۶. آئمہ کرام، خطبا اور مقررین اپنے دروس اور خطبات میں تقسیم وراثت کے مسائل کرا جاگر کریں اور ان کے ساتھ ساتھ سماجی سطح پر کام کرنے والی تنظیمیں بھی اس مسئلہ کی نوعیت کو سمجھتے ہوئے مناسب اقدامات کریں۔

۷. حق وراثت کے حصول میں خواتین کو پیش آنے والے مسائل کے حل کے لیے الگ عدالتوں یا عدالتی بنچوں کے قیام کا انتظام کرنا چاہیے جن تک ہر خاتون کی رسائی آسان ہو۔ انھیں مخصوص عرصے میں فیصلہ سنانے کا پابند کرنا چاہیے۔

۸. وراثت سے متعلق مقدمات کی سماعت کے لیے کورٹ فیس ختم کر کے ان کی مفت سماعت کی جانی چاہیے۔

الغرض اس ضمن میں خواتین کو سرکاری سطح پر مدد فراہم کرتے ہوئے ان کی دادرسی کی جانی چاہیے۔

# فصل سوم: خواتین کے نان ونفقہ کے مسائل

اسلامی تعلیمات کی رو سے بیوی کے اخراجات کا ذمہ مرد پر ہے۔اس ضمن میں اسلامی ادب میں تفصیلات مو جو د ہیں۔ عملی اعتبار سے یہ پہلو انتہائی گھمبیر صورت میں ڈھل چکا ہے۔اس حوالے سے ملکی سطح پر قوانین تاحال مسائل کا شکار ہیں۔

## نفقہ کا مفہوم

یہ لفظ باب دخل یدخل سے آیا ہے۔ گرامر کے قواعد کے اعتبار سے یہ اسم مصدر ہے۔لغت میں نفقہ کے معانی ہیں "خرچ کرنا، نکالنا، چالو کرنا"۔جب جانور کو خرید کر اس کے پہلے مالک کے اختیار سے نکال دیا جاتا ہے تو اس کو عربی زبان میں "نفقۃ الدابۃ" کہا جاتا ہے۔یعنی "میں نے جانور کو نکال دیا"۔اسی طرح جب مال کا لین دین یا خرید وفرو خت شروع ہو جائے، یعنی مال ہاتھوں میں چلنا شروع ہو جائے تو عربی میں کہتے ہیں "نفقت السلعۃ" یعنی "میں نے مال کو چلا دیا"۔نفقہ کی جمع نفقات اور نفاق ہے[(1)]۔

اسلامی اصطلاح میں نفقہ کی متعدد تعریفیں موجود ہیں۔شرح الوقایۃ کے مطابق نفقہ میں کھانا اور اس کے متعلق اشیاء، لباس اور اس کے لوازمات، رہائش اور اس کے لوازمات شامل ہیں[(2)]۔ بلغۃ السالک کے مطابق "درمیانی مقدار میں خرچ کرنا[(3)]" اور صاحب المغنی[(4)] کے مطابق نفقۃ کے معانی "مطلق خرچ کرنا" ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ نفقہ کے مراد اپنی بساط اور استطاعت کے پیش نظر میانہ روی کے ساتھ لباس، خوراک اور رہائش کے انتظامات کرنا ہے۔

## نفقہ کی مشروعیت

مرد پر اپنی بیوی، اپنے بچوں اور اپنے والدین پر خرچ کرنا واجب ہے۔اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے

---

1۔ ابن منظور، لسان العرب، مادہ نفق

2۔ شرح الوقایۃ، جلد نمبر ۴، ص: ۱۷۱

3۔ الشربيني، محمد بن أحمد الخطيب الشافعي، مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج، دار الكتب العلمية، بیروت، جلد نمبر ۱، ص: ۵۱

4۔ المغنی المحتاج، جلد نمبر ۳، ص: ۴۵

﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ و مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِز قُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا اتَاهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا مَا اتَاهَا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا﴾ (1)

ترجمہ: لازم ہے کہ وسعت والا اپنی وسعت میں سے خرچ کرے اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو تو وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کی جو اس نے اسے دیا ہے، عنقریب اللہ تنگی کے بعد آسانی پیدا کر دے گا۔ ۔

اللہ تعالیٰ نے اس خرچ کے دائرہ ہائے کار بھی واضح فرما دیے ہیں۔

1۔ الطلاق:۷

﴿و ارز قُو هُم فِيهَا و اكسُو هُم و قُو لُو ا لَهُم قَو لًا مَّعرُو فًا﴾ [1]

ترجمہ: انہیں کھانے اور پہننے کے لیے دو اور انہیں نیک ہدایت کرو۔

﴿اَسكِنُو هُنَّ مِن حَيثُ سَكَنتُم مِّن و جدِكُم و لَا تُضَارُّو هُنَّ لِتُضَيِّقُو ا عَلَيهِنَّ و اِن كُنَّ اُو لَاتِ حَملٍ فَانفِقُو ا عَلَيهِنَّ حَتّٰی يَضعنَ حَملَهُنَّ فَاِن اَرضَعنَ لَكُم فَاٰتُو هُنَّ اُجُو رَهُنَّ و اتَمِرُو ا بَينَكُم بِمَعرُو فٍ و اِن تَعَاسَرتُم فَسَتُرضِعُ لَهٗ اُخرٰی﴾ [2]

اُن کو (زمانہ عدت میں) اُسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو، جیسی کچھ بھی جگہ تمہیں میسر ہو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے ان کو نہ ستاؤ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر اُس وقت تک خرچ کرتے رہو جب تک ان کا وضع حمل نہ ہو جائے پھر اگر وہ تمہارے لیے (بچے کو) دودھ پلائیں تو ان کی اجرت انہیں دو، اور بھلے طریقے سے (اجرت کا معاملہ) باہمی گفت و شنید سے طے کر لو لیکن اگر تم نے (اجرت طے کرنے میں) ایک دوسرے کو تنگ کیا تو بچے کو کوئی اور عورت دودھ پلا لے گی۔

﴿عَلَی المُو سِعِ قَدَرُه و عَلَی المُقتِرِ قَدَرُه مَتَاعًا بِالمَعرُو فِ حَقًّا عَلَی المُحسِنِين﴾ [3]

ترجمہ:خوش حال آدمی اپنی قدرت کے مطابق اور غریب اپنی مقدرت کے مطابق معروف طریقہ سے دے یہ حق ہے نیک آدمیوں پر۔

شوہروں کو یہ ذمہ داری اس لیے دی گئی ہے کہ انھیں خاندان کی سربراہی کا شرف بخشا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَو امُو نَ عَلَی النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعضَهُم عَلٰی بَعضٍ و بِمَآ اَنفَقُو ا مِن اَمو الِهِم﴾ [4]

---

1 ۔النساء:۵

2 ۔الطلاق:۶

3 ۔البقرہ:۲۳۶

4۔ النساء:۳۴

ترجمہ: مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے اُن میں سے ایک کو دو سرے پر فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔

معاشی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ مردوں کی اخلاقی تربیت کو بھی ایک مثبت زاویے پر رکھنے کے لیے اللہ نے حکم دیا ہے کہ وہ خواتین کو محض نان و نفقہ دینے پر ہی کفایت نہ کریں بلکہ ان کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ بھی پیش آئیں۔ اللہ کا فرمان ہے

﴿و عَاشِرُو هُنَّ بِالْمَعرُو فِ فَاِن كَرِهتُمُو هُنَّ فَعَسٰى اَن تَكرَهُو ا شَيـًٔا و يَجعَلَ اللّٰهُ فِيهِ خَيرًا كَثِيرًا﴾ (1)

ترجمہ: ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی بسر کرو اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اُسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔

آپ ﷺ نے بیوی کے نان و نفقے اور اس کے ساتھ اچھے سلوک کے بارے میں وضاحت فرمادی کہ

**((ان تطعمها إذا طعمت ، و تكسو ها إذا اكتسيت او اكتسبت ، و لا تضرب الو جه ، و لا تقبح و لا تهجر إلا في البيت))** (2)

ترجمہ: جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب پہنو یا کماؤ تو اسے بھی پہناؤ، چہرے پر نہ مارو، برا بھلا نہ کہو، اور گھر کے علاوہ اس سے جدائی اختیار نہ کرو۔

اسی مفہوم کی حدیث حضرت عمرو بن احوص ؓ (3) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ (4) سے بھی مروی ہے۔

بیوی اور بچوں کے اخراجات کی ادائیگی اس حد تک لازم ہے کہ اس صورت میں اگر بیوی اپنے خاوند کے پیسے چرالے تو اس پر کوئی گناہ عائد نہیں ہو گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو سفیان کی بیوی ہند بن عتبہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کہ کہ میرا شوہر حضرت ابو سفیان انتہائی کنجوس ہے۔ وہ میرے اور میرے بچوں کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے خرچہ نہیں دیتا ہے۔ اس لیے میں خفیہ طور پر اس کی جیب سے پیسے نکال لیتی ہوں۔ مجھے

---

1 ۔ النساء:۱۹

2 ۔ سنن ابو داؤد: ۲۱۴۲

3۔ سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۱۸۵۱

4 ۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۲۱۸

بتائیں کہ ایسا کرنے پر مجھے کوئی گناہ تو نہیں ہو گا؟۔آپ ﷺ نے اس کی بات سن کر فرمایا کہ تم بہتر طریقے سے اس کا اتنا مال لے لیا کرو جتنا تمہارے اور تمہارے بچوں کے لیے کافی ہو[1]۔

جب یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ادا کی جائے گی تو نہ صرف اس سے ایک واجب کی ادائیگی ہو گی بلکہ یہ ایک کارِ ثواب عمل بھی بن جائے گا۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا

**((اذا انفق المسلم نفقة علی اهله و هو یحتسبها کانت له صدقة))**[2]

ترجمہ: جب مسلمان اپنے اہل و عیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہے۔

مرد پر اخراجات کی ادائیگی کے وجوب کی وجوہات

تین اسباب کی بنا پر مرد پر عورت کا نفقہ واجب ہو جاتا ہے۔

١. نکاح
٢. قرابت
٣. ملک

## نکاح

نکاح کی صورت میں جب مرد اور عورت میں میاں بیوی کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے تب مرد پر اس کی بیوی کے اخراجات کو پورا کرنا بھی فرض ہو جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر کے لیے بیوی سے استمتاع جائز ہو جاتا ہے۔اللہ خدانخواستہ کسی مرد میں استمتاع کی استطاعت نہ ہو، وہ جماع کی طاقت نہ رکھتا ہو، یا عورت میں دلچسپی نہ ہو لیکن کسی خاندانی، سماجی، مالی یا سیاسی مجبوری کی بنا پر اس کو اپنے نکاح میں رکھا ہو تو بھی اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اس عورت کے تمام اخراجات کو پورا کرے۔اس کی کوئی بھی مجبوری اس فریضے کی ادائیگی میں مانع نہیں بن سکتی ہے[3]۔

جس شخص کے عقد میں ایک سے زیادہ بیویاں ہوں، اس کے لیے لازم ہے کہ وہ تمام بیویوں میں عدل و انصاف کا بھرپور لحاظ رکھے۔اس انصاف میں کسی بیوی کو اس اعتبار سے امتیازی مقام نہیں دیا جا سکتا کہ وہ نئی ہے، پرانی ہے، صحت مند ہے، بیمار ہے، حائضہ ہے، غیر حائضہ ہے، مسلمان ہے یا اہلِ کتاب میں سے ہے۔

---

1۔ صحیح بخاری:۲۲۱۱

2 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر:۵۳۵۱

3 ۔ باشا، محمد قدری، کتاب الاحکام الشرعیۃ فی الاحوال الشخصیۃ ناشر و سن اشاعت غیر مطبوع، ص:۱۵۰

بیوی اگر کسی بیماری میں مبتلا ہو اور اپنے والدین کے ہاں مقیم ہو تو بھی خاوند کے ذمے اس کا نفقہ ضروری ہے۔البتہ اگر شوہر اس کو واپس آنے کا کہے لیکن وہ واپس آنے کے قابل ہونے کے باوجود واپس نہ آئے تو نفقے کا فریضہ ساقط ہو جائے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں وہ نافرمان تصور کی جائے گی۔اگر وہ واپس آنے کے قابل نہ ہو اور اس لیے واپس نہ آسکے تو نفقہ ساقط نہیں ہو گا۔

رخصتی سے قبل اگر عورت بیمار ہو جائے، مگر اس کی بیماری اس کی رخصتی کے لیے مانع نہ ہو تو وہ نفقہ کی مستحق ہو گی۔اگر رخصتی ممکن ہو اور وہ شوہر کے گھر آنے سے انکار کر دے تو نفقہ کا فریضہ اس صورت میں بھی ساقط ہو جائے گا۔رخصتی سے قبل اگر وہ کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے جس کی وجہ سے رخصتی ممکن نہ ہو، تو بھی وہ نفقے کی مستحق ہو گی[1]۔

بیوی اگر بیمار نہ ہو بلکہ مکمل طور پر صحت مند ہو لیکن وہ مباشرت سے انکار کر دے، حالانکہ یہ جائز نہیں ہے لیکن اس کے انکار کے باوجود خاوند پر بیوی کا خرچا ادا کرنا ساقط نہیں ہو گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اخراجات کی ادائیگی کے لیے بنیادی سبب نکاح ہے۔

اگر بیوی اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے چلی جائے اور اس کی اجازت لیے بغیر سفر کرے تو جب تلک وہ گھر سے غائب ہو گی، اس کا خرچا ساقط ہو جائے گا، یہ اسی صورت میں بحال ہو گا اگر وہ واپس آجائے گی۔

## قرابت

صاحب اولاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں اور بیٹوں دونوں کے لیے مساوی سطح پر اخراجات کا بندو بست کرے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

﴿و عَلَى المَو لُو دِ لَه رِز قُهُنَّ و كِسو تُهُنَّ بِالمَعرُو فِ﴾ [2]

ترجمہ: بچے کے باپ کو معروف طریقے سے انہیں کھانا کپڑا دینا ہوگا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے والدین، ماں اور باپ دونوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

﴿و صَاحِبهُمَا فِى الدُّنيَا مَعرُو فًا﴾ [3]

ترجمہ: دُنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک او مقام پر ارشاد فرمایا کہ:

---

1۔ الاحکام الشریعۃ فی الاحوال الشخصیۃ، ص:۳۱۴

2۔ البقرہ:۲۳۳

3۔ لقمان:۱۵

﴿و بِالو الِدَینِ اِحسَانًا﴾[1]

ترجمہ:والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

نیک سلوک سے مراد یہ ہے کہ والدین کے لیے خوراک، لباس اور رہائش کا انتظام کیا جائے۔امام ابو حنیفہ کا موقف ہے کہ قرابت کی بناپر نفقے کے وجود کے حوالے سے وہ خواتین رشتے دار بھی حکم میں شامل ہیں جو محرم ہیں[2]۔

**ملک**

نفقہ کے وجوب کی تیسری صورت ملک ہے۔اس میں غلام کا لباس، رہائش اور اس کا کھانا شامل ہے[3]۔اسی طرح اپنی ملکیت میں موجود جانور کا نفقہ بھی بالاجماع اس کے مالک پر واجب ہے۔اس سلسلے میں فقہانے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کے مطابق ایک خاتون کو اللہ تعالیٰ اس لیے جہنم برد کر دیا کہ اس نے ایک بلی کو باندھے رکھا، نہ اس کو کھانا کھلایا اور نہ ہی اس کو آزاد کیا تاکہ وہ شکار کر کے کھانے کا انتظام کر سکے[4]۔

**نفقہ کے سقوط کی شرائط**

مندرجہ ذیل صورتوں میں بیوی کے نفقے کا وجوب ختم ہو جائے گا۔

اگر بیوی اسلام سے ارتداد کی مرتکب ہو جائے، تو اس صورت میں خاوند پر نفقہ کی ذمہ داری باقی نہیں رہے گی کیونکہ ارتداد کی وجہ سے نکاح فسخ ہو جائے گا۔نکاح فسخ ہو جانے کی صورت میں نفقہ کا حکم بھی ساقط ہو جائے گا[5]۔

نافرمان عورت بھی نفقہ سے محروم ہو جاتی ہے۔ایسی عورت جو خاوند کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے چلی جائے، یا خاوند کے گھر میں ہی موجود ہو لیکن اس کے ساتھ وطی نہ کرے، ایسی صورتوں میں وہ نافرمان کہلائے گی[6]۔

---

1 ۔الاسراء:۲۳

2۔الزيلعي، عثمان بن علي، تبيين الحقائق شرح كنزالدقائق،المطبعة الأميرية الكبرى بولاق، جلد نمبر۳،ص:۶۳

3۔الكاساني،أبو بكر بن مسعود بن أحمد، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، دار الكتب العلمية، بيروت، جلد نمبر۸،ص:۲۱۲

4 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر:۳۳۱۸

5 ۔ تنزیل الرحمان (جسٹس)، مجموعہ قوانین اسلام، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، جلد نمبر ا،ص:۳۱۸

6۔اوزجندی، حسن بن منصور، فتاوی قاضی خان، زمزم پبلیشرز، کراچی، جلد نمبر ا،ص:۱۹۵،۱۹۶

نکاح کے بعد اگر رخصتی نہ ہوئی ہو، عورت بیمار پڑ جائے اور اس بیماری کے باعث وہ رخصت ہو کر شوہر کے گھر نہ آئے تو اس صورت میں بھی شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہو گا۔ البتہ اگر شبِ زفاف کے بعد عورت بیمار ہو تو نفقہ واجب ہو جائے گا[1]۔

اگر خاتون کا ارادہ حج کرنے کا بن جائے اور وہ حج پر اپنے کسی محرم کے ساتھ جائے تو اس صورت میں اس کے اخراجات کی ادائیگی اس کے خاوند پر واجب نہیں ہو گی کیونکہ اس دوران وہ خاوند کے گھر رہنے کی پابند نہیں ہو گی۔ اگر وہ حج کے لیے خاوند کے ساتھ جائے تو اس کے خاوند پر اس کے اخراجات کی ادائیگی لازم ہے[2]۔

طلاق کی صورت میں، احناف کے نزدیک، مرد پر نفقہ اس وقت تک واجب ہے جب تک عدت ختم نہیں ہو تی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک طلاق کی عدت میں خرچا دینا لازم نہیں ہے[3]۔

ایسی خاتون جس کا خاوند اس کو ملازمت کرنے کی اجازت نہیں دیتا لیکن اس کے باوجود وہ ملازمت کرتی ہے او ر دن یا رات کا کچھ حصہ گھر سے باہر گزارتی ہے، اس صورت میں شوہر پر اس کا نفقہ نہیں ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفقے کے لیے تسلیم وسپردگی کا ہونا لازم ہے جو اس خاتون کی شخصیت سے ختم ہو جاتی ہے۔ اس عنصر کے خاتمے سے نفقہ کا فریضہ بھی ساقط ہو جاتا ہے[4]۔

**نفقہ کی مقدار**

شریعتِ اسلامیہ نے بیوی کا نفقہ مقرر نہیں فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں محض اتناذ کر ہے کہ

1 ۔احکام الشریعۃ فی الاحوال الشخصیۃ، ص:۱٦۷

2 ۔کتاب الفقۃ للجزیریم جلد نمبر ۴، ص:۵٦۷

3۔ السکندري، محمد بن عبد الواحد السیواسي کمال الدین ابن الھمام، شرح فتح القدیر علی الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدي، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۲۰۰۳، جلد نمبر ۳، ص:۴٦

4۔ الاحکام الشرعیۃ فی الاحوال الشخصیۃ، ص:۳۱۹تا۳۲۰

﴿و مَتِّعُو هُنَّ عَلَی المُو سِعِ قَدَرُہ و عَلَی المُقتِرِ قَدَرُہ مَتَاعًا بِالمَعرُو فِ﴾ (1)

ترجمہ: اُنہیں کچھ نہ کچھ دینا ضرور چاہیے خوش حال آدمی اپنی مقدرت کے مطابق اور غریب اپنی مقدرت کے مطابق معروف طریقہ سے دے۔

﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ و مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِز قُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا اتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا اتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا﴾ (2)

ترجمہ: لازم ہے کہ وسعت والا اپنی وسعت میں سے خرچ کرے اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو تو وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کی جو اس نے اسے دیا ہے، عنقریب اللہ تنگی کے بعد آسانی پیدا کر دے گا۔

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے "ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ جسے تم ناپسند کرتے ہو وہ تمہارے گھر میں داخل نہ ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں مار کی سزا دو جو زخمی نہ کرے اور شدید تکلیف دہ نہ ہو، اوران کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں اچھے اور احسن انداز سے نان و نفقہ اور رہائش دو(3) "۔

بہر صورت بیوی کا نفقہ اسلام کی رو سے میاں پر فرض ہے۔ البتہ اس کی مقدار کو مرد کی حیثیت پر چھوڑ دیا گیا ہے جسے وہ باعزت طریقے سے دینے کا پابند ہے۔

**پاکستانی قانون**

پاکستانی قانون میں صراحت کر دی گئی ہے کہ دو عادل افرامل کر یہ فیصلہ کریں گے کہ زیر غور جوڑے میں خاتون کے نفقہ کی مقدار کیا ہو گی۔ جب ان کی جانب سے ایک مخصوص مقدار کا تعین ہو جائے گا تو خاوند کے لیے اس کی ادائیگی لازم ہو گی۔ اگر خاوند وہ مقرر شدہ نفقہ ادا نہ کرے تو عورت پنچایت کا عدالت کے ذریعے اس کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

**نفقہ میں مشمولات**

نفقہ میں جب چیزوں کا شمال کیا گیا ہے ان میں مندرجہ ذیل اہم ہیں:

---

1 ۔البقرہ:۲۳۶

2۔ الطلاق:۷

3 ۔ صحیح مسلم:۱۲۱۸

کھانا:

مرد کی طرح عورت کو بھی زندہ رہنے کے لیے خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ مرد پر لازم ہے کہ وہ عورت کی خوراک کی ضرورت کو پورا کرے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((ان تطعمها اذا طعمت))

ترجمہ: جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ[1]۔

لباس:

مرد کے مقابلے میں عورت کو زیادہ باپردہ، باعزت اور سلیقہ مندے سے رہنے کی ضرورت ہے۔ مرد کے لیے مردانگی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو خود سے بڑھ کر لباس مہیا کرے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((و تکسو ھا اذا اکتسیت))[2]

ترجمہ: جب تم لباس پہنو تو اس کو بھی پہناؤ۔

رہائش:

عورت کو اپنی عزت اور اپنی بقا کے تحفظ کے لیے روٹی اور کپڑے کے ساتھ ساتھ مکان کی بھی ضرورت ہو تی ہے۔ مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی عورت کو رہائش کی سہولت بھی فراہم کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

﴿اَسکِنُو هُنَّ مِن حَیثُ سَکَنتُم﴾[3]

ترجمہ: اُن کو (زمانہ عدت میں) اُسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو، جیسی کچھ بھی جگہ تمہیں میسر ہو۔

**طلاق یافتہ اور بیوہ خاتون کا نفقہ**

طلاق یافتہ خاتون کے بارے میں اسلام کا موقف ہے کہ اگر طلاق رجعی ہو، یا تیسیر طلاق ہو چکی ہو اور اس و قت خاتون حاملہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں عورت کا نفقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

---

1۔ سنن ابو داؤد، حدیث نمبر ۲۱۴۲

2 ۔ایضا

3 ۔الطلاق:٦

﴿و لِلمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالمَعرُو فِ حَقًّا عَلَى المُتَّقِينَ﴾ [1]

ترجمہ:اِسی طرح جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو، انہیں بھی مناسب طور پر کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کیا جائے یہ حق ہے متقی لوگوں پر۔

اسی طرح نبی ﷺ نے مطلقہ کے لیے رہائش، لباس اور خوراک لازم قرار دی ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

**((المطلقة ثلاثا لها السكنى و النفقة))**

ترجمہ: جس خاتون کو تین مرتبہ طلاق ہو چکی ہو اس کے لیے رہائش اور خرچا ہے [2]۔

خلفائے راشدین بھی آپ ﷺ کے ہی تربیت یافتہ تھے اسی لیے انھوں نے بھی اسی اصول کی پاس داری کی۔اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی فیصلہ تھا کہ:

**((لها السكنىٰ و النفقة))** [3]

ترجمہ:اس کی رہائش اور اس کا خرچا ہو گا۔

خرچا نہ دینے کی صورت میں بیوی کا اختیار

غربت اور افلاس کی بنا پر اگر خاوند اپنی بیوی کے اخراجات اٹھانے کی سکت نہ رکھتا ہو اور اپنی بیوی کو طلاق بھی نہ دے تو اس صورت میں قرآن مجید کی تعلیمات واضح ہیں:

﴿فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُو فٍ أَو تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ [4]

ترجمہ: پس روک لینا ہے ان کو اچھے طریقے سے یا نیکی کے ساتھ رخصت کرنا ہے

امام مالک، شافعیؒ اور احمد ابن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک حاکم کے پاس ان کے درمیان علیحدگی کروانے کا اختیار ہے۔امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک ان کے درمیان اس صورت میں تفریق نہیں ہو گی۔ حضرت سعید بن مسیب کا موقف ہے کہ ایسی صورت میں "يفرق بينهما" ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ان سے پوچھا گیا کہ کیا یہ سنت سے ثابت ہے؟ انھوں نے جواب دیا "ہاں" [5]۔

---

1۔البقرہ:۲۴۱

2۔ سنن دار قطنی، جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۲۱

3 ۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر ۱۴۸۰

4 ۔البقرہ:۲۲۹

5۔ الدار قطني، علي بن عمر، سنن الدار قطني، دار المعرفة، بيروت، جلد نمبر ۳، ص:۲۹۷

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں آپ نے اپنے لشکروں کے امرا کو ایک خط ارسال کیا اور اس میں لکھا کہ وہ لوگ جو مدینہ سے باہر جنگوں میں شریک ہونے کے لیے چلے گئے ہیں اور اپنی بیویوں کے پاس عرصہ دراز سے نہیں آئے، ان کو میرا حکم سنا دو کہ وہ اپنی بیویوں کے پاس واپس لوٹ کر آئیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرنا چاہتے تو بیویوں کا پچھلا خرچہ ان کو بھیج دیں اور پھر ان کو طلاق دے دیں۔[1]

## پاکستان میں عورت کے نان نفقہ کی حقیقی صورت حال

پاکستانی معاشرے میں بنیادی طور پر یہ سوچ مفقود ہے کہ مرد گھر کے تمام اخراجات کا ذمہ دار ہے چنانچہ روز نامہ خبریں نے اس صورت حال کو واضح کرتے ہوئے مندرجہ ذیل رپورٹ درج کی ہے کہ :

۱. کثیر تعداد میں ایسے مرد معاشرے میں موجود ہیں جو بے کار، نکمے، نشئی یا نااہل ہیں۔ یہ زیادہ تر نچلے طبقے میں موجود ہیں اور ان کی خواتین لوگوں کے گھروں میں کام کرتی ہیں۔ اب اس طرح کے مرد اعلیٰ طبقے اور درمیانے طبقے میں بھی موجود ہیں۔ ان مردوں کی وجہ سے عورتیں زندگی بھر مشکلات کا سامنا کرتی ہیں۔ خواتین پورے گھر کے اخراجات کا بوجھ اٹھاتی ہیں۔ کام کاج میں عورتوں کی مدد کرنے کے بجائے ان کو جسمانی تشدد کا نشانہ بناتے ہیں تاکہ اپنی نالائقی اور بے کاری کے احساسِ کمتری کو چھپایا جا سکے۔

۲. کام کاج کرنے والی یہ خواتین جہاں اپنے مردوں کی ستائی ہوتی ہیں وہاں فیکٹری مالکان وغیرہ کی غلط نظروں سے بچنا بھی ان کے لیے ایک اہم مسئلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جاگیرداروں کے ہاں کام کرنے والی عورتوں پر ان کے مالکان اپنا اتنا ہی حق خیال کرتے ہیں جس طرح اپنے کھیتوں سے حاصل ہونے والی فصل پر اپنا حق سمجھتے ہیں۔ کوئی عورت اپنے حق کے لیے اگر آواز اٹھائے تو اس کو بغاوت سمجھ کر طاقت کے زور پر ختم کر دیا جاتا ہے[2]۔

---

1 ۔المصنف، ص: ۹۳، ۹۴

پنجاب یونیورسٹی کے تحقیقی جرنل "اضواء" کے جون ۲۰۱۸ کے شمارہ میں "بیوی کے سابقہ نفقہ کی شرعی حیثیت" کے عنوان سے ایک تحقیقی مضمون چھپا تھا۔ اس کے مصنفین میں ابوالحسن شبیر احمد اور سلطان محمود خان ہیں۔ تحقیق کے اختتام پر لکھا گیا کہ "دونوں جانب کے دلائل کا تجزیاتی مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ سابقہ نفقہ کی عدم ادائیگی کی نوعیت کو پرکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر عدم ادائیگی سے بیوی کو تکلیف نہیں ہوئی اور شوہر کی طرف سے کوئی غفلت سرزد نہ ہو تو احناف کا موقف اپنایا جا سکتا ہے۔ اگر شوہر کی غفلت سے بیوی کو اذیت پہنچی ہو تو جمہور کے مطابق سابقہ نفقہ شوہر پر فرض ہے اور اگر شوہر نے جان بوجھ کر بیوی کو تنگ کیا ہو تو اس سے سابقہ نفقہ کے ساتھ ساتھ سزا کے طور پر اضافی رقم بھی وصول کی جا سکتی ہے۔ (اضواء، جون ۲۰۱۸، ص: ۱۱۶)

ویب لنک

http://pu.edu.pk/images/journal/szic/PDF/6_33_49_Jun18.pdf

2 روزنامہ خبریں، ۸ مارچ، ۲۰۰۸

۳. مرد کے گھر والے بعض اوقات عورت کے لیے اس صورت میں وبال جان بن جاتے ہیں کہ ، مرد کی کمائی مناسب ہو تی ہے لیکن وہ مناسب انداز میں گھر کے اخراجات ادا نہیں کرتا ہے اور زیادہ پیسے اپنے گھر والوں کو دے دیتا ہے۔ بیوی کی کئی ضروریات تشنہ رہتی ہیں۔

۴. مشترکہ خاندانی نظام میں رہنے والی خاتون کو اپنے شوہر سے اخراجات حاصل کرنے میں متعدد مشکلات برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ مالی اختیارات کسی ایک کے ہاتھ میں ہوتے ہیں جو خرچے کو ماہانہ بنیادوں پر پورے گھرانے میں تقسیم کرتا ہے۔ یہ تقسیم ضروریات کو مد نظر رکھ کر نہیں کی جاتی ہے۔ عموماایسی صورت حال میں عورت کو اپنی شوہر کے ساتھ ساتھ اس کے گھر والوں کی خوش نودی کے حصول کے لیے بھی بہت تگ ودو کرناپڑتی ہے۔

۵. ملازم پیشہ خواتین کی تنخواہ اکثر ان کے شوہر یا سسرال والے ضبط کر لیتے ہیں۔ کشور ناہید لکھتی[1] ہیں "میں نوکری کرتی ہوں۔ صبح میری ساس رکشہ کے آنے جانے کا کرایہ روپے پیسے گن کر میرے ہاتھ میں پکڑاتی ہیں۔ مجھے اس ذلت پر بھی نوکری کرنا منظور ہے کہ بے اعتباری کے تمام رشتوں میں صرف اعتبار ہے تو خدا اور نوکری پر[2]"۔

۶. کئی شوہر بیرون ملک ملازمت کرتے ہیں یا ان کا کاروبار ملک سے باہر ہوتا ہے۔ وہ اپنے گھر میں وقت نہیں دے پاتے جس کی وجہ سے ان کو گھریلو اخراجات کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا ہے اس لیے وہ گھر میں مناسب خرچہ نہیں دیتے ہیں۔ اس صورت میں خاتونِ خانہ کو کئی مسائل کا سامنا کرناپڑتا ہے۔ جو حضرت عمر کے مذکورہ فیصلے کے مطابق مستوجب تعزیر بھی بن سکتا ہے۔

۷. کئی کام چور اور غیر ذمہ دار مرد اپنی خواتین اور بچوں کو چھوڑ کر غائب ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں بیوی اور بچے بے سہارا ہو جاتے ہیں۔ اس صورت حال میں قرآن کا حکم "فامساک بالمعروف اور تسریح باحسان" سامنے آ کھڑا ہوتا نظر آتا ہے۔

۸. طلاق کی صورت میں اگر بچے ماں کے پاس ہوں تو شوہر خرچہ دینے سے انکاری ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں ماں کو سخت مشکلات کا سامنا کرناپڑتا ہے۔ اس صورت حال سے نبرد آزما ہونے کے لیے شرعی احکام کی تطبیق لازم ہے۔

۹. دوسری شادی کرنے والے مرد اپنی پہلی بیوی کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیتے ہیں اور عورت کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسے قرآن نے کلمہ "كالمعلقه" سے تعبیر کرتے ہوئے بیان کی ہے۔ بظاہر وہ شادی شدہ اور بچوں کی ماں ہوتی ہے لیکن اس کی اور اس کے بچوں کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں ہوتا ہے۔ حالانکہ مسلم فیملی لاز آرڈیننس ۱۹۶۱ میں دفعہ نمبر ۹

---

1 . کشور ناہید 3 فروری 1940ء میں بلند شہر (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ کشور پاکستان نیشنل کونسل آف آرٹس کی ڈائریکٹر جنرل کے عہدے پر کام کرتی رہی ہیں

2۔ کشور ناہید، عورت، خواب اور خاکے کے درمیان، گلِ رنگ پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۵ء،، ص: ۱۹

کے مطابق اگر ماں کے پاس نابالغ بچے رہائش پذیر ہوں تو ان بچوں میں سے بیٹوں کے بالغ ہونے تک اور بیٹیوں کی شادی ہونے تک کا خرچہ والد کے ذمہ ہے[1]۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسائل کے حل کے لیے قوانین محض اوراق کی زینت بنے ہوئے ہیں۔انسانوں کو ان سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے اس صورت حال میں لازم ہے کہ قوانین کو عملی شکل دی جائے۔

۱۰. اگر خواتین اپنے خرچے کے لیے عدالت سے رجوع کریں تو ان کے کیس کے تصفیے میں یہاں کی عدالتیں کئی کئی برس لگا دیتی ہیں جس کی وجہ سے عورتوں کی مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہاں قانون میں لکھا ہے کہ خرچہ نہ دینے کی صورت میں تفریق کے اختیار کو استعمال کرنے کے لیے شوہر کا دو سال تک غفلت کا ارتکاب کرنا لازم ہے۔ حالانکہ اس کے بجائے عدالت کو دیکھنا چاہیے کہ اگر استطاعت ہونے کے باوجود شوہر جان بوجھ کر عورت کو خرچہ دینے سے کتراتا ہے تو اس کیس کا فوری طور پر فیصلہ کر دے[2]۔

افسوس ناک صورت حال یہ ہے کہ بعض اوقات بااثر شخصیات کا پیسہ قانونی پیچیدگیاں پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے جنہیں دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ قانون پر سختی سے عمل کروانے کے لیے سخت گیر افسروں کی تعیناتی کی جائے۔

### اس مسئلہ کا حل

سماج میں یہ شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ گھریلو اخراجات کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے اور انھیں یہ ذمہ داری بدرجہ اتم ادا کرنی چاہیے۔اس ضمن میں اسلامی تعلیمات سے رہنمائی لینے کی شدید ضرورت ہے۔

وفاقی محتسب کے تحت وفاقی محتسب برائے حقوق نسواں اور صوبائی محتسب کے تحت صوبائی محتسب برائے حقوق نسواں کا قیام عمل میں لانا چاہیے۔ان اداروں کو مندرجہ ذیل ذمہ داریاں اور اختیارات دینے چاہییں تاکہ اس صورت حال سے اچھی طرح عہدہ براں ہو سکیں۔

ا۔ برسرِ روزگار مرد، جو گھروں میں خرچا نہیں دیتے ہیں، ان سے متعلق خواتین کی شکایتوں کا ازالہ کرنا۔

۲۔ دوسری شادی کرنے والے مرد حضرات سے پہلی بیوی اور اس کے بچوں کے اخراجات کی وصولی کو یقینی بنایا جائے۔

۳۔ طلاق کی صورت میں والد کو بچوں کے اخراجات کی ادائیگی کا پابند بنایا جائے۔

---

1 ۔انعام الحق، میاں، مسلم عائلی قوانین، ص:۵۱

2۔ تنزیل الرحمان (جسٹس)، مجموعہ قوانین اسلام، جلد نمبر ا، ص:۳۲۶تا۳۲۸

۴۔ نکاح کے وقت ہی لڑکی کے جیب خرچ کا تعین کر لینا اور دیگر مالی معاملات جو تحریری طور پر طے کیے گئے ہیں ان کا جائزہ لینا۔

۵۔ فیملی کورٹ کے تمام کیسوں کو اپنی نگرانی میں لے۔

۶۔ عورتوں کی ہر طرح کی ملازمت کی حوصلہ فنرائی کرنے کے بجائے مردوں کی تنخواہوں میں اضافے کو ممکن بنانا۔

۷۔ اس سلسلے میں تمام مسائل کا حل اسلامی تعلیمات سے کی روشنی میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ضرورت صرف اس کے اہتمام کی ہے۔

قصہ مختصر پاکستانی خواتین کو نان و نفقہ کے حوالے سے جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ان کے خاتمے کے لیے سنجیدہ کوششوں کی ضرورت ہے۔ اس میں سرکار کی خاص دلچسپی اور اہتمام کی ضرورت ہے جو قانون کی تطبیق سے ممکن ہے۔

# فصل چہارم: حق مہر کا مسئلہ

لغت میں مہر اس رقم کو کہا جاتا ہے جو نکاح کے وقت خاوند اپنی بیوی کو ادا کرنے کا پابند ہے۔اس کی جمع مہور اور مہورۃ ہے[1]۔قرآن مجید میں اس کو نحلۃ فریضۃ واجبۃ[2] کا نام بھی دیا گیا ہے اور ابو بکر جصاص نے اس کو عطیۃ[3] بھی قرار دیا ہے۔

## مہر کی حکمت

نکاح کے وقت جب مرد کی جانب سے خاتون کو مہر کے ضمن میں ایک طے شدہ رقم دی جاتی ہے تو دراصل یہ اس فریضے کا اقرار ہوتا ہے کہ آئندہ اس خاتون کے تمام اخراجات اس کے ذمے ہیں۔رقم کی یہ ادائیگی علامتی طور پر فریضے کے تفویض کرنے کی عکاسی ہو غمازی ہے۔نیز وہ اس مال کے دینے کے ذریعے اس شادی پر اپنی رضامندی اور رغبت کا اظہار کرتا ہے[4]۔ف

مہر کے تقرر کے ذریعے نکاح پائیدار ہو جاتا ہے کیونکہ انسان کی نظر میں سب سے زیادہ اہمیت مال کی ہوتی ہے اور وہ اپنا مال جس کام پر خرچ کرتا ہے یا جس چیز پر خرچ کرتا ہے وہ اس کی نظر میں سب سے اہم ہوتی ہے۔اسی لیے نکاح کی اہمیت کو مال کے ساتھ مربوط کر دیا گیا ہے۔

محمد مظہر الدین صدیقی لکھتے ہیں "عورت کے معاشی تحفظ کے لیے اسلام نے شوہر کو اس کا قانونی طور پر پابند کیا ہے کہ شادی کے بعد وہ اپنی بیوی کو مناسب حق مہر ادا کرے[5]۔

امام محمد کا موقف ہے کہ دعویٰ محبت میں شوہر کی صداقت کی دلیل اس کا حق مہر ہے[6]۔

یقیناً حق مہر کی اہمیت کو اس حدیث کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے جس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے وٹا سٹا کے نکاح کو ناجائز قرار دیا ہے۔اس نکاح میں ایک شخص کی بیٹی کا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ ہو

---

1۔ الموسوعۃ الفقھیۃ، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ، کویت، جلد نمبر 39، ص:151

2 ۔الجامع لاحکام القرآن، جلد نمبر ۳، صفحہ نمبر ۲۴

3 ۔الإیجی، محمد بن عبد الرحمن بن محمد بن عبد اللہ الحسني الحسیني الشافعيّ، تفسیر الإیجی جامع البیان في تفسیر القرآن، دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت، ص:۱۱۷

4۔ جزیری، عبد الرحمان، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الثانیۃ، جلد نمبر ۴، ص:۹۴

5. M. Mazhar u Din Siddiquie, Women in Islam, 2015, P. 46

6 ۔امیر علی، سید، فتاوی عالم گیری، مکتبۃ رحمانیہ، لاہور، باب المہر، جلد نمبر ۲، ص:۲۹۰

تا ہے اور دوسرے کی بیٹی کا نکاح پہلے شخص کے ساتھ ہوتا ہے۔اس صورت میں ان کے مابین حق مہر نہیں دیا جاتا ہے[1]۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرد اپنا مال خرچ کر کے نکاح کو نبھائے تاکہ اس کی نظر میں بیوی کی قدر و قیمت ہو اور اس کی عزت نفس قائم رہ سکے۔

یہ حقیقت واضح رہنی چاہیے کہ حق مہر عورت کی قیمت نہیں ہوتی ہے۔نہ ہی اس کے ذریعے وہ عورت کو خرید لیتا ہے اور نہ ہی اس کو خاتون پر مالکانہ حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔عورت کا انفرادی مقام و مرتبہ قائم رہتا ہے۔مہر کے ذریعے مرد کو عورت سے جنسی استفادہ کا حق ملتا ہے۔عورت بھی مرد سے فائدہ اٹھاتی ہے لیکن اسلام نے عورت پر کسی قسم کی بھی مالی یا معاشی ذمہ داری عائد نہیں کی ہے۔یہی مرد کی قوامیت ہے۔

## قرآن مجید اور حق مہر کا وجوب

عورت کی عزت نفس کی بحالی اور اس کے حقوق کا تعین سماج میں بہت ضروری ہے۔اسلیے ابتدائی فرصت میں ہی حق مہر کی ادائیگی کو اسلام نے خوش دلی اور اظہار و رغبت کی علامت قرار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ :

﴿و اٰتُو ا النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحلَةً فَاِن طِبنَ لَکُم عَن شَیءٍ مِّنهُ نَفسًا فَکُلُو هُ هَنِیًٔا مَّرِیًٔا﴾[۲]

ترجمہ:اور عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ (فرض جانتے ہوئے) ادا کرو، البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حصہ تمہیں معاف کر دیں تو اُسے تم مزے سے کھا سکتے ہو۔

ناچاقی کی صورت میں مہر ہڑپ نہیں کیا جا سکتا۔اسلام نے اس استحصالی فکر کو کچل کر رکھ دیا ہے۔اسلام نے خواتین کے اس مالی حق کا بھرپور لحاظ رکھا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿یا أَيُّهَا الَّذِينَ امَنُو ا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُو ا النِّسَاءَ كَرْهًا و لَا تَعْضُلُو هُنَّ لِتَذْهَبُو ا بِبَعْضِ مَا اتَيْتُمُو هُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ و عَاشِرُو هُنَّ بِالْمَعْرُو فِ فَإِنْ كَرِهْتُمُو هُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُو ا شَيْئًا و يَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ [3]

---

1۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر ۵۱۱۲

2 ۔النساء:۴

3۔ النساء:۱۹

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھارے لیے حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جائو اور نہ انھیں اس لیے روک رکھو کہ تم نے انھیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو، مگر اس صورت میں کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کا ارتکاب کریں اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو، پھر اگر تم انھیں ناپسند کرو تو ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے۔

اسلام نے نہ صرف آزاد عورت کے اس مالی حق کی محافظت کا اہتمام کیا ہے بلکہ لونڈیوں کے حقوق اور مہر کا بھی بھرپور تحفظ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿و مَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَو لًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُو ْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُو ْمِنَاتِ و اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَانْكِحُو هُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ و اتُو هُنَّ أُجُو رَهُنَّ بِالْمَعْرُو فِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ و لَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ و أَنْ تَصْبِرُو ا خَيْرٌ لَكُمْ و اللَّهُ غَفُو رٌ رَحِيمٌ﴾(۱)

ترجمہ: اور تم میں سے جو مالی لحاظ سے طاقت نہ رکھے کہ آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرے تو ان میں سے جن کے مالک تمھارے دائیں ہاتھ ہوں، تمھاری مومن لونڈیوں سے (نکاح کرلے) اور اللہ تمھارے ایمان کو زیادہ جاننے والا ہے، تمھارا بعض بعض سے ہے۔ تو ان سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرلو اور انھیں ان کے مہر اچھے طریقے سے دو، جب کہ وہ نکاح میں لائی گئی ہو ں، بدکاری کرنے والی نہ ہوں اور نہ چھپے یار بنانے والی، پھر جب وہ نکاح میں لائی جاچکیں تو اگر کسی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان پر اس سزا کا نصف ہے جو آزاد عورتوں پر ہے۔ یہ اس کے لیے ہے جو تم میں سے گناہ میں پڑنے سے ڈرے اور یہ کہ تم صبر کرو تمھارے لیے بہتر ہے اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔

مذکورہ تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حق مہر دینا واجب ہے اور ایک مرتبہ ادا کرنے کے بعد اس کو واپس نہیں لیا جا سکتا ہے البتہ مفتی محمد شفیع کا موقف ہے کہ نافرمان اور بدتمیز وبداخلاق عورت سے حق مہر واپس لیا جا سکتا ہے۔ (2)

---

1۔ النساء:۲۵

2 ۔ معارف القرآن، جلد نمبر ۲، ص:۳۴۸

حق مہر کی ادائیگی اور اہتمام سے نہ صرف اس حق کی حفاظت کی شرعی تاکید ہے بلکہ ایسا کر کے اسلام نے ہر طرح سے بداخلاقی، بے راہ روی کا دروازہ بند کر دیا ہے۔اس سے ایک مطمئن اور پر امن معاشرے کا قیام عمل میں آ سکتا ہے۔

**احادیث اور حق مہر کا وجوب**

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا" نکاح کرو خواہ لوہے کی انگوٹھی ہی حق مہر کے طور پر ہو[1]"۔

حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ کے چہرے پر نبی ﷺ نے شادی کی خوشی دیکھی تو انھوں نے عرض کی کہ میں نے انصار کی ایک عورت کے ساتھ نکاح کر لیا ہے۔آپ ﷺ نے پوچھا"حق مہر کتنا دیا؟"۔انھوں نے بتایا کہ "ایک گٹھلی کے برابر سونا[2]"۔

جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے حق مہر کے طور پر عورت کو محض دو ہتھیلی کے برابر ستو یا کھجور دی،اس پر بھی وہ عورت حلال ہو جاتی ہے[3]۔

قبیلہ بنی فزارہ کی ایک عورت نے حق مہر میں محض دو جوتے لیے تو نبی ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا اس حق مہر پر وہ مطمئن ہے؟اس نے ہاں میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے اس کو نکاح کی اجازت دے دی[4]۔

مذکورہ احادیث بھی حق مہر کے وجوب پر شاہد ہیں۔یہی وجہ ہے کہ فقہا کے مابین حق مہر کے وجوب پر کوئی اختلاف نہیں ہے[5]۔

اگر خاتون اپنی مرضی سے حق مہر کو مکمل طور پر اس کو جزوی طور پر چھوڑ دے تو ٹھیک، بصورت دیگر مرد پر تمام حق مہر ادا کرنا واجب ہے[6]۔

ان احادیث کے تذکرے سے ایک طرف اگرچہ ضرورت پر روشنی پڑتی ہے تو دوسری طرف سماج کے مختلف طبقات اور انسانی معاشی حیثیات کی طرف اشارہ بھی ملتا ہے۔مکمل طور پر معاشرہ انہی پہلوؤں کا عکاس بھی ہوتا ہے کہ کو ئی مال دار ہے تو کوئی مفلس، ہر کسی کو اپنی حیثیت کے مطابق حق مہر ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

---

1۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر ۵۱۵۰

2۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر ۵۱۴۸

3 ۔سنن ابو داؤد، حدیث نمبر ۲۱۱۰

4۔ سنن ترمذی، حدیث نمبر ۱۱۱۳

5 ۔ابن رشد، بدایۃ المجتھد، دار التذکیر، لاہور، جلد نمبر ۳، ص:۷۸

6۔ دہلوی، قطب الدین خاں (نواب)، مظاہر حق، دار الاشاعت، کراچی، جلد نمبر ۳، ص: ۳۵۰

## حق مہر کی رقم کا تعین

اسلام نے حق مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی ہے بلکہ یہ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق ادا کرتا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے

﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ و مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِز قُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا اتَاهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا مَا اتَاهَا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا﴾ (1)

ترجمہ: لازم ہے کہ وسعت والا اپنی وسعت میں سے خرچ کرے اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو تو وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کی جو اس نے اسے دیا ہے، عنقریب اللہ تنگی کے بعد آسانی پیدا کر دے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنی مالی حیثیت کو مد نظر رکھ کر کم یا زیادہ حق مہر دے سکتا ہے۔ قرآن مجید میں زیادہ حق مہر دینے کا اشارہ بھی موجود ہے۔

اللہ کا ارشاد ہے

﴿و اٰتَيتُم اِحدٰهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَاخُذُو ا مِنهُ شَيـًٔا﴾ (2)

ترجمہ: خواہ تم نے اُسے ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو، اس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔

مذکورہ آیت میں زیادہ حق مہر دینے کا ذکر ہے۔ اس میں کلمہ "اٰتیتم" اس امر کا غماز ہے کہ حق مہر دینے کی چیز ہے۔ اگر زیادہ دینا ممکن نہ ہو تو کم دیا جا سکتا ہے۔ ایسا مہر جو دینا ممکن نہ ہو اس کو مقرر کرنا شریعت میں جائز نہیں ہے (3) کیونکہ اس سے زندگی کی برکتیں اور راحتیں رخصت ہو جاتی ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

((ان اعظم النكاح بركة ايسره مو نة))(4)

ترجمہ: برکت والا نکاح وہ ہے جس میں کم محنت (کم حق مہر) ہو۔

---

1۔ الطلاق: ۷

2 ۔ النساء: ۲۰

3۔ محمد علی، بیان القرآن، ص: ۴۸۱

4 ۔ مسند احمد، حدیث نمبر ۲۴۰۰۸

نبی ﷺ کے عہد میں ایک صحابی کا نکاح ہوا اور اس میں قرآن مجید کی تعلیم کو حق مہر قرار دیا گیا تھا۔اسی طرح حضرت ام سلیمؓ کو حضرت ابو طلحہؓ نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ابو طلحہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ام سلیم نے نکاح کے لیے قبولِ اسلام کو شرط کے طور پر رکھا۔ابو طلحہ نے اسلام قبول کر لیا اور ان کا قبول اسلام ہی ان کا حق مہر ٹھہرا[1]۔

فقہا کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار وہ ہے جس سے کچھ خریدا جا سکے[2]۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں زیادہ حق مہر سے روکا تو ایک خاتون نے قرآن مجید کی روشنی میں ثابت کر دیا کہ زیادہ حق مہر دینا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جائز قرار دیا ہے اس لیے آپ اس کو ممنوع نہیں قرار دے سکتے ہیں۔اس پر حضرت عمرؓ نے اپنے موقف سے رجوع کیا اور لوگوں کو ان کی استطاعت کے مطابق حق مہر ادا کرنے کا حکم دیا[3]۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حق مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم۔امام شافعیؒ کے نزدیک کسی سودے کی قیمت کو پہنچنے والی کم سے کم رقم،امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک کم سے کم کوئی بھی چیز اور امام مالکؒ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار تین درہم ہے[4]

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں ہے کہ

"مقدار کا یہ فرق ان ملکوں کے اعتبار سے ہے جن کے معاشی حالات مختلف ہیں[5]"۔

شریعت میں مہر کا طریقہ یہ ہے کہ نکاح کے بعد اس کو ادا کیا جائے۔صحابہ کرام کے آثار اسی کی عکاسی کرتے ہیں۔اس لیے مہر وہی ہے جو معجل ہو۔احناف کے نزدیک مہر کو تاخیر سے ادا کرنا جائز ہے البتہ اس کا جزوی حصہ موقع پر دینا لازم ہے۔اگر تاخیر سے دینے کی نیت ہو تو لازمی ہے کہ اس کی مدت غیر متعین نہ ہو۔مالکیہ کے نزدیک جب مہر کی رقم کا تعین نہ ہو تو اس کا کچھ حصہ نکاح کے بعد ادا کرنا چاہیے اور باقی حصہ بعد میں ادا کیا جا سکتا ہے البتہ اس میں شرط یہ ہے کہ وقت کا تقرر کیا جانا چاہیے[6]۔

---

1۔ البيهقي، أحمد بن الحسين بن علي بن موسی، السنن الكبرى، دار الكتب العلمية، بیروت، جلد نمبر ۷، ص: ۱۳۲

2۔ الفقہ علی مذاہب الاربعۃ، جلد نمبر ۴، ص: ۱۰۷

3۔ سنن الکبریٰ للبیہقی، جلد نمبر ۷، ص: ۲۳۳

4۔ کاسانی، علاؤالدین، بدائع الصنائع، جلد نمبر ۲، ص: ۲۳۰

5۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد نمبر ۳، ص: ۱۳۸

6۔ ابن جزری، الفقہ علی مذاہب الاربعۃ، ص: ۲۱۷

## پاکستان میں حق مہر کے حوالے سے مسائل

پاکستانی معاشرے میں حق مہر کے حوالے سے افراط و تفریط موجود ہے۔دولت مند یا متوسط طبقوں میں یہ خیال عام ہے کہ حق مہر زیادہ دینے سے شادی کی کامیابی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ چنانچہ لوگ لاکھوں روپے حق مہر لکھوا لیتے ہیں جب کہ بعد میں یہی بڑی بڑی رقمیں لڑکی کی ازدواجی زندگی اجیرن بنا دیتی ہیں۔ میاں بیوی کے جھگڑوں کی صورت میں شوہر اپنی بیوی کو خوب تنگ کرتا ہے لیکن اس کو طلاق نہیں دیتا ہے کیونکہ شادی کے وقت ادا کی گئی بڑی رقم کے نقصان کو برداشت کرنا اس کے بس میں نہیں ہوتا ہے۔بیوی بھی خلع نہیں لیتی ہے کیونکہ اس صورت میں اس کو حق مہر واپس کرنے کا اندیشہ ہوتا ہے[1]۔

مولانا یوسف طیبی لکھتے ہیں:

"بعض کنگلے نمود و نمائش کے لیے زیادہ حق مہر لکھوا لیتے ہیں اور روز اول سے ہی اپنے مرد ہونے کی حیثیت سے عورت کو تنگ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات وہ حق مہر معاف کرنے پر بھی مجبور کرتے ہیں۔ یہ عمل نہ صرف اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ مردانگی کے بھی خلاف ہے[2]"۔

پاکستان میں مہر عند الطلب نام سے ایک ایسا مہر مروج ہے جس کو شریعت نے نہیں بلکہ سماجی مسائل نے نافذ کر رکھا ہے۔اس مہر کی ادائیگی تقریباً ہوتی ہی نہیں ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بیوی اپنے شوہر سے اپنا حق مہر طلب کرے تو کیا اس کے دل میں اس کی عزت باقی رہ سکے گی ؟اس کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس طلب سے ناچاقیاں پیدا ہوں گی۔ عورت کی ازدواجی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی جس کے خوف سے وہ زندگی بھر حق مہر طلب ہی نہیں کرتی ہے۔

ہمارے ہاں حق کے ساتھ ادائیگی کا تصور بہت کم موجود ہے۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ افراط کی بنا پر لڑکی کے سرپرستوں کی جانب سے بطور مہر بہت زیادہ رقم کی فرمائش کی جاتی ہے۔اس رقم کی ادائیگی لڑکے کے لیے ممکن نہیں ہوتی ہے۔

بعض اوقات نجی مجلس میں حق مہر انتہائی کم طے کیا جاتا ہے لیکن سب کے سامنے دکھلاوے کی غرض سے بہت زیادہ حق مہر ظاہر کیا جاتا ہے۔ تصور کیجیے کہ ایسی شادیوں میں بھلا برکات کس طرح داخل ہوں گی۔

---

1۔ عورت، قانون اور معاشرہ، ص:۸

2 ۔طیبی، محمد یوسف، مسنون شادی، دار الاندلس، لاہور، ص:۳۴،۳۵

مہر کی ادائیگی کے تصور کے فقدان کے باعث اس کی معافی کے لیے بھی کئی طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ بعض اوقات لڑکی پر جبر کر کے اس پر دباؤ ڈالا جاتا ہے اور پھر حق مہر معاف کروالیا جاتا ہے۔ کئی لوگ تحفے تحائف دے کر مہربانی کی گزارش کرتے ہیں یا قصے کہانیاں سنا کر حق مہر کو معاف کروا لیتے ہیں۔ خاندان کی عورتیں نئی دولہن کو بتانا شروع کرتی ہیں کہ ہم نے تو کبھی حق مہر نہیں لیا ہے کیونکہ اچھی بیوی وہی ہوتی ہے جو حق مہر معاف کر دے۔ اس لیے تم مہر لے کر کیا کرو گی؟ وغیرہ وغیرہ۔

یہ بھی مشاہدے میں آیا ہے کہ مہر کی رقم کو نکاح کی تقریب میں لڑکی کا ہاتھ لگوا کر مسجد میں بھجوا دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ شاید اس طرح مہر ادا ہو گیا ہے۔ یہ طریقہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ اس پر تنقید کرتے ہوئے امام کاسانی لکھتے ہیں "کسی شخص کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ کسی دوسرے فرد کی اجازت کے بغیر وہ اس کی کوئی چیز ہبہ کرے۔ کسی عورت کے اموال میں سے اس کا ولی بھی کوئی چیز ہبہ نہیں کر سکتا ہے۔ مہر کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے[1]۔

## مسئلہ کا حل

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام میں عورت کے حق مہر کے معاف کرنے کا کوئی تصور نہیں ہے۔ بلاشبہ عورت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو حق مہر کو جزوی یا کلی طور پر معاف کر سکتی ہے۔ اگر حق مہر وصول کرنے کے بعد عورت اپنے شوہر کو واپس کر دے تو اس کو "ہبہ" کہا جائے گا اور اگر وصول کیے بغیر ہی معاف کر دے تو اس کو "ابرا" کہا جائے گا۔ اس کے لیے لازم ہے کہ وہ معافی جبر و اکراہ کے ساتھ نہیں بلکہ خوش دلی اور رضامندی کے ساتھ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں یہ قانون بنا رکھا تھا کہ اگر کوئی بیوی اپنے شوہر کا حق مہر معاف کر دے اور بعد میں وہ اس کا مطالبہ کرے تو شوہر کو اس کی ادائیگی پر مجبور کیا جائے گا۔ بیوی کا حق مہر دوبارہ طلب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو مجبور کر کے پہلے حق مہر معاف کرایا گیا تھا[2]۔

اس مسئلہ کا حل یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شوہر کہے کہ اس کی بیوی نے حق مہر معاف کر دیا تھا تو اس کے بیان پر اعتبار نہیں کیا جانا چاہیے بلکہ حق مہر کی ادائیگی یا معافی دونوں قانونی طریقے سے ہونی چاہئیں۔ اگر واقعی بیوی اتنی مخیر ہے کہ اس کو حق مہر کی رقم کی ضرورت نہیں ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ رقم کسی فلاحی ادارے کو صدقہ کر دے کیونکہ شوہر پر خرچ کرنا مناسب نہیں ہے سوائے اس مجبوری کے کہ وہ انتہائی کسمپرسی میں مبتلا ہو جائے اور اس پر خرچ کرنا ضروری ہو جائے۔

---

1۔ بدائع الصنائع، جلد نمبر ۲، ص: ۷۵۹

2 ۔ قرآن کا عائلی قانون، ص: ۱۷

حق مہر کے تعین کے ساتھ اس کی ادائیگی کی شرائط بھی نکاح سے پہلے تحریری صورت میں طے کر لینی چاہییں۔ان شرائط پر گواہوں کے دستخط کروانے چاہییں۔

جن لوگوں کے حق مہر لاکھوں میں لکھے ہوں، اگر وہ سارا حق مہر ادا نہ کر سکیں تو ان کو چاہیے کہ افہام و تفہیم کے ذریعے حق مہر کا ایک ایسا حصہ معاف کروالیں جس کی ادائیگی ان کے لیے ممکن نہیں ہے۔اس صورت میں بیویوں کو بھی چاہیے کو وہ رضامندی ظاہر کر دیں تاکہ حق مہر کی وجہ سے شادی شدہ زندگی میں کسی قسم کا کوئی ایسا مسئلہ پیدا نہ ہو سکے جو آگے جا کر ناچاقی کو ہوا دے(1)۔

حق مہر کی رقم کم ہونی چاہیے تاکہ اس کو بہت جلد ادا کرنا ممکن ہو۔زیادہ حق مہر باندھنے میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر زوجین کے مابین رشتہ مضبوط نہ بن سکے تو یہ مہر ہی عورت کے لیے وبالِ جان بن جاتا ہے(2)۔

## باب کا خلاصہ

پاکستان میں عورتوں کے معاشی مسائل کے حل کے لیے باقاعدہ قانون سازی عمل میں آئی اور ہر دستور میں خواتین کے مسائل کو خصوصی توجہ دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ سیاسی سطح پر بھی خواتین نے اس ضمن میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔سرِ دست جن مسائل سے خواتین کا واسطہ پڑا ہے وہ متنوع اور متعدد ہیں۔ پاکستان میں خواتین کو وراثت میں سے حق نہیں دیا جاتا ہے اور انہیں مختلف طریقوں سے اس حق سے محروم کیا جاتا ہے۔ لوگ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کی شادیاں محض اس لیے نہیں کرتے ہیں، یا خاندان میں زبردستی کر دیتے ہیں، قرآن سے بیاہ دیتے ہیں تا کہ جائیداد خاندان سے باہر نہ جائے اور خاندان کے قبضے میں ہی رہے۔ اسی طرح کچھ لوگ جہیز دے کر یا شادی کے بعد اپنی بیٹیوں کو تحائف دے کر ان کا منہ بند کرتے ہین تا کہ وہ وراثت میں سے حصہ طلب نہ کریں۔یہ مسئلہ ملکی سطح پر انتہائی سنگین صورت حال اختیار کر چکا ہے اس کا حل یہی ہے کہ ملک میں تقسیمِ میراث کے حوالے سے اسلامی قانون کو فعال کیا جائے تا کہ کوئی بھی عو رت اس حق سے محروم نہ رہ سکے۔

---

1۔ مودودی، ابوالاعلیٰ (سید)، حقوق الزوجین، اسلامک پبلشنگ ہاؤس، لاہور، ص: ۱۲۰تا۱۲۴

2۔ مودودی، ابوالاعلیٰ (سید)، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، جلد نمبر ۱، ص: ۲۳۳

خاوندوں اور سرپرستوں کی جانب سے خواتین کو اخراجات کا نہ ملنا بھی ایک اہم مسئلہ ہے حالانکہ اسلام نے مردوں کو عورتوں پر تفوق اسی لیے دیا ہے کہ ان کے فرائض میں خواتین کی ضروسریات کو پورا کرنا بھی شامل ہے۔نکاح سے قبل یہ ذمہ داری والدین اور بھائیوں کی ہے جب کہ نکاح کے بعد شوہر اس کا مکلف ہوتا ہے۔نان و نفہ میں خوراک، رہائش اور لباس شامل ہیں۔لیکن وطنِ عزیز میں خواتین کو مردوں کی جانب سے یہ حق نہ ملنے کی وجہ سے ،گھر سے نکلنا پڑتا ہے اور پھر انہیں دوسروں کے گھروں میں کام کرنے کا جبر برداشت کرنا پڑتا ہے۔اس مسئلہ کا حل یہی ہے کہ فیملی کورٹس میں خواتین کی داد رسی کی جائے اور ان کے مردوں کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے پر مجبور کیا جائے۔

حق مہر کا نہ ملنا بھی عورتوں کے معاشی مسائل میں شامل ہے۔ اسلام میں حق مہر کے لیے کوئی مخصوص رقم متعین نہیں ہے بلکہ مردوں کو اس ضمن میں اپنی بساط اور استطاعت کے مطابق حق مہر ادا کرنے کا حکم ہے لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ لڑکی کے سرپرست بہت زیادہ حق مہر لکھوا لیتے ہیں جس کی ادائیگی مرد کے لیے ممکن نہیں ہوتی ہے۔اس لیے وہ زندگی بھر یہ حق مہر ادا نہیں کر پاتا ہے۔اسی طرح بعض بے ایمان مرد کم حق مہر ہونے کے باوجود ادا نہیں کرتے ہیں۔ اس کا حل یہ ہے کہ حق مہر معقول طے کیا جائے تا کہ مرد کے لیے اس کی ادائیگی ممکن ہو سکے اور مرد کو قانونی طور پر اس کی ادائیگی کا پابند کیا جائے۔اگر کوئی مرد ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے زبردستی اپنا حق معاف کروانے پر تل جائے تو فیملی کورٹس کے ذریعے اس کی سرزنش کی جائے اور اس کو حق مہر ادا کرنے کے لیے مجبور کیا جائے۔

# باب چہارم: پاکستانی عورت کے میادین معیشت، اور درپیش مسائل کا حل

فصل اول: عورت کی ملازمت کے اصول اور ضوابط کا جائزہ

فصل دوم: زراعت کے میدان میں عورت کا کردار اور مسائل کا جائزہ

فصل سوم: تجارت کے میدان میں عورت کا کردار اور مسائل کا حل

فصل چہارم: عسکری میدان میں عورت کا کردار اور مسائل کا حل

فصل پنجم : طبّی میدان میں عورت کا کردار اور مسائل کا حل

فصل ششم: علم کے میدان میں عورت کا کردار اور مسائل کا حل

# فصل اول: عورت کی ملازمت کے اصول اور ضوابط کا جائزہ

گزشتہ ابواب میں واضح کیا گیا ہے کہ اسلام میں عورت کو حصولِ کسب کے لیے بھرپور طریقے سے ایک منظم طریقہ کار فراہم کیا گیا ہے جس کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے وہ اکتساب کے حق سے استفادہ کر سکتی ہے، وہ اپنی ذاتی ملکیت رکھ سکتی ہے، ملازمت کر سکتی ہے اور کسی جائز کاروبار میں شریک بھی ہو سکتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ عورت کے لیے ملازمت کے حوالے سے اسلام نے کچھ اصول وضوابط دیے ہیں جن کا پاس رکھنا خواتین کے لیے بہت ضروری ہے۔اس فصل میں ان اصولوں اور ان ضوابط کو جامع انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔

### ولی کی اجازت

عورت کو اپنی خلقی کمزوری کی وجہ سے ہمیشہ کسی ایسے مرد کی ضرورت پڑتی ہے جو اس کی جان ومال اور عزت وآبرو کا محافظ ہو۔جب تک وہ والد کے گھر رہتی ہے، باپ اس کا محافظ ہوتا ہے اور نکاح کے بعد شوہر اس کا محافظ ہوتا ہے۔اس لیے خواتین کے لیے گھریلو یا گھر کے باہر کی ملازمت اختیار کرنے کے لیے باپ یا شوہر کی اجازت بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔اس سلسلہ میں درج ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:

عورت اپنے گھر میں ہی کسبِ معاش کی کوئی ایسی صورت اختیار کرے جس کی مشغولیت شوہر کے حقوق کی ادائیگی میں حارج نہ ہو۔اس صورت میں عورت کا کسبِ معاش جائز ہے۔اگر عورت کے کام کی وجہ سے شوہر کا حق متاثر ہو رہا ہو تو شوہر کو منع کرنے کا حق حاصل ہوگا[1]۔

عورت کسبِ معاش کے لیے گھر سے مجبوری کی حالت میں نکلے، یہ اس وقت ہو جب اس کا شوہر یا اس کے والد کی طرف سے اس کی ضروریات کو پورا نہ کیا جا رہا ہو۔اس صورت میں عورت شوہر کی اجازت کے بغیر بھی کسبِ معاش کے لیے شرعی حدود کے ساتھ گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔فقہا نے مجبوری کی حالت میں عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جانے کی اجازت دے رکھی ہے[2]۔

### اجنبیوں کے سامنے زینت کے اظہار سے گریز

عورت کی ملازمت کی صورت میں ایک مسئلہ یہ درپیش ہے کہ اس کو میک اپ کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے تاکہ ڈیوٹی کے دوران وہ ایک ماڈرن ماحول کا آئیکان بن کر دفتر یا ادارے کی زینت بنے۔اگر کسی کمپنی یا ادارے میں خو

---

1۔ ابن عابدین، محمد أمین بن عمر، رد المحتار علی الدر المختار، دار الفکر-بیروت، جلد نمبر ۵، ص: ۳۲۵

2 ۔فتح القدیر، جلد نمبر ۴، ص: ۳۵۸ باب النفقۃ۔رد المختار، جلد نمبر ۵، ص: ۲۲۵، فصل فی الحداد

اتین کو اس طرح بن سنور کر غیر مردوں کے سامنے اپنی زینت کے اظہار کے لیے مجبور کیا جائے تو اس ادارے میں کام نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرما رکھا ہے کہ :

﴿و قَرْنَ فِي بُيُو تِكُنَّ و لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُو لَى﴾ (1)

ترجمہ: اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو

﴿و قُلْ لِلْمُو ءْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ و يَحْفَظْنَ فُرُو جَهُنَّ و لَا يُبْدِينَ ز ينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (2)

ترجمہ: اور مومن عورتوں سے کہہ دے اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے

حدیث میں ایسی عورتوں کو بد ترین منافق قرار دیا گیا ہے جو اپنی زینت کو اجنبی مردوں کے سامنے ظاہر کرتی پھرتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((شر نسائكم المتبرجات المتخيلات و هن المنافقات لا يدخل الجنة منهم، الا مثل الغراب الاعصم))

ترجمہ: تمہاری عورتوں میں سب سے زیادہ بری عورتیں وہ ہیں جو اپنی زینت کو ظاہر کرنے والی اور تکبر کرنے والی ہوں اور وہ منافق عورتیں ہیں۔ ان میں سے جنت میں صرف اسی قدر عورتیں داخل ہوں گی جتنی مقدار میں وہ کوا ہوتا ہے جس کے ایک پاؤں میں سفیدی ہوتی ہے (یعنی بہت ہی قلیل تعداد میں، کیونکہ ایسا کوا بہت نادر اور قلیل پایا جاتا ہے)(3)۔

حضرت معمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے گھر میں خادمہ تھیں، وہ روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مثل الرافلة فى الز ينة فى غير اهلها كمثل ظلمة يو م القيامة لا نو ر لها))

---

1۔ الاحزاب:۳۳

2 ۔النور:۳۱

3۔ بیھقی، سنن الکبریٰ، حدیث نمبر 13478

ترجمہ: وہ عورت جو اپنے اہل کے علاوہ دوسروں کے لیے زینت اختیار کرتی ہیں، قیامت کے دن تاریکی میں ہوں گی، ایسی عورتوں کے لیے کوئی نور نہیں ہو گا[1]۔

اس ضمن میں نبی ﷺ نے مردوں کو بھی حکم دے رکھا ہے کہ اگر ان کی عورتیں بن سنور کر غیر مردوں کے سامنے جانے کی عادی ہوں تو ان کو اس کام سے منع کر دیا جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**((یا ایها الناس انھو ا نساءکم عن لبس الز ینة))** [2]

ترجمہ: اے لوگو! اپنی عورتوں کو اجنبی مردوں کے سامنے زینت کی چیزیں پہننے سے منع کرو۔

آج کل یہ فیشن چل پڑا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مہنگے اور چست کپڑے، بھاری بھر کم زیورات پہن کر جب خواتین اپنے اداروں میں یا کمپنیوں میں کام کاج کرنے نکلتی ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت گھر سے کام کاج کرنے کے لیے نہیں نکلی بلکہ اپنی خوبصورتی کی نمائش کرنے کی غرض سے آئی ہے۔ آپ ﷺ نے عورتوں کو ایک مرتبہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

**((یا معشر النساء اما لکن فی الفضة ما تحلین به، اما انه لیس منکن امراءة تحلی ذهبا تظهره لا عذبت به))**

ترجمہ: اے عورتوں کی جماعت! کیا تمہارے لیے چاندی کے زیور کافی نہیں جن سے تم آراستہ ہو سکتی ہو، سن لو! تم میں سے کوئی عورت جو سونے کا زیور پہن کر اسے (فخر و غرور کے طور پر یا اجنبی مردوں کے سامنے) ظاہر کرتی ہو تو اسے اسی سونے کے ذریعے عذاب دیا جائے گا[3]۔

اسلام اپنے پیروکاروں کو دنیا پرستی نہین سکھاتا ہے بلکہ ان کی نظر میں آخرت کی کامیابی کو وقیع بنا کر پیش کرتا ہے۔ لہٰذا عورتیں محض چند روز کی چکا چوند کے لیے اپنی آخرت کو داؤ پر نہ لگائیں بلکہ آخرت کی کامیابی کو ترجیح دیں۔

ایسی خواتین جو عمر میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور ان کے بارے میں کسی مرد کے حوالے سے فتنے میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو، ایسی خواتین کے لیے اسلام نے محض اتنی گنجائش چھوڑی ہے کہ وہ اپنا برقعہ مردوں کے سامنے اگر نہ پہننا چاہیں تو نہ پہنیں۔ زیب و زینت کی نمائش کی اجازت ان کو بھی نہیں دی گئی ہے۔

---

1 ۔ سنن ترمذی، حدیث نمبر ۱۱٦۷

2۔ سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر ۴۰۰۱

3 ۔ سنن ابوداؤد، حدیث نمبر ۴۲۳۷

## غیر مہذب فیشن سے گریز

بعض اوقات خواتین ایسے اداروں میں بھی ملازمت اختیار کرتی ہیں جہاں انہیں مردوں کے ساتھ کام نہیں کرناپڑتاہے۔ لیکن ان اداروں میں، مشاہدے میں آیاہے کہ، خواتین میں فیشن زدگی کا مقابلہ رہتاہے۔نت نئے برانڈ کے کپڑے، جیولری اور جوتے پہن کراپنی کولیگز کے ساتھ فیشن کا مقابلہ کرناوہاں کے نفسیاتی ماحول کاایک خاصہ بن جاتاہے۔ فلموں، ڈراموں اور فیشن سے متعلق دیگرپروگراموں میں اس غرض سے سرخ رنگ کے نت نے لباس پیش کیے جاتے ہیں۔ زیادہ تر فلموں میں "ریڈلیڈی" کاتصور پیش کیاجاتاہے جس کی وجہ سے آج بازار میں آنے والے اکثر کپڑے سرخ رنگ کے ہیں جنہیں عورتیں ہاتھوں ہاتھ لے لیتی ہیں۔اس صورت میں ایک مسلمان خاتون کو انتہائی احتیاط کادامن پکڑکررکھناچاہیے اور ایساکوئی بھی لباس استعمال نہیں کرناچاہیے جو محض شہرت اور ناموری کی غرض سے پہناجائے۔رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**((ان الشيطان يحب الحمرة فاياكم و الحمرة و كل ثو ب ذى شهرة))**(1)

ترجمہ: سرخ رنگ شیطان کو پسند ہے۔تم سرخ رنگ سے اور ہر طرح کے شہرت والے لباس سے بچو۔

آپ ﷺ نے شہرت کے حصول کی غرض سے پہنے جانے والے لباس سے سختی کے ساتھ منع فرمایاہے۔ ایسے ادارے جن میں کام کرنے والی خواتین جان بوجھ کرایسے لباس زیب تن کریں جن کی بدولت وہ سب کی نگاہوں کامرکز بنی رہیں،ان اداروں کانوٹس لیاجاناچاہیے اور حکومت کو چاہیے کہ ان کے ماحول کواسلامی تہذیب وثقافت سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرے۔رسول اکرم ﷺ نے ایسے ہی لباس کے رسیالوگوں کو وعید سناتے ہوئے فرمایا:

**((من لبس رداء شهرة او ثو ب شهرة البسه الله نارا يو م القيامة))**(۲)

ترجمہ: جس نے شہرت کی چادر پہنی یا شہرت کا لباس پہنا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن آگ کا لباس پہنائے گا۔

نبی ﷺ کے اس فرمان کے سنن ابوداؤد کے یہ الفاظ ہیں:

---

1۔ بیہقی، شعب الایمان، حدیث نمبر ۵۹۱۵

2 ۔ابو بکر بن أبي شيبة، المصنف، مكتبة الرشد-الرياض، حدیث نمبر ۲۵۲۶۶

**((من لبس ثو ب شهرة البسه الله يو م القيامة ثو با مثله))** [1]

ترجمہ: جس شخص نے شہرت کا کپڑا پہنا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے ویسا ہی کپڑا پہنائے گا۔

سنن ترمذی اور سنن الکبریٰ للنسائی کے الفاظ کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:

**((البسه الله ثو ب مذلة يو م القيامة ثم الهب فيه نارا))** [2]، [3]

ترجمہ: اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ذلت کا لباس پہنائے گا اور اس کے بعد اس میں آگ بھڑکا دی جائے گی۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے شہرت کے لباس کے ساتھ شہرت کی سواری (مہنگی گاڑیاں) بھی شامل کرلی ہیں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

**((من ركب مشهو را من الدو اب او لبس مشهو را من الثياب اعرض الله عنه ما دام عليه و ان كان عليه كريما))** [4]

ترجمہ: جو شخص شہرت کی گاڑی پر سواری کرے گا یا شہرت کا لباس پہنے گا، اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس سے منہ پھیر کر رکھے گا جب تک وہ لباس اور سواری پر قائم رہے گا، خواہ وہ اللہ کے نزدیک کتنا ہی شریف کیوں نہ ہو۔

ابن ماجہ میں ہے کہ:

**((اعرض الله عنه حتىٰ يضعه))** [5]

ترجمہ: اس وقت تک اللہ اس سے اعراض کرتا رہے گا جب تک وہ اس کپڑے کو اتار نہ دے۔

مشاہدے میں یہ بھی آیا ہے کہ جن خواتین کی ملازمت اچھی کمپنیوں میں ہو جائے ان کی پہلی ترجیح بہتر گاڑی ہوتی ہے۔ اس ترجیح کو ورا کرنے کے لیے وہ بینک سے بھاری سود پر مشتمل اقساط میں گاڑی لیز پر لے لیتی ہیں تاکہ کمپنی کے ملازمیں میں ان کو ممتاز سمجھا جائے۔ ان کے لیے مذکورہ حدیث باعثِ درس و عبرت ہے۔

---

1۔ سنن ابوداؤد، حدیث نمبر ۴۰۲۹

2۔ سنن ترمذی، حدیث نمبر ۳۶۰۷

3۔ النسائی، احمد بن شعیب، سنن الکبریٰ للنسائی، دار السلام، لاہور، حدیث نمبر ۹۴۸۷

4۔ مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر ۲۵۲۶۸

5۔ سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر ۳۶۰۸

حدیث میں متکبرانہ لباس پہن کر زمیں اکڑ کر چلنے والے ایک شخص کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے زمیں میں دھنسا دیا تھا[1]۔

**مردانہ مشابہت سے گریز**

بعض کمپنیوں میں خواتین کو ایسا لباس پہننے کے لیے پابند کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کی نسوانیت کو ظاہری طور پر مردوں کی طرح تبدیل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پینٹ شرٹ پہنے ہوئے کئی عورتیں سارا دن شاپنگ مال، ہوٹل یا دیگر کمپنیوں میں مصروفِ عمل دکھائی دیتی ہے۔ یہ لباس بنیادی طور پر مردوں کا لباس ہے اور اس کے پہننے سے خواتین بھی مردوں کی مشابہت کے زمرے میں آ جاتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس عمل کی سخت الفاظ میں مذمت فرمائی ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

**((لعن رسو ل اللهﷺ المتشبهين من الرجال بالنساء و المتشبهات من النساء بالرجال))**[2]

ترجمہ: نبی ﷺ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

بیہقی میں اس مشابہت کی ناپسندیدگی کی وضاحت ان الفاظ میں ہے کہ:

**((لعن رسو ل الله ﷺ الرجل يلبس لبسة المراءة و المراءة تلبس لبسة الرجل))**[3]

ترجمہ: نبی ﷺ نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں جیسا لباس پہنے اور اس عورت پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مردوں جیسا لباس پہنے۔

آپ ﷺ نے اخروی نجات کے حوالے سے ایسی عورتوں اور مردوں کے لیے انتہائی قابلِ غور نقطہ یہ بھی پیش فرمایا کہ جو مرد عورتوں کا لباس پہنے اور جو عورت مرد جیسا لباس پہنے، یہ دونوں ہی جنت میں داخل نہیں ہو پائیں گے[4]۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بدترین عورتیں وہ ہیں جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں[5]۔

---

1 ۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۰۸۸

2۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر ۵۸۸۵

3۔ شعب الایمان، حدیث نمبر ۷۴۱۶

4۔ شعب الایمان، حدیث نمبر ۷۴۱۷

5 ۔ شعب الایمان، حدیث نمبر ۷۴۲۰

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ ایک خاتون کو مردوں جیسے جوتے پہنے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے اس وقت مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی[1]۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ نے کسی عورت کو دیکھا جو کمان گلے میں ڈالے مردوں کی مانند چل رہی تھی۔ نھوں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ابو جہل کی بیٹی ام سعید ہے۔ ابن عمرو نے کہا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ:

**((ليس منا من تشبه بالرجال من النساء و لا من تشبه بالنساء من الرجال))**[2]

ترجمہ: جو عورت مردوں کی اور جو مرد عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے اس کا ہما سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مشابہت میں جہاں لباس آتا ہے وہیں وضع قطع بھی شامل ہے۔ کئی اداروں میں خواتین کو مردوں کی طرح بال کٹوانے کے لیے بھی مجبور کیا جاتا ہے۔ خواتین کو چاہیے کہ ایسی کسی کمپنی یا ادارے میں کام نہ کریں جہاں ان کی نسوانیت کو مردانہ وضع قطع میں تبدیل کرنے یا شرعی محذورات میں سے کسی کو ترک کرنے پر مجبور ہونے کی کوشش کی جائے۔

## نامحرم مردوں کے ساتھ خلوت سے پرہیز

ملازمتوں کی بہت سی اقسام ایسی ہیں جن میں خواتین کو غیر مردوں کے ساتھ کام کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے۔ اگر سب کے سامنے کھلے ہال میں مردوں کے ساتھ کام کرنے کے لیے بلایا جائے تو اس صورت میں بھی کسی قسم کے تحفظات سامنے آتے ہیں اور اسلام کی رو سے ایسی ملازمت کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔ لیکن جب ملازمت کی نوعیت ہی اس طرح کی ہو کہ نامحرم مرد کے ساتھ خلوت میں کام کرنا پڑے تو بالاولی ایسی ملازمت سے گریز ضروری ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کسی نامحرم عورت کے ساتھ خلوت اختیار کرنے سے منع کیا اور کسی بھی عورت کو نامحرم کے ساتھ سفر کرنے سے منع کیا[3]۔ چونکہ ان جیسے مواقع پیدا کرنے سے شیطانی دروازے کھلتے ہیں اس لیے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

1۔ شعب الایمان، حدیث نمبر ۷۴۱۸

2۔ مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر ۶۸۷۵

3۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر ۳۰۰۶

((الا لا يخلو ن رجل بامراءة الا كان ثالثهما الشيطان))[1]

ترجمہ: خبردار! کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ جب خلوت میں ہوتا ہے تو ان کے ساتھ ضرور تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

بعض کمپنیوں میں ملازمین کی کرسیاں ساتھ ساتھ رکھی جاتی ہیں۔ مرد و خواتین ملازم انہی کرسیوں پر بیٹھ کر کام کرتے ہیں اور اس دوران ان کے ہاتھ یا کاندھے ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا جاتے ہیں۔ عموماً یہ اس قدر تسلسل کے ساتھ ہوتا ہے کہ لوگ اب اس کو معیوب نہیں سمجھتے ہیں جب کہ حقیقت میں اس کو اسلام نے بالکل حرام قرار دیا ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر کوئی شخص مٹی یا کیچڑ میں لتھڑے ہوئے خنزیر کے ساتھ لگ جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کے کاندھے کسی ایسی عورت کے ساتھ لگیں جو اس کے لیے حلال نہیں ہے[2]۔

اگر میاں اور بیوی، دونوں ایک ہی کمپنی میں ملازمت کرتے ہوں، تو اس صورت میں شوہر کی موجودگی میں عورت اپنے مرد کولیگز کے ساتھ بات چیت کر سکتی ہے۔ اس حوالے سے شریعت نے اجازت دے رکھی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((الا يحل لرجل يو من بالله ان يخلو بامراءة ليست ذات محرم، الا و معها ذو محرم))[3]

ترجمہ: اللہ پر ایمان رکھنے والے کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت اختیار کرے، مگر اسی طرح کہ اس عورت کے ساتھ اس کا محرم ہو۔

معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی تنہائی کسی مرد کے ساتھ نہیں ہونی چاہیے۔ اس سے ایسی بہت سی قباحتیں جنم لیتی ہین جو سماج میں ناہمواریاں پیدا کرتی ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ ریاست کے لیے لا اینڈ آرڈر سے متعلق مسائل بھی جنم لے سکتے ہیں۔ اس لیے اسلامی ریاست ایسے کسی بھی اختلاط کی متحمل نہیں ہو سکتی ہے۔

## ستر پوشی کا اہتمام

ملازمت کے حوالے سے یہ انتہائی اہم اصول ہے جس پر اسلام نے بہت زور دیا ہے۔ عورت کو ہمیشہ ایسی جگہ ملازمت کرنی چاہیے جہاں اس کی ستر پوشی کی حوصلہ افزائی کی جائے اور اس کی عفت و عصمت کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے۔ ستر کے سلسلہ میں قدیم زمانہ سے فقہا کے درمیان اس بات پر تو اتفاق ہے کہ چہرہ اور ہاتھ کے علاوہ عورت کا پو

---

1۔ مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۳۸۷

2 ۔الطبراني، سليمان بن أحمد بن أيوب، المعجم الكبير، مكتبة ابن تيمية، الرياض، حدیث نمبر ۷۸۳۰

3 ۔الحميري، عبد الرزاق بن همام بن نافع، المصنف، المكتب الإسلامي۔ بیروت، حدیث نمبر ۱۲۵۴۴

را جسم قابلِ ستر ہے۔ لیکن چہرے کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ فقہاءِ احناف اور دیگر کئی فقہا کا نقطہ نظر یہ ہے کہ چہرہ اصلا پردہ میں داخل نہیں ہے۔ وہ سورۃ نور[1] میں غضِ بصر کے حکم سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غضِ بصر کا حکم اسی وقت دیا جا سکتا ہے جب چہرہ دیکھے جانے کی حالت میں ہو، ورنہ اس کا کوئی معنٰی نہیں بنتا۔ اس لیے عورتوں کو بھی غضِ بصر کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ مرد کا چہرہ کھلا ہوتا ہے اور دیکھے جانے کی حالت میں ہوتا ہے۔ ان کی دوسری دلیل اوہ حدیث ہے جس میں شادی سے قبل عورت کو ایک دفعہ دیکھ لینے کی نصیحت کی گئی ہے[2]۔ عورت کو دیکھنا اسی وقت ممکن ہے جب اس کا چہرہ کھلا ہوا ہو۔ اسی طرح حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ نبی ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے ان کے لباس کے بارے میں ان کو نصیحت فرمائی اور چہرے اور ہاتھوں کو پردے سے مستثنٰی قرار دیا[3]۔

عورت کے چہرے کو ستر میں شامل نہ کرنے والوں میں ابو اسحاق شیرازی شافعی[4]، علامہ ابن قدامہ[5]، علامہ بغوی[6]، علامہ علاؤالدین کاسانی[7] شاملِ فہرست ہیں۔ کثیر تعداد میں حنفی مصادر اسی موقف کے ترجمان ہیں جن میں فتاویٰ عالم گیری، مواہب الجلیل[8]، التاج والاکلیل[9]، التمھید[10] قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے دلائل میں سورۃ النور[11] میں کلمات "الا ما ظھر منھا" سرِ فہرست ہیں۔ وہ اس سے مراد چہرہ و ہتھیلی اور ہاتھ مراد لیتے ہیں[1]۔

---

1 ۔ النور: ۳۱، ۳۰

2 ۔ سنن ابو داؤد، حدیث نمبر ۲۰۸۲

3 ۔ سنن ابو داؤد، حدیث نمبر ۴۱۰۴

4۔ النووي، یحیی بن شرف، المجموع شرح المھذب، دار الفکر، بیروت، جلد نمبر ۱۶، ص: ۱۳۳

5 ۔ ابن قدامۃ، عبداللہ بن أحمد بن محمد، المغني، مکتبۃ القاھرۃ، مصر، جلد نمبر ۶، ص: ۵۵۳

6 ۔ محمد بن أبي العباس أحمد بن حمزۃ بن شھاب الدین الرملي، نھایۃ المحتاج إلي شرح المنھاج، دار الفکر، بیروت، جلد نمبر ۶، ص: ۱۸۲، ۱۸۵

7۔ بدائع الصنائع، جلد نمبر ۴، ص: ۲۹۳، ۲۹۴

8 ۔ المغربي، ابو عبداللہ محمد بن محمد بن عبدالرحمن، مواھب الجلیل، دار عالم الکتب، بیروت، جلد نمبر ۲، ص: ۱۸۱

9 ۔ الغرناطي، محمد بن یوسف بن أبي القاسم بن یوسف العبدري، التاج والإکلیل لمختصر خلیل، دار الکتب العلمیۃ بیروت، جلد نمبر ۲، ص: ۱۸۱

10۔ الأندلسي، یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر النمري، التمھید لما في الموطأ من المعاني والأسانید، وزارۃ الأوقاف والشؤون الإسلامیۃ المغرب، جلد نمبر ۶، ص: ۳۶۵

11 ۔ النور: ۳۰

دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ چہرہ بھی ستر میں شامل ہے اس لیے چہرے کو بھی پردے میں چھپایا جائے گا۔اس مو قف کے دلائل میں سورۃ احزاب[2] میں چادریں لٹکانے کے بارے میں کلمہ جلابیب ہے جس سے مراد ایسا کپڑا ہے جس سے عورت کا سر، کمر اور سینہ وغیرہ مستور ہو جاتا ہے[3]۔اس کے علاوہ حضرت عائشہؓ کی حج میں طواف کے دوران مردوں کے مقابل آنے پر چہرہ چھپا لینے والی روایت[4]،ازواج مطہرات سے کوئی شے مانگنے کے وقت پردے کے پیچھے سے مانگنے کے حکم سے حضرت زینبؓ کا استدلال[5]، فتح مکہ کے بعد حضرت سودہ بنت زمعہؓ کو ان کے والد کی باندی کے بچے سے چہرے کا پردہ کرنے کا حکم[6] اور دیگر کئی دلائل شامل ہیں۔آج کل علما کا یہی موقف ہے کہ چہرہ اپنی اصل کے اعتبار ستر میں داخل نہیں ہے لیکن موجودہ دور میں فسق و مجور کی کثرت کی وجہ سے اندیشہ فتنہ کے باعث عورتوں کے لیے چہرے کا چھپانا بھی واجب ہو گا۔متاخرین احناف فقہا کی بھی یہی رائے ہے[7]۔

اس لیے جو عورتیں ملازمت کریں ان کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ وہ ایسا ساتر لباس پہنیں کہ وہ مردوں کے سامنے مکمل پردہ میں رہیں۔ عورت جسم چھپا ہوا ہو اور چہرہ بھی،البتہ وہ ایسا برقع بھی استعمال کر سکتی ہیں جن میں آنکھیں کھلی رہیں کیونکہ یہ ایک ضرورت ہے،ورنہ ان کے لیے راستے میں چلنا یا کوئی بھی کام کرنا ممکن نہیں ہو گا۔

---

1۔ اس ضمن میں دیکھیں،احکام القرآن للجصاص، جلد نمبر ۳، ص:۴۰۸۔احکام القرآن لابن عربی، جلد نمبر ۳، ص:۳۸۱۔البحر المحیط، جلد نمبر ۶، ص:۴۴۷۔الکشاف، جلد نمبر ۳، ص:۱۷۔ تفسیر مظہری، جلد نمبر ۶، ص:۴۹۳

2 ۔الاحزاب:۵۹

3 ۔لسان العرب، جلد نمبر ۲، ص:۳۱۷

4۔ سنن ابوداؤد، حدیث نمبر ۱۸۳۳

5 ۔مسند احمد، حدیث نمبر ۴۳۴۳(مسند زینب)

6 ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر ۲۰۵۳

7۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:الدر المختار شرح تنویر الابصار مع رد المختار، جلد نمبر ۹، ص:۵۳۲

# فصل دوم: زراعت کے میدان میں عورت کا کردار اور مسائل کا جائزہ

## حصہ بقدر جثہ کردار کی ضرورت

خواتین پاکستانی آبادی کا ایک بڑا حصہ ہے اور وہ زندگی کے تمام شعبوں میں انتہائی موثر کردار ادا کر رہی ہیں۔ پاکستانی معیشت میں زراعت ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ پاکستان کی GDP میں زراعت کا پچیس فیصد حصہ ہے[1]۔ ملک کی تقریباً نصف آبادی بالواسطہ یا بلاواسطہ زراعت کے ساتھ منسلک ہے۔ ۲۰۱۶ - ۲۰۱۷ کے لیبر فورس سروے کے مطابق آبادی کا ۴۷ فیصد حصہ زراعت کے ساتھ منسلک ہے اور اس کا 75 فیصد حصہ عورتوں پر مشتمل ہے۔ پاکستان کی آبادی کا 62 فیصد حصہ دیہاتوں میں آباد ہے جہاں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ زراعت میں مصروفِ عمل رہتی ہیں۔

پاکستان میں تمام تر زرعی سرگرمیاں دیہاتی علاقوں میں وقوع پذیر ہوتی ہیں اس لیے دیہاتوں میں رہنے والی خواتین زرعی امور میں انتہائی موثر کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ قابلِ افسوس معاملہ ہے کہ یہاں زرعی حوالے سے خواتین کے کردار کو مسلسل نظر انداز کیا جا رہا ہے اور قومی سطح پر ان کی کوششوں کو سراہنے کی کوئی بھی مثال آج تک سامنے نہیں آسکی ہے۔ دیہاتوں میں رہنے والی ستر فیصد خواتین زراعت کے کام میں اپنے مردوں کی مدد کرتی ہیں۔

پاکستان کی کل آبادی کا بچاس فیصد سے زیادہ حصہ خواتین پر مشتمل ہے جب کہ معاشی شعبے میں بہتری لانے کے لیے اس کا کردار انتہائی کم ہے[2]۔ بعض علاقوں میں بعض سماجی روایات اور حالات کے مطابق اگرچہ ملکی معیشت میں خواتین مردوں جیسا فعال کردار ادا نہیں کر سکتی ہیں۔، عاشرے میں معاشی بہتری نہ لانے کی وجہ مردوں کی نالائقی اور بے تدبیری ہے۔ خواتین اس الزام کی متحمل نہیں ہیں۔ جس طرح مرد پر معاشی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اسی طرح گھریلو خدمات عورت پر لازم ہیں اور یہ مرد کے کام کے مقابلے میں متوازی اہمیت رکھتی ہیں۔

پاکستان میں "وانا" کے سماجی حالات اس طریقے کے مطابق تشکیل پا رہے ہیں کہ وہاں کی عورت کی زندگی کا دائرہ کار محض گھر کی چار دیواری میں رہنے، مردوں کی آمریت کے ماتحت زندگی گزارتے ہوئے ان کی خدمت کرنے

---

1. Faisal, 2018. Economic Survey 2017/2018: agriculture sector surpasses growth target. http://www.pkrevenue.com/finance/economic-survey-2017-2018-agriculture-sector-surpasses-growth-target/.

2۔ پاکستان اکنامکس سروے رپورٹ برائے 2007،2008

اوران کی نسل بڑھانے تک محدود ہے۔اس علاقے کی خواتین معاشی بہتری میں کسی بھی سم کا کوئی کردار ادا نہیں کرتی ہیں[1]۔

اگرچہ ان جیسے افکار کے حاملین کی اسلامی ریاست میں کسی صورت بھی حمایت نہیں کی جاسکتی ہے کیونکہ خو اتین سے ملک کی معیشت کی بہتری کے لیے مناسب کام لینے کا انتظام کرنا مردوں کی ذمہ داری ہے۔ریاست کا فرض ہے کہ ان کو کام کے لیے پرامن ماحول فراہم کیا جائے۔

جن علاقوں میں خواتین مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتے ہوئے اپنا مکمل کردار ادا کرتی ہیں ان علاقوں میں بھی ان کو بنیادی سہولیات یعنی خوراک اور میڈیکل وغیرہ تک رسائی نہیں دی جاتی ہے۔انہیں بنیادی ضروریات کی دیگر اشیاء بھی نہیں ملتی ہیں۔ یہاں معاشرے کی بُنَت اس طرح کی گئی ہے کہ مرد اور عورت کے مابین جنسی امتیاز ہر سطح پر عورتوں کے حقوق میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔لہٰذا پاکستان جیسے ملک میں عورتوں سے سماج کی بہتری کے لیے ان کے نسوانی اور اسلامی تقاضوں کے مطابق کام لینے کی منصوبہ بندی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

### میدان معیشت میں خواتین کی خدمات

2003 میں عاصمہ ظفر اور سائرہ اختر نے ایگریکلچرل یونیورسٹی فیصل آباد کی جانب سے ایک تحقیقی سروے کیا اور اس میں زراعت پیشہ خواتین کے مسائل سے متعلق مشاہدات پیش کیے۔اس سروے کو بعد میں

FARMERS PERCEPTION ABOUT SOCIAL IMPACT AND CONSTRAINTS IN WASTEWATER IRRIGATION

کے نام سے شائع کیا گیا۔ان کا کہنا تھا کہ بعض سماجی روایتوں کو مقدس گائے کا تقدس فراہم کردیا گیا ہے اور ان روایات کے مطابق کسی بھی عورت کو معاشرے میں صفِ اول کے کردار کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا ہے۔اسی طرح بعض مذہبی تعلیمات کی غلط تاویلات کرتے ہوئے ان کے مطابق بھی عورت کو دبا کر رکھا جاتا ہے اور اس کی خدمات کو کسی بھی سطح پر تسلیم و ستائش سے ہمکنار نہیں کیا جاتا ہے۔ہر کسان کا ذات پات کے حوالے سے اپنا ایک مخصوص نقطہ نظر ہے[2]۔

2005 میں محترمہ عنبر فردوس نے ماسٹرز کا تحقیقی مقالہ لکھ کر پاکستانی خواتین کے معاشی حالات کا ایک سروے پیش کیا۔اس سروے میں انھوں نے مشاہدہ کیا کہ جنسی امتیاز پاکستان کے تمام شعبوں میں روا رکھا جاتا

---

1. CGIAR(Consultative Group for International Agricultural Research) Gender Program, working paper no.10

2 . Pak. J. Agri. Sci., Vol. 40(3-4), 2003

ہے۔گھروں میں خواتین کو دوسرے درجے کے انسان کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور کام کرنے کے مراکز میں ان کو مردوں کے مقابلے میں کم معاوضہ دیا جاتا ہے۔کام کر کے کامنے والی خواتین کو گھروں میں کام نہ کرنے والی خواتین کے مقابلے میں زیادہ عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔لیکن گھر سے باہر ان کو مردوں کے تفوق کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔زرعی شعبے میں پاکستان کا 17.97 فیصد طبقہ مزدوری کرتا ہے۔یہ وہ اعداد و شمار ہیں جن میں خواتین کو شامل ہی نہیں کیا گیا ہے۔لیبر سروے ۲۰۰۳ اور ۲۰۰۴ میں بتایا گیا کہ خواتین کسانوں کی تعداد 4.75 فیصد ہے۔زراعت کے شعبے میں کام کرنے والی خواتین میں اکثر ایسی ہیں جو محض اپنے شوہر کا ہاتھ بٹانے جاتی ہیں اور ان کو اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا ہے۔ان کا کام ان کے شوہر کے کام کا ہی ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔جب سے این جی اوز نے پاکستان میں کام کرنا شروع کیا ہے تب سے کچھ علاقوں میں خواتین کو بھی الگ مزدور کے طور پر معاوضہ ادا کیا جاتا ہے لیکن ایسا صرف اسی وقت ہوتا ہے جب این جی اوز کے نمائندے کسی بھی جگہ پہنچ پہنچ جاتے ہوں[1]۔

2011 میں پشاور یونیورسٹی کی جانب سے رضیہ بیگم اور غزالہ یاسمین نے کسان خواتین کے مسائل سے متعلق ایک تحقیقی سروے کیا اور اس کو

CONTRIBUTION OF PAKISTANI WOMEN IN "

"AGRICULTURE:PRODUCTIVITY AND CONSTRAINTS

کے عنوان سے "Sarhad Journal of agriculture" میں شائع کیا۔اس سروے میں کسان خواتین کے جن مسائل کا مشاہدہ کیا گیا تھا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱. طبّی سہولیات کا فقدان
۲. کلی یا جزوی طور پر تعلیم کا فقدان
۳. زراعت کے جدید وسائل کے استعمال سے لاعلمی
۴. حقِ ملکیت سے محرومی
۵. زرعی حوالے سے معاشی اصلاحات سے حکومت کی پہلو تہی
۶. قدرتی موسم
۷. شہری طرز زندگی
۸. جدید مشینری

---

1۔ مقالہ کا عنوان "SOCIAL STATUS OF RURAL AND URBAN WORKING WOMEN IN PAKISTAN – A COMPARATIVE STUDY" تھا۔

۹. مہارتوں کا فقدان

۱۰. مرد کے مقابلہ میں کم معاوضے کی ادائیگی

مقالہ کے آخر میں حکومت کو اصلاحات نافذ کرنے اور خواتین کو نت نئ تعلیمی اور عملی مہارتیں سیکھنے کی ترغیب دی گئ ہے[1]۔

۲۰۱۲ میں ارم فریال، امتیاز احمد وڑائچ، عمران حنیف، تنزیل الرحمان علوی اور نوید مرتضیٰ کی ٹیم نے پاکستان کے دیہاتوں کا ایک سروے کیا۔اس تحقیقی سروے میں جمع کی گئی معلومات کے مطابق غیر شادی شدہ خواتین کی نسبت شادی شدہ خواتین کی زراعت میں کام کرنے کی شرح زیادہ ہے کیونکہ جوائنٹ فیملی سسٹم کی وجہ سے محض مرد حضرات گھر کی معاشی ضرورتوں کو پورا کرنے سے قاصر رہتے ہیں اس لیے ان کے ساتھ خواتین کو بھی کھیتوں میں کام کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ان کو مندرجہ ذیل مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے:

۱. مردوں کے شانہ بشانہ کھیتوں میں کام کرنے کے باوجود خواتین کو مردوں سے کم معاوضہ ادا کیا جاتا ہے۔

۲. زرعی شعبے میں کام کرنے کے دوران زمین داروں کی جانب سے خواتین کے ساتھ ناروا سلوک رکھا جاتا ہے۔

۳. زمین داروں کی جانب سے خواتین کو بروقت معاوضہ ادا نہیں کیا جاتا ہے۔

۴. سخت و تند موسم میں کام کرنا، مردوں کی نسبت خواتین کے لیے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

سروے کے آخر میں تحقیقی ٹیم نے تجویز دی کہ خواتین کو زراعت کے شعبے میں کام کرنا ہی نہیں چاہیے کیو نکہ یہ سخت جسمانی مشقت والا کام ہے۔اس کے برعکس خواتین کو اگر تعلیم مہیا کی جائے تو وہ باعزت روزگار کے ذریعے اپنے معاشی امور کی انجام دہی زیادہ بہتر انداز میں کرسکتی ہیں[2]۔

۲۰۱۴ میں کراچی یونیورسٹی کی جانب سے ڈاکٹر رومانہ ظہیر، انیقہ زیب اور صنم واگما خٹک نے ایک تحقیقی سرو ے کرنے کے بعد

" IOSR (International Organization of Scientific Research)

Journal of Business and Management (IOSR-JBM)

---

1. Sarhad J. Agric. Vol.27, No.4, 2011

2. Tanzeel Ur RehmanAlvi, Imran Hanif , Irum Feryal, Imtiaz Ahmad Waraich, & Naveed Mortaza (Women Participation in Socio-Economic Development in Agriculture Areas of Pakistan, Universal Journal of Management and Social Sciences, Vol. 2, No.10; October 2012

میں ایک مقالہ بعنوان

" Women participation in Agriculture in Pakistan (An overview of the constraint and problems faced by rural women)

شائع کیا۔اس مقالہ میں انھوں نے مشاہدہ کیا کہ پاکستان میں زراعت پیشہ خواتین کو گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ کھیتوں میں بھی کام کرنا پڑتا ہے جو کہ ایک کٹھن امر ہے۔اس کے باوجود ان کے گھریلو کاموں اور زرعی کاموں کو ابھی تک کسی بھی فورم پر کسی قسم کی پہچان نہیں ملی ہے۔اس قدر مشقت والی زندگی گزارنے کے باوجود اس پر مرد ہی حکمران بن کر بیٹھا ہوا ہے۔اس کو اپنے کام کا معاوضہ مرد سے کم ملتا ہے اور نہ صرف معاشرہ اس کی اس حالتِ زار پر رحم کھانے سے محترز ہے بلکہ حکومتی سطح پر بھی کسان پیشہ خاتون کے حقوق کی کبھی بھی آواز نہیں اٹھائی گئی ہے۔مقالے کے آخر میں یہ تجاویز دی گئی ہیں کہ :

۱. خواتین کے ذریعے ہونے والے تمام زرعی امور، گلہ بانی اور دست کاریوں ست متعلہ امور کو ریکارڈ میں لکھنا چاہیے تاکہ ان کے حقوق کے لیے حقائق کی روشنی میں کوئی فیصلہ کیا جاسکے۔
۲. خواتین کو اپنے ذاتی بینک اکاؤنٹس کھولنے کی سہولت دینی چاہیے تاکہ وہ زرعی امور کے لیے بینک سے قرضہ لے سکیں او رکھیتی باڑی کے لیے بیج اور کھاد کی خریداری کر سکیں۔
۳. خواتین کی زرعی اہلیت اور مہارت سے قومی سطح پر فائدہ اٹھانے کے لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ ان کے لیے زیادہ سے زیادہ رعایتیں متعارف کروانے کے بعد ان پر عمل کو بھی یقینی بنائے۔
۴. زمینداروں کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ وہ معاوضہ طے کرتے وقت جنسی امتیاز کو یکسر نظر انداز کریں اور خواتین کو بھی مردوں کے برابر معاوضہ ادا کریں۔
۵. کھیتوں میں کام کرنے والی خواتین کو ان کے حقوق و فرائض سے متعلق بنیادی تعلیم فراہم کی جانی چاہیے۔
۶. خواتین کو زراعت سے متعلق نئی مشینری کے استعمال کی مہارت سکھائی جانی چاہیے اور انہیں آسان اقساط پر مشینری فراہم کی جانی چاہیے۔
۷. کھیتوں میں کام کرنے والی خواتین کے مردوں کو پابند کیا جانا چاہیے کہ وہ کسان خواتین کی خوراک اور طب کا بھرپور خیال رکھیں[1]۔

---

1. Volume 16, Issue 2. Ver. II (Feb. 2014), PP 01-04

۲۰۱۵ میں اقوامِ متحدہ کے ادارہ برائے خوراک و زراعت نے ڈاکٹر فرحانہ نوشین، ڈاکٹر عمار علی خواجہ، ڈاکٹر خدیجہ جمیل، ڈاکٹر پرویز اقبال پراچہ، ڈاکٹر شہناز اختر، ڈاکٹر زاہرہ بتول، زہرا خانم، حق نواز خان اور دِر سمیع کے ذریعے ملکی پر مختلف تحقیقی سروے کروانے کے بعد ۱۴۰ صفحات میں اس تحقیق کو

" WOMEN in Agriculture in Pakistan"

کے عنوان سے اسلام آباد سے شائع کیا۔ اس میں پاکستان کے تمام صوبوں اور آزاد کشمیر میں کسان خواتین کے حوالے سے متعدد سروے کرنے کے بعد تفصیلی رپورٹس مہیا کی گئی ہیں۔ ان کے مطابق خواتین کے زرعی کردار کو پاکستان میں ابھی تک شناخت نہیں مل سکی ہے اور زرعی حوالے سے انھیں کسی بھی قسم کے معاملے میں قائدانہ کردار ادا کرنے کا موقع نہیں دیا گیا ہے۔ یہ اختیار محض مردوں کے ہاتھ میں ہے۔ اگر خواتین زرعی اصلاحات میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے کوشش بھی کریں تو سماجی روایات اور مذہبی تعلیمات ان کو روکنے کا سبب بن جاتی ہیں۔ ان پر گھر میں کام کرنے کے ساتھ ساتھ کھیتوں میں کام کرنے کا بوجھ بھی ہے جس کی وجہ سے وہ زرعی معلومات اور مہارتوں میں زیادہ قابلیت حاصل کرنے میں ناکام رہتی ہیں۔ زرعی کھیت مردوں کے اختیار میں دے دیے جاتے ہیں اور وہ مردوں کی جائداد بنے رہتے ہیں۔ ان میں کاشت کاری یا گلہ بانی کے حوالے سے خواتین کے پاس کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں ہوتا ہے۔

اس کا حل پیش کرتے ہوئے فاضل مصنفین نے تجویز دی ہے کہ مرد و خواتین کے جنسی امتیاز کا خاتمہ کیا جائے اور خواتین کو حقِ ملکیت دیا جائے۔ ان تمام سماجی روایات میں لچک پیدا کرنی چاہیے جن کی وجہ سے خواتین کسانوں کو اپنا مثبت کردار بھرپور طریقے سے پیش کرنے میں مسائل در پیش ہیں۔ آخر میں حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کیا گیا ہے وہ ایسے اقدام کو یقینی بنائے جن کی مدد سے کسان خواتین کے کردار کو قومی سطح پر شناخت مل سکے اور ان کی انفرادیت سامنے آسکے[1]۔

۲۰۱۸ میں سائرہ اختر، شبیر احمد، ہارون یوسف، عاصمہ ظفر اور قاضی احمد رضا نے اسی حوالے سے ایک تحقیقی سروے کیا اور اس میں صوبہ پنجاب کی کسان خواتین کے امور کی تفصیلی معلومات کے حصول پر منتج کیا۔ اس سروے میں ملنے والی معلومات کو

Role of Women in Social and Agricultural Decision-Making in the Rural Areas of the Southern Punjab (Pakistan)

1۔ یہ رپورٹ مندرجہ ذیل ویب لنک پر موجود ہے

http://www.fao.org/3/a-i4330e.pdf

کے عنوان سے شائع کیا[1]۔اس سروے کا مقصد زرعی شعبہ میں خواتین کی نمائندگی کی شرح کو جانچنا تھا۔ محققین نے اس رپورٹ میں لکھاہے کہ پنجاب میں خواتین کسان اپنے مرد کسانوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں لیکن زراعت کے حوالے سے ان کے پاس فیصلہ سازی کا اختیار نہ ہونے کے برابر ہے۔ان کی اصل ذمہ داری یہ سمجھی جاتی ہے کہ انھیں گھر پر رہ کر گھر کے امور نمٹانے کے بعد کھیتوں میں کام کرنا ہے اوران کا یہ کام کسی بھی سطح پر ستائش سے ہم کنار نہیں ہوتا ہے۔رپورٹ کے مطابق 63.33 فیصد خواتین اپنے گھر کے مردوں کے ساتھ زراعت میں ہاتھ بٹاتی ہیں جن میں سے اکثریت کے فیصلوں کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتاہے،ان کے ساتھ مشاورت کی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود فیصلہ سازی کا آخری اختیار مردوں کے ہاتھ میں ہی ہوتاہے۔

رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیاہے کہ کسان خواتین کی بہتری کے لیے ضروری ہے کہ ان کو جدید تعلیم سے آراستہ کیا جائے۔ تعلیم کی یہ سہولت صرف کسان خواتین کو ہی نہیں بلکہ کسان مردوں کو بھی دی جانی چاہیے کیونکہ جب دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق وفرائض کا علم ہو گا تو ہی حالات میں کس حد تک تناسب واقع ہو سکے گا۔

اس مقالے کے محققین کا موقف ہے کہ کسان خواتین گلہ بانی اور محدود سطح پر کاشت کاری کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اس لیے حکومت کو چاہیے کہ ان خواتین کو بلاسود قرضے فراہم کرے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں کے مطابق کوئی بھی پیشہ بہتر انداز میں اختیار کر سکیں۔اسی طرح حکومت کو چاہیے کہ دیہاتوں میں زراعت کے پیشے سے منسلک خواتین کے لیے پیشہ ورانہ تربیت کا انتظام کرے تاکہ زراعت میں خواتین کا اشتراک مردوں کے لیے زیادہ موثر ہو سکے۔یقیناً اس کے نتیجے میں ان کی اہمیت بڑھے گی اور فیصلہ سازی کا اختیار حاصل ہو گا۔

اس رپورٹ کا تفصیلی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتاہے کہ اس کا زیادہ تر زور خواتین کے فیصلہ سازی کے اختیار پر ہے۔ متعدد مرتبہ خواتین کے حق میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ انہیں گھر کے نظام میں معاشی معاملات کی سربراہی تفویض کی جائے،ان کو اپنی شادی کے بارے میں جملہ اختیارات سونپے جائیں اور زرعی معاملات میں انہیں قائدانہ کردار ادا کرنے کے مواقع دیے جائیں۔

## میدان زراعت میں خواتین کو درپیش مسائل

مندرجہ بالا تحقیقات اور سروے پر مبنی رپورٹوں سے معلوم ہوتاہے کہ محققین دینی علوم اور نصوص،شریعہ سے ناواقف تھے۔یہ بھی معلوم ہوتاہے کہ مرد کمائی کرے یا عورت،دونوں اپنے خاندان کی ضروریات زندگی پر خرچ کرتے ہیں۔ تیسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ زیادہ زور خواتین کی اکتسابی تقویت پر لگایا جارہاہے جو سراسر مغربی افکار

---

1. SSRG International Journal of Humanities and Social Science ( SSRG – IJHSS ) – Volume 5 Issue 5 Sep to October 2018

کے زیر اثر ہے۔اس سے خیر سے زیادہ شر عام ہو سکتا ہے۔چوتھی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس ساری صورت حال کے پیدا ہونے میں حکمران طبقے کی ناکامی اور بے تدبیری کے ساتھ ساتھ لاقانونیت شامل ہے۔

زراعت سے منسلک پاکستانی خواتین کو مندرجہ ذیل مسائل کا سامنا ہے:

۱. گھریلو کاموں کے ساتھ زرعی کام
۲. زرعی خدمات کے عوض معاوضے کا نہ ملنا
۳. ذرعی خدمات کے عوض مردوں سے کم معاوضہ ملنا
۴. زمینداروں کی طرف سے ہراساں کیا جانا
۵. زمینداروں کی ملکیت کے حقوق کا نہ ملنا
۶. زرعی امور میں فیصلہ سازی کا اختیار نہ ملنا

جن رپورٹوں کا پیچھے ذکر کیا گیا ہے ان رپورٹوں کے محققین نے اپنے طور پر ان مسائل کا حل یہ پیش کیا ہے کہ:

۱. مردو خواتین کسانوں کو ان کے حقوق و فرائض سے آگاہ کرنے کے لیے تعلیم کی فراہمی ہو
۲. خواتین کسانوں کو قانونی طور پر زمین کی ملکیت کا حق فراہم کرنا
۳. جدید مشینری کے استعمال سے متعلق خواتین کسانوں کو تربیت دینا
۴. خواتین کسانوں کو چھوٹی سطح پر شراعت یا گلہ بانی کے لیے قرضے فراہم کرنا
۵. قانونی اور سماجی سطح پر خواتین کے حقوق کے لیے آواز بلند کرتے ہوئے انھیں مردوں کے برابر معاوضہ دلوانا

یہ وہ تجاویز تھیں جو سماجی یا زرعی شعبی کے محققین کی جانب سے پیش کی گئی ہیں۔اگر اس میں اسلامی نقطہ نظر کو شامل کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جزوی طور پر یہ تجاویز اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بالکل مناسب ہیں۔کیونکہ جہاں تک خواتین کے لیے زمین کی ملکیت کے حق کی بات ہے تو اسلام میں اس کی اجازت موجود ہے۔نبی اکرم ﷺ کے عہد میں اور خلفا کے عہد میں کئی خواتین کے اپنے باغات تھے جن کے ذریعے وہ اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرتی تھیں۔غوہ تبوک کے سفر کے دوران آپ ﷺ نے ایک خاتون کا باغ دیکھا جو اپنے باغ میں ہی موجود تھی[1]۔

زرعی معاملات میں فیصلے کے اختیار کی بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں گنجائش موجود ہے۔امام ابو داؤد نے ایک روایت نقل فرمائی ہے جس کے مطابق خواتین ٹھیکے پر زمین لے کر اپنی منشا کے مطابق اس میں کھیتی باڑی کرتی

1۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر ۱۴۸۱

تھیں۔ایک عورت کا ذکر ملتا ہے جس نے دو سو درہم کے بدلے زمین ٹھیکے پر لے کر اس میں زراعت شروع کی تھی[1]۔

مذکورہ رپورٹوں میں یہ تجویز بھی دی گئی ہے کہ خواتین کو زرعی سرگرمیوں میں ہاتھ بٹانے یا مکمل ذمہ داری ادا کرنے کے بدلے میں مکمل معاوضہ ملنا چاہیے۔یہ مطالبہ بالکل درست ہے۔اسلام محنت کش کا معقول معاوضہ ادا کرنے کی تاکید کرتا ہے جس کے متعلق کئی روایات موجود ہیں۔عہدِ نبوی میں خواتین کو اپنی زرعی جائیدادوں میں سے نقد و جنس کی صورت میں معاوضہ یا حصہ ملتا تھا۔آپ ﷺ نے خود حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو کچھ درخت دیے تھے جن کی آمدنی سے وہ اپنی ضروریات کو پورا کرتی تھیں[2]۔

رپورٹوں میں خواتین کو جدید ٹیکنالوجی سکھانے اور انھیں قرضے فراہم کر کے اپنا اپنا زرعی کاروبار یا گلہ بانی کا کاروبار شروع کروانے میں مدد کی تجویز بھی دی گئی ہے۔راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس ضمن میں انتہائی احتیاط برتنی چاہیے۔گھریلو معاش کی ذہ داری مردوں پر عائد ہوتی ہے۔یہ ذمہ داریاں اور رعایتیں مردوں تک ہی محدود رہنی چاہییں۔اگر عورت کی زندگی کا دائرہ کار مشینری چلانے اور گلہ بانی کرنے تک محدود رہ جائے گا تو اس صورت میں خاندانی نظام بہت زیادہ متاثر ہو جائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ خاندانی نظام سرے سے اپنا وجود ہی کھو دے۔البتہ تعلیم کے حوالے سے جو تجویز دی گئی ہے وہ بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے۔البتہ لازم ہے کہ خواتین پر بھاری مشینریوں اور قرضو ں کا بوجھ نہ ڈالا جائے کیونکہ اس سے عورت کی نسوانیت اور اس کی اصل ذمہ داری پس پردہ چلی جاتی ہے۔

مذکورہ رپورٹوں میں بتایا گیا ہے کہ زمین داروں کی جانب سے کھیتوں میں کام کرنے والی مزدور خواتین کے ساتھ رویہ ٹھیک نہیں ہوتا اور ان کو بعض اوقات جنسی ہراسگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس ضمن میں رپورٹوں کے آخر میں کوئی تجویز نہیں دی گئی ہے۔ہماری رائے ہے کہ اس ضمن میں قانونی اداروں کو حقوقِ نسواں کے حوالے سے انتہائی سخت اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔اگر کسی جاگیردار یا زمین دار کی جانب سے کسی کسان خاتون کو جنسی طور پر ہراساں کیا جاتا ہے تو اس کو بلا رعایت اس ہراسگی کی پاداش میں تعزیزی سزاؤں کا سہارا لینا چاہیے۔اسی طرح اگر کسی جگہ زراعت کے شعبے میں کام کرنے والی خاتون مزدور کی غربت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اس کا جنسی استحصال کیا جاتا ہے تو اس صورت میں ایسے زمینداروں اور جاگیرداروں پر زنا کی حد قائم کرنی چاہیے تاکہ خواتین کو زرعی شعبے میں کام کرنے کے حوالے سے اپنی عزت و عصمت کے حوالے سے کبھی بھی کسی بھی قسم کا کوئی خوف لاحق نہ ہو سکے۔

---

1۔ سنن ابو داؤد، حدیث نمبر ۳۴۰۱

2۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر ۱۷۷۲

اس تمام تر صورت حال میں حکومت اور اس کے متعلقہ اداروں کی ذمہ داریاں مزید بڑھ جاتی ہیں۔ وطن عزیز کی ناگفتہ بہ اور انتہائی نازک صورت حال کے پیشِ نظر محنت و مشقت کی اشد ضرورت ہے۔ اس سے ایک طرف ملک کی معیشت کو سہارا دینا ممکن ہو جائے گا جب کہ دوسری طرف اسلامی تعلیمات پر عمل درآمد بھی یقینی بنایا جا سکے گا۔

# فصل سوم: تجارت کے میدان میں عورت کا کردار اور مسائل کا حل

## عورت کی فطری حیثیت اور جدید معاشی رجحان

جدید عہد میں کاروبار کے لیے "entrepreneurship" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ تجارت کی تاریخ میں یہ لفظ انیسویں صدی میں تکنیکی استعمال میں آیا تھا جس کی وضاحت محققین اور مصنفین نے اپنے اپنے فکر کے مطابق کی ہے۔ "entrepreneurship" کی روایتی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ:

"Taking the risk of buying something on certain prices and then selling at uncertain prices"(1)

مخصوص قیمت پر کسی چیز کو خریدنے اور غیر مخصوص قیمت پر فروخت کرنے کا خطرہ مول لینا۔

انیسویں صدی کے وسط میں اس پر تحقیقات شروع کی گئی تھیں اور ۱۹۷۰ تک یہی سمجھا جاتا تھا کہ یہ شعبہ کلی طور پر مردوں کے لیے مخصوص ہے(2)۔ برصغیر پاک و ہند میں تجارت کا موضوع تاحال ایک قابل بحث موضوع رہا ہے کیونکہ یہاں کے تجارتی حلقوں میں منافع اور نقصان کا اتار چڑھاؤ دیکھنے کو ملتا رہتا ہے۔ معاشی محققین کے مطابق کسی بھی ملک کی ترقی کا دارومدار اس پر ہے کہ آیا وہ عالمی سطح پر تجارتی امور کے نبھانے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں۔

عصرِ حاضر میں بہت سی خواتین سرکاری، کاروباری اور دیگر شعبہ ہائے حیات میں اپنی خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ آج ہمارے ہاں کثیر تعداد میں خواتین موجود ہیں جنہوں نے کاروباری دنیا میں بہت ترقی کی ہے۔ اس کے باوجود اپنے خوابوں کو عملی جامہ پہنانے والی ان کاروباری خواتین کو کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پاکستان آبادی کے اعتبار سے دنیا کا چھٹا بڑا ملک ہے جس کی نصف آبادی خواتین پر مشتمل ہے۔ اس کی خواتین کو ایک طرف اپنی تاریخی اقدار، مذہبی روایات اور ثقافتی ورثے کی عملی طور پر پاسداری کرنے کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے اور دوسری جانب

---

1. Schumpeter, J. A. (2000). Entrepreneurship as innovation.Entrepreneurship: The Social Science View, 51-75.

آن لائن اشاعت کے لیے دیکھیے:

https://ssrn.com/abstract=1512266

2. Malach-Pines, A., & Schwartz, D. (2008). Now you see them, now you don't: gender differences in entrepreneurship. Journal of Managerial Psychology, 23(7), 811-832

جدت اور ندرت کو اپنانے کا مطالبہ بھی کیا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہاں خواتین کے لیے مردوں جیسے کاروباری مو اقع میسر نہیں ہیں۔اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ یہاں خواتین کو گھر سنبھالنے کی طرف مائل کیا جاتا ہے اور انھیں کمائی کے لیے زیادہ ابھارا نہیں جاتا اور عمومی طور پر اس کی ترغیب کا بھی فقدان ہے۔تاہم خواتین کی ایک تعداد کاروباری شعبے میں اپنے قدم مضبوط کرنے کے لیے تگ ودو کر رہی ہے جن میں سے چند ایک ایسی خواتین بھی ہیں جن کے ذہنو ں میں سماجی مقاصد پنپ رہے ہیں۔ایسی خواتین کے لیے آئے روز کاروباری معاملات کو سنبھالنے کے حوالے سے کئی اقسام کے مسائل کھڑے ہوتے رہتے ہیں۔کاروباری دنیا میں مردوں سے زیادہ خواتین نے دنیا بھر میں توجہ حاصل کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اب کاروباری حوالے سے جو بھی تحریریں سامنے آ رہی ہیں ان میں خواتین کا خصوصی طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

اس عہد کی خواتین کا معاشی اعتبار سے کاروباری شعبے کی طرف رجحان بڑھ رہا ہے۔اس کے سبب ایک طرف تو کاروباری مواقع میں اضافہ ہو رہا ہے اور دوسری جانب خواتین کے لیے ملازمتوں کے دروازے کھل رہے ہیں۔اس سے معیارِ زندگی میں بہتری آ رہی ہے۔اس کے باوجود پاکستان کے اقتصادی اور معاشی مسائل پیچیدہ ہونے کی بنا پر خو اتین کی قابلیت اور کاروباری مہارت کو سامنے لانے میں ایک رکاوٹ بن چکے ہیں۔اس فصل میں ان مسائل پر روشنی ڈالی جائے گی۔

## تجارت میں خواتین کی شرکت سے متعلق دستاویزی سروے

متعدد محققین نے خواتین کے کاروباری دنیا میں تجارتی حوالے سے کردار ادا کرنے کے دوران پیش آنے و الے مسائل سے متعلق مشاہداتی و تحقیقی سروے کیے ہیں۔ان لوگوں نے خواتین کے انٹرویو کرتے ہوئے ان کی ذاتی ز ندگی کو ایک طرف رکھتے ہوئے محض کاروباری زندگی کے حوالے سے تبادلہ خیال کیا ہے اور خواتین کی جانب سے ظاہر کیے گئے مسائل کے بارے میں مختلف قسم کے حل تجویز کیے ہیں۔۲۰۰۳ میں "گیٹ وڈ(Gatewood)" نے اپنے تحقیقی مقالہ[1] میں تجزیہ کر کے بتایا کہ اس طرح کے ہر ایک سروے کے ذریعے تجرباتی اور عملی قسم کا مواد سامنے آتا ہے اور عملی اعتبار سے پیش کی گئی مختلف النوع تجاویز کا مجموعہ مل جاتا ہے[2]۔

---

1. Women entrepreneurs, their ventures, and the venture capital industry: An annotated bibliography

2۔ یہ مقالہ "Entrepreneurship and Small Business Research Institute – "ESBRI" کے ۲۰۰۳ کے جرنل میں شمارہ میں شائع کیا گیا تھا۔

گزشتہ صدی میں نوے کی دہائی میں مغرب میں ہونے والے ان سرویز کے بعد تجارتی شعبے میں خواتین کے حوالے سے درپیش مندرجہ ذیل مسائل کا مشاہدہ کیا گیا ہے:

۱. خواتین کے بارے میں لوگوں نے نظریاتی طور پر تجارت کے دروازے کھولے ہی نہیں ہیں[1]۔

۲. تجارتی شعبے میں آنے والی خواتین پر الزام عائد ہوتا ہے کہ انہیں ساختیاتی، تاریخی اور ثقافتی حقائق سے غفلت برتنا پڑتی ہے[2]۔

۳. عورتوں سے کاروباری امور میں اسی معیار کی کارکردگی کا مطالبہ کیا جاتا ہے جو معیار مردوں کے لیے مختص ہے[3]۔

۴. تحریک نسائیت کی نمائندہ تنظیموں کی جانب سے خواتین کے حقوق کی بات تو کی جاتی ہے لیکن تجارتی امور میں خواتین کی بہتری کے حوالے سے خصوصی طور پر کوئی لائحہ عمل تشکیل نہیں دیا جاتا ہے[4]۔

ان رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ صدی کے آخر تک کاروباری دنیا میں خواتین اپنا مقام بنانے کی کوشش میں مصروف عمل تھیں اور اس صدی کے آخر تک انھیں وہ تمام کاروباری حقوق میسر نہیں ہو سکے تھے جن کی انہیں توقع تھی۔ مغربی معاشرے نے باوجود ترقی پسند افکار، خواتین کے بارے میں اپنی محدود ذہنیت کی قید سے چھٹکارا نہیں پایا تھا اور معاشرے ان کے بارے میں مذہبی، تاریخی، ثقافتی اور تہذیبی اعتبار سے کئی تحفظات کا شکار تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ ثنویت کی تحریکوں نے شور شرابہ تو بہت زیادہ کیا اور خواتین کے حقوق کے کئی نعرے بلند کیے تھے لیکن عورتوں کو کاروباری امور میں آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کرنے کے لیے عملی طور پر کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا۔

---

1. Brush, C. G. (1992). Research on women business owners: Past trends, a new perspective and future directions. Entrepreneurship: Theory and Practice, 16(4), 5-31.

2. Chell, E., & Baines, S. (2000). Networking, entrepreneurship and microbusiness behavior. Entrepreneurship & regional development, 12(3), 195-215.

3. Moore, D. P. (1990). An examination ofpresent research on the female entrepreneur—Suggested research strategies for the 1990's. Journal of Business Ethics, 9(4), 275-281

4. Mirchandani, K. (1999). Feminist insight on gendered work: New directions in research on women and entrepreneurship. Gender, Work & Organization, 6(4), 224-235.

حالیہ تحقیقات سے واضح ہوا ہے کہ ذرائع ابلاغ کے تنوع اور آزادی کی وجہ سے کاروباری امور سرانجام دینے والی خواتین نے عالمی سطح پر وسیع پیمانے پر لوگوں کی توجہ حاصل کی ہے۔ذرائع ابلاغ کے علاوہ تعلیمی دنیا میں اس حوالے سے ہونے والی تحقیقات اور نئے افکار نے بھی کاروباری شعبوں میں کام کرنے والے خواتین کے لیے کئی تبدیلیاں متعارف کرائی ہیں(1)۔ان تبدیلیوں کے باعث آج کی دنیا میں ہر ملک کی خواتین کاروباری معاملات میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں۔

غیر ترقی یافتہ ممالک کی نسبت ترقی یافتہ ممالک میں کاروباری ذمہ داریاں ادا کرنے والی خواتین کہ تعداد زیادہ ہے۔کسی بھی ملک کے ترقی یافتہ ہونے یا غیر ترقی یافتہ ہونے میں اس ملک کی ثقافت انتہائی اہم کردار ادا کرتی ہے۔مثلا سعودی عرب میں خواتین کے کئی امور کے بارے میں سخت پابندیاں موجود ہیں، بالخصوص تجارتی شعبے میں ان کے لیے کئی مسائل ہیں۔عالمی سطح پر خواتین کے کاروباری ارتقاء سے قطع نظر، سعودی عرب میں خواتین کے لیے کاروباری دروازے انتہائی محدود سطح پر کھلے ہوئے ہیں(2)۔

سابقہ تحقیقات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی ملک میں خواتین کے کاروباری مسائل کو سمجھنے کے لیے لازم ہے کہ اس ملک کے مذہبی، ثقافتی، تہذیبی اور تاریخی خالات کا معروضی مطالعہ کیا جائے۔خواتین تاجران کو بنیادی طور پر جس مسئلہ کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہ جنسی امتیاز کا مسئلہ ہے۔معاشرہ ان کے تجارتی کردار کو اسی لیے قبول نہیں کر رہا ہے۔جن ممالک میں خواتین کے لیے تعلیم کا فقدان ہے وہاں اس مسئلہ کی نوعیت زیادہ شدید ہے۔جن ممالک میں قبائلی یا علاقائی نظریات پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے اور عورتوں کو محض گھریلو کردار تک محدود رکھا جاتا ہے وہاں بھی خواتین کے تجارتی کردار پر تشویش موجود ہے۔اس پر مستزاد یہ کہ پیسا اور وسائل مردوں کے اختیار میں ہیں اس لیے خواتین کے پاس کاروبار کرنے کے لیے پیسا نہیں ہوتا ہے جس کی وجہ سے انہیں تجارتی امور سرانجام دینے میں بہت سیٔ مشکلات برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ایسی صورت حال میں کاروبار شروع کرنے کے لیے بینک سے قرضہ

---

1. Professor Sara Carter ,WOMEN’S BUSINESS OWNERSHIP:RECENT RESEARCH AND POLICY DEVELOPMENTS 2006 , Department of Marketing, University of Strathclyde ،November 2006

2. Welter, F. (2011). Contextualizing entrepreneurship—conceptual challenges and ways forward. Entrepreneurship Theory and Practice, 35(1), 165-184.

حاصل کرنا بھی ایک مشکل مرحلہ ہے۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ کاروباری اعتبار سے خواتین جن مسائل کا سامناک رہی ہیں وہ ممالک مختلف ممالک اور علاقوں کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

اکتساب مال کے حوالے سے تجارت کو تمام امور پر سب سے زیادہ فوقیت دی جاتی ہے۔ کسی قوم میں خواتین کی تعداد کے مطابق تجارت کے شعبے میں ان کی شمولیت کو اگر یقینی نہ بنایا جائے تو تجارتی سطح پر اس ملک کی ترقی کے امکانات کم ہوتے جاتے ہیں۔ مغرب میں ۲۰۰۵ میں ہونے والے ایک سروے کے مطابق خواتین کی تجارت میں شمولیت کے زیادہ ہونے کے باوجود یہی سمجھا جارہا ہے کہ یہ ابھی محض شروعات ہے[1]۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی بھی تجارتی شعبے میں کام کرنے والی خواتین کی تعداد مردوں کے مقابلے میں انتہائی کم ہے[2]۔

ترقی یافتہ ممالک میں بھی زیادہ تجارت کے زیادہ ترادارے تاحال مردوں کے دائرہ اختیار میں ہیں اور وہاں کی حکومتیں کوشش کر رہی ہیں کہ خواتین کو بھی ان اداروں میں صفِ اول کی خدمات سر انجام دینے کا موقع دیا جائے[3]۔ کئی ممالک میں ایسے پروگرام شروع کیے جا چکے ہیں جن کے ذریعے خواتین کو ملازمت اختیار کرنے کے بجائے کاروبار کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے اور ان پروگراموں کے نتیجے میں ایسی کمپنیوں کی تعداد میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہورہا ہے جو خواتین مالکاؤں کے زیرِ اختیار ہیں۔امریکہ میں تقریباً ساٹھ لاکھ ایسی کمپنیاں ریکارڈ میں آئی ہیں جنہیں خواتین چلارہی ہیں[4]۔

---

1. Boyd, R. L. (2005).Race, gender, and survivalist entrepreneurship in large northern cities during the Great
Depression. The Journal of Socio-Economics, 34(3), 331-339.
2. Malach-Pines, A., & Schwartz, D. (2008). Now you see them, now you don't: gender differences in entrepreneurship. Journal of Managerial Psychology, 23(7), 811-832.
3. McGowan, P., Redeker, C. L., Cooper, S. Y., & Greenan, K. (2012). Female entrepreneurship and the management of business and domestic roles: Motivations, expectations and realities. Entrepreneurship & Regional Development, 24(1-2), 53-72.
4. Wilson, F., Marlino, D., & Kickul, J. (2004). Our entrepreneurial future: Examining the diverse attitudes and motivations of teens across

دنیا بھر میں ان مسائل سے متعلق کئی تحقیقات ہو چکی ہیں لیکن پاکستان میں تاجر خواتین کے مسائل پر تحقیقات نہیں ہو سکی ہیں۔ تجارت پیشہ خواتین کے مسائل سے متعلق ہونے والے سروے بھی بہت کم ہیں۔

۲۰۱۴ میں سومی اور اختر نے ایک سروے کیا۔ اس سروے کے مطابق پاکستان میں خواتین کو تجارتی شعبے میں قدم رکھنے کی اجازت بہت کم ملتی ہے کیونکہ یہاں کی ثقافتی فضا میں اس کام کے لیے لچک نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس ثقافت اور فکر کی بنیاد سینکڑوں سال قبل رکھی گئی تھی اور اس کو نسل در نسل آگے لایا جارہا ہے۔ لوگ مشکل حالات کی اذیت کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن خواتین کو گھر سے باہر نکل کر تجارتی سرگرمیوں میں شمولیت کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس سوچ اور فکر کی بنیادی باتوں کے بارے میں جب تنقیدی سوالات پیش کیے جاتے ہیں تو ان کے جوابات دینے کے بجائے بس یہی بات کی جاتی ہے کہ ہمارے بزرگوں کی یہی تعلیمات ہیں کہ عورت گھر سے نکل کر کسی قسم کی تجارتی سرگرمی میں حصہ نہیں لے سکتی ہے[1]۔

۲۰۱۱ میں اس مسئلے کے حل کے لیے تین مغربی محققین (Thornton, Soriano, Urbano) نے یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ ثقافتی اقدار کی وجہ سے تجارت اور اکتسابِ مال پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں اس لیے خواتین کو چاہیے کہ مثبت اثرات مرتب کرنے کے لیے اپنے اربابِ معاشرہ کو قائل کرنے کے لیے معاشرتی روایات کو توڑ کر تجارت میں داخل ہو جائیں۔ جب ان کی کامیاب تجارت کے مثبت نتائج سامنے آئیں گے تو معاشرے کے خیالات خود بخود تبدیل ہو جائیں گے۔ اس صورت میں معاشرے میں نہ صرف مالی اعتبار سے خوش حالی آئے گی بلکہ خواتین کی زندگی کے کئی خاندانی اور سماجی مسائل خود کار طریقے سے حل ہو جائیں گے۔

مسلمان ممالک میں سے ازبکستان میں ایک طرف حکومت خواتین کو اپنا سماجی مقام و مرتبہ بہتر کرنے کے لیے ترغیب دی جارہی ہے نیز ان کو کاروباری دنیا میں متعارف کروانے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ لیکن ازبکستان کی خواتین کے بارے میں یہی روایت ہے کہ خواتین گھروں میں بیٹھی رہیں اور گھر کے کام کاج کریں۔ اس صورت میں انہیں کھانا پکانے کا ہنر، صفائی ستھرائی کا ہنر اور سلائی کڑھائی کا ہنر سیکھنے میں آسانی ہو جاتی تھی لیکن ان تمام کاموں کے عوض انہیں پیسے کمانے کے لیے کوئی وسیلہ یا راستہ نہیں ملتا ہے۔ اس کے نتیجے میں مذکورہ مہارتیں محدود سطح پر رہ جاتی

---

gender and ethnic identity. Journal of Developmental Entrepreneurship, 9(3), 177.

1. Akhter, R., & Sumi, F. R. (2014). Socio-cultural factors influencing entrepreneurial activities: A study on Bangladesh. IOSR Journal of Business and Management, 16(9), 01-10.

ہیں اور چونکہ معاشرتی سطح پر ذہنی فکر اس نقصان کو قبول کر چکی ہے اس لیے اس پر کوئی تاسف بھی سامنے نہیں آسکا ہے[1]۔

اسی طرح ۲۰۱۱ میں ہونے والے ایک سروے کے مطابق متحدہ عرب امارات میں بھی خواتین سخت ثقافتی ماحول کی بنا پر کاروبار کرنے میں مشکلات کا شکار ہیں کیونکہ وہاں کی مقامی روایات اور مخصوص مذہبی تعبیرات نے ان کے راستے میں متعدد رکاوٹیں کھڑی کر رکھی ہیں۔ بعض پرانے محدود اذہان جو اس معاشرے پر حکومت کرتے ہیں، خواتین کے تجارتی ماحول سے سخت تشویش محسوس کرتے ہیں۔ان سے یہی توقع کی جاتی ہے کہ وہ گھروں میں رہیں اور خاندانی امور میں اپنا کردار ادا کریں۔خواتین نے اس امر کا متعدد مرتبہ اظہار کیا ہے کہ ان کے خاندان کے مرد حضرات کاروباری حوالے سے ان کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہیں کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ متحدہ عرب امارات کی خواتین اپنا کاروبار کرنے کے بجائے سرکاری محکموں میں کام کرنا پسند کرتی ہیں[2]۔

۲۰۰۳ میں پاکستانی معاشرے پر ہونے والے ایک سروے کے مطابق پاکستان میں جب سے خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق شعوری آگاہی کے پروگرام شروع کیے گئے ہیں تب سے خاندان کا ڈھانچہ تبدیل ہو رہا ہے اور اب کثیر تعداد میں خاندان ایسے ہیں جنہیں جوہری خاندان کہا جا سکتا ہے۔جوہری خاندان سے مراد ایسا خاندان ہے جو والدین اور ایک یا دو بچوں پر مشتمل ہو[3]۔اس تبدیلی کا اثر تجارتی دنیا پر بھی پڑا ہے جس کی وجہ سے ایسے تمام خاندان جن میں بچوں کے حوالے سے منصوبہ بندی کی جارہی ہے،ان خاندانوں کی خواتین تجارت میں آگے بڑھ رہی ہیں[4]۔

ان سرویز میں زیادہ تر زور پیسے کی کمائی کے لیے عورت کو گھر سے باہر لانے پر دیا گیا ہے۔دوسری چیز پیسے کے حصول پر زور دینا ہے جس کے بارے میں عقیدے اور مذہبی تعلیمات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔رپورٹوں کی اکثریت

---

1. Welter, F. (2011). Contextualizing entrepreneurship—conceptual challenges and ways forward. Entrepreneurship Theory and Practice, 35(1), 165-184.

2. Goby, V. P., & Erogul, M. S. (2011, August). Female entrepreneurship in the United Arab Emirates: Legislative encouragements and cultural constraints. Women's Studies International Forum,34(4),

3. "Nuclear family". Encyclopædia Britannica Online. Encyclopædia Britannica. 2011. Retrieved 2011-07-24.

4. Nabeel A. Goheer , Women entrepreneursin Pakistan ،ILO South Asia Advisory Team (SAAT), New Delhi

کا تعلق مغرب کے آزاد خیال طبقے کے ساتھ ہے۔ یہ طبقہ عموماً مذہب کو ضروری نہیں سمجھتا ہے۔اس طبقے میں خواتین کے لیے گھریلو خدمات اور بچوں کی پرورش کرنا اہمیت نہیں رکھتا ہے۔ان کے نزدیک محض پیسا کمانا اہمیت رکھتا ہے۔ان ترغیبات کی وجہ سے معاشرہ بے اعتدالیوں کا شکار ہو چکا ہے۔بے راہ روی کے متعلق ایسے متعدد مسائل جنم لے چکے ہیں جن پر قابو پانے کے لیے وسیع پیمانے پر منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

## تجارت پیشہ خواتین کے مسائل

خواتین کے حوالے سے کیے گئے سرویز کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لیے مندرجہ ذیل مسائل موجود ہیں۔

خواتین کے لیے گھریلو ذمہ داریاں ادا کرنا فرض سمجھا جاتا ہے اور اگر وہ تجارت پیشہ ہیں تو بھی ان کے لیے لازمی سمجھا جاتا ہے کہ وہ گھر کے کاموں میں کسی قسم کی کوئی کمی یا خلا نہ چھوڑیں۔گھریلو ذمہ داریوں کی بنا پر ہی تجارت کا پیشہ اختیار کرنے کے کچھ عرصہ بعد عورتوں کو تجارت چھوڑنا پڑ جاتی ہے کیونکہ گھر کے کاموں میں الجھنے کے باعث وہ تجارت کو مناسب وقت نہیں دے پاتی ہیں اور ان کا کاروبار کامیاب نہیں ہو پاتا ہے[1]۔

چونکہ یہ ایک غیر فطری سرگرمی ہے جس کا لازمی نتیجہ ناکامی اور مزید خسارے کی صورت میں نکلتا ہے۔اس کی تصدیق بعد کی رپورٹوں سے ہو جاتی ہے۔

ان ناکام کاروباری مثالوں کی وجہ سے اب بینکوں اور اقتصادی اداروں کی جانب سے خواتین کو تجارتی اغراض ومقاصد کے لیے قرضے دینے کی روایت کمزور پڑ گئی ہے کیونکہ جن خواتین کی جانب سے کاروبار بند کر دیے گئے ہیں ان کے قرضے ابھی تک ان کے سر ہیں اور روز افزوں سود کی بڑھتی ہوئی شرح کی بنا پر ان کی واپسی مزید ہوتی جا رہی ہے۔ ۲۰۱۰ میں ہونے والے ایک سروے کے مطابق پاکستان میں خواتین کو تجارتی اغراض و مقاصد کے لیے قرضے فراہم کرنا ایک خطرہ بن چکا ہے۔یہ ایک ایسا پل ہے جس کے بارے میں تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ خواتین اس کو پار نہیں کر سکتی ہیں[2]۔

---

1. Boyd, R. L. (2005).Race, gender, and survivalist entrepreneurship in large northern cities during the Great Depression. The Journal of Socio-Economics, 34(3), 331-339.

2. Klapper, L. F., & Parker, S. C. (2010). Gender and the business environment for new firm creation. The World Bank Research Observer, 26(2), 237-257.

رپورٹوں نے یہ تصدیق کردی ہے کہ جب خاتون کو اس کی اصل ذمہ داری یعنی گھر سنبھالنے سے دور کرکے اس ذمہ داری کو سنبھالنے پر مجبور کیا گیا ہے جو اس کے بجائے مرد کے کاندھوں پر ہونی چاہیے، اس صورت میں پہلی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ دوسری ذمہ داری بھی متاثر ہوگئی ہے۔

ایک تحقیق کے مطابق ایشیائی اور افریقی ممالک میں خواتین مردوں کی کمائی کے ذریعے گھر چلاتی ہیں اور اسی کمائی میں سے خوراک، لباس، رہائش اور یوٹیلیٹی بلز کی ادائیگی کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ان کا سارا وقت گھر کے کام کاج میں گزر جاتا ہے۔ اگر یہ خواتین مردوں کی کمائی میں سے بچت کرکے پیسے جمع کریں اور اس سے اپنا کاروبار شروع کریں تو یہ ناممکن ہوگا کیونکہ ان دونوں براعظموں میں زیادہ تر مردوں کی کمائی اتنی زیادہ نہیں ہے کہ اس میں سے ہر ماہ ایک مخصوص رقم پس انداز کرلی جائے۔ اگر ایسا ہو ناممکن بھی ہو تو یہاں خاندانی نظام ملیامیٹ ہو جائے گا کیونکہ یہاں کا خاندانی نظام قائم رکھنے کے لیے عورت کا گھر میں اپنے گھریلو امور کو انجام دینا بہت ضروری ہے۔ اس پورے ماحول میں خواتین کے اندر وہ قائدانہ صلاحیت ہی پیدا نہیں ہو پاتی ہے جس کی مدد سے تجارتی کمپنی چلائی جاسکے۔ چنانچہ زیادہ تر خواتین گھروں میں ہی بیٹھی رہتی ہیں(1)۔

بعض خواتین کے ساتھ ان کے شوہر جب تجارتی امور میں تعاون کرنے اور ان کی اخلاقی مدد کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں تو ایک اور مسئلہ سر اٹھالیتا ہے۔ ۲۰۰۸ میں ہونے والی تحقیق کے مطابق ایسی عورتیں جب اپنے مرد حضرات کے ساتھ بینک سے قرضہ حاصل کرنے کے لیے جاتی ہیں تو ان کے ساتھ قرضے کے حوالے سے تعاون کرنے کے بجائے بینک والے ان کے مردوں کو ساتھ دوستانہ مراسم بنا کر ان کو ترغیب دیتے ہیں کہ اپنی خواتین کو تجارت میں لانے کے بجائے وہ خود بینک سے قرضہ حاصل کرکے تجارت کریں۔

بعض خواتین جب حکومت کی جانب سے خواتین کی فلاح و رفاہ کے لیے قائم کردہ اداروں میں قرضے یا مالی معاونت کے لیے جاتی ہیں تو ان اداروں کے پاس اس سرے میں کوئی سرمایہ موجود ہی نہیں ہوتا ہے حالانکہ یہی ادارے خواتین کو معاشی طور پر گھروں سے نکل کر کاروبار کرنے کی جانب گامزن کرنے کے لیے اخباروں او رٹی وی میں اشتہارات دے رہے ہوتے ہیں(2)۔

1۔ ایضا

2. Roomi, M. A., & Parrott, G. (2008). Barriers to development and progression of women entrepreneurs in Pakistan. The Journal of Entrepreneurship, 17(1), 59-72.

بینک عورتوں کے بجائے مردوں کو اسی لیے قائل کرتے ہیں کہ ان کا پیسا ڈوب نہ جائے۔ یہ خواتین کا فطری میدان نہیں ہے اور بینک والوں کو اس کا احساس ہوتا ہے۔ اس ناکامی سے بچنے کے لیے یہی بہتر ہے کہ یہ کام مرد کریں جو اپنی بہتر صلاحیتوں اور قوت کی بناپر اس کی انجام دہی کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ بعد میں آنے والی رپورٹیں اسی کو ثابت کر رہی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کاروبار اسی صورت میں کامیاب ہوتا ہے اگر تاجر کے تعلقات وسیع پیمانے پر مسلم ہوں۔ جس تاجر کے تعلقات کاروباری دنیا میں محدود ہوں اس کا کاروبار زیادہ بہتر انداز میں چلنے سے قاصر رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواتین کے لیے تجارت ایک پیچیدہ عمل ہے کیونکہ تعلقاتِ عامہ کے حوالے سے ان کا دائرہ محدود ہوتا ہے۔ اپنی گوناں گوں تحفظات اور تہذیبی روایات کی بناپر وہ اس کو ایک مخصوص حد سے زیادہ بڑھا نہیں سکتی ہیں۔ البتہ یہ مسئلہ صرف ان خواتین کے لیے ہے جو محض اپنے بل بوتے پر کاروبار چلانے کی کوشش میں مگن ہوتی ہیں۔ جن خواتین کو تجارت میں ان کے خاندان کے افراد مدد فراہم کریں اور ہر قسم کی معاونت کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں انہیں تعلقاتِ عامہ میں فقدان کے باعث نقصان سے دوچار نہیں ہونا پڑتا ہے۔

ترقی پذیر ممالک کی خواتین کاروباری حوالے سے شروعات تو کر لیتی ہیں لیکن تجارتی امور کے لیے مطلوبہ تجربہ اور تربیت نہ ہونے کی وجہ سے ان کا کاروبار نقصان سے دوچار ہو جاتا ہے[1]۔ اس کی مثال میں کینیا کو پیش کیا جا سکتا ہے جہاں مردوں کے مقابلے میں خواتین نے تجارت شروع کی تو عدم تجربہ کاری کی بناپر وہ مردوں کے مقابلے میں تجارت کو کامیاب بنانے میں ناکام رہیں۔ وہاں مڈل سکولوں کی حد تک تو جنسی امتیاز کو کم کرنا ممکن ہو سکا ہے لیکن ہائی سکول میں یہ امتیاز پھر سے شروع ہو جاتا ہے۔ پورے ملک میں مردوں کو کاروباری امور سے متعلق بہترین تربیت دی جاتی ہے لیکن خواتین کو مردوں کے ماتحت کام کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے انہیں قائدانہ صلاحیتوں کو نکھارنے والی تربیت سے دور رکھا جاتا ہے[2]۔

---

1. Klapper, L. F., & Parker, S. C. (2010). Gender and the business environment for new firm creation. The World Bank Research Observer, 26(2), 237-257.

2. Mwobobia, F. M. (2012). The challenges facing small-scale women entrepreneurs: A case of Kenya. International Journal of Business Administration, 3(2), 112

FSB[1] کی تحقیق منعقدہ ۲۰۱۶ کے مطابق اس سارے عمل کی وجہ سے خواتین اب خوف کا شکار ہیں اور ان میں مہارتو ں کی کمی کی بنا پر اب احساس کمتری پیدا ہو رہا ہے۔ ۲۲ فیصد خواتین نے اس سروے میں بتایا کہ جب انھوں نے کاروبار شروع کیا تب انہیں خود اعتمادی کی کمی کا سامنا کرنا پڑا اور یہ سب سے بڑا مسئلہ تھا جس کا حل نظر نہیں آ رہا تھا[(2)]۔

۲۰۱۲ میں تین محققین (Shinnar, Giacomin, Janssen) نے چین، بیلجئم اور امریکہ میں سروے کیے اور اس کے بعد اپنی تحقیق میں بتایا کہ ان ترقی یافتہ ممالک میں بھی تجارت کے شعبہ میں خواتین کو جنسی امتیاز کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ جن مسائل کی بنا پر خواتین زیادہ پریشان ہیں ان میں پہلا مسئلہ خواتین میں قابلیت کا فقدان ہے اور دوسرا مسئلہ تاجر خواتین کی مدد نہ کرنے کی روایت ہے۔ تینوں ممالک میں ان دو مسائل کے حوالے سے مردوں کو کسی بھی قسم کا مسئلہ درپیش نہیں ہے[(3)]۔

بعض سیکولر نقطہ نظر کے حامل محققین کا خیال ہے کاروباری مسائل میں سے جن مسائل کا پاکستانی خواتین کو زیادہ سامنا کرنا پڑ رہا ہے ان میں سے پردہ، مقامی پن اور خواتین کی کاروباری حوالے سے تربیت کرنے والے اداروں کا فقدان سرِ فہرست ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ زیادہ تر مرد حضرات یہ گوارا نہیں کرتے ہیں کہ وہ کسی خاتون کی ماتحتی میں کام کریں۔ اس بنا پر انھیں مردوں کی صورت میں قابل اور تجربہ کار سٹاف نہیں ملتا ہے اس لیے بھی خواتین کے کاروبار ترقی کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔[(4)]

ان مسائل پر قابو پانے کے لیے پاکستانی حکومت نے چھوٹی سطح پر کام کرنے والے مالی ادارے قائم کیے تا کہ خواتین کو تجارت میں شامل کر کے ملکی ترقی میں اپنا کردار ادا کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ اس صورت میں بھی خواتین کو خاطر خواہ کامیابی میسر نہیں آ سکی کیونکہ خواتین کو کسی حد تک ترغیب اور مالی مدد کے ذریعے میدان میں تو اتار دیا گیا لیکن ان کو تجارتی کاموں کی تربیت نہ دی گئی۔

---

1. Federation of small business

2. (Federation of small business, 2016)

3. Shinnar, R. S., Giacomin, O., & Janssen, F. (2012). Entrepreneurial perceptions and intentions: The role of gender and culture. Entrepreneurship Theory and practice, 36(3), 465-493.)

4. Roomi, M. A., & Parrott, G. (2008). Barriers to development and progression of women entrepreneurs in Pakistan. The Journal of Entrepreneurship, 17(1), 59-72.

معاشرے کی ترقی محض زر اور پیسا کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔ ترقی یافتہ معاشرہ وہ ہوتا ہے جہاں امن اور سکون ہو۔ جہاں قانون شکنی کے مسائل جنم نہ لے سکیں۔ مرد اور عورت اپنے فطری تقاضوں کے مطابق کام کر رہے ہوں۔ جس معاشرے میں محض پیسے کے حصول کے لیے کوششیں ہو رہی ہوں وہاں متعدد مسائل جنم لیتے ہیں۔ ایسے معاشرے میں پیسے کا ضیاء، بے وقعت کاموں پر توانائیوں کا استعمال، امن و سکون کا فقدان اور دیگر کئی پریشانیاں جنم لیتی ہیں۔

اس سلسلے میں آخری کوشش اقوام متحدہ کی جانب سے کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ پاکستانی خواتین کو تجارتی شعبے میں آگے لانے کے لیے کچھ اہم اقدامات کیے گئے ہیں۔ ان اقدامات کے ذریعے خواتین کی نہ صرف مالی مدد کی جا رہی ہے بلکہ انہیں تجارتی شعبوں میں مطلوب مہارتیں بھی سکھائی جا رہی ہیں۔ اس ضمن میں تین اہم ادارے "فرسٹ ویمن بینک، پاکستان فنڈز برائے انسدادِ غربت اور SME بینک" متحرک ہیں۔ ویمن چیمبر آف انڈسٹری ایسے ادارے قائم کیے گئے ہیں تاکہ خواتین کی تجارت میں نمائندگی کو سامنے لایا جاسکے۔

## خواتین کے معاشی مسائل کا تجزیاتی جائزہ

اس ساری بحث کو سمیٹا جائے تو مندرجہ ذیل مسائل سامنے آتے ہیں جو تجارت پیشہ خواتین کو درپیش ہیں:

۱. ناتجربہ کاری
۲. مالی وسائل کی عدم دستیابی
۳. معاشرے کی جانب سے عدم معاونت
۴. خاندان کی طرف سے اجازت نہ ملنا
۵. مذہبی شعائر کی تاویلات کے ذریعے حوصلہ شکنی
۶. باہمی رابطے کی کمی
۷. کام کرنے کے اوقات میں عدم توازن
۸. رشتے داروں کی جانب سے نفسیاتی مسائل
۹. اخلاقی تعاون کی کمی

ان مسائل کا حل یہ بتایا گیا ہے کہ:

۱. گھر والوں کی طرف سے تجارت کی اجازت ملے اور مالی وسائل بھی دیے جائیں۔
۲. کاروبار میں گھر کے مردوں کی جانب سے مکمل طور پر معاونت فراہم کی جائے۔
۳. مالی وسائل نہ ہونے کی صورت میں بینکوں سے قرضے دلوائے جائیں اور خواتین کو تجارت میں لایا جائے۔

۴. قرضے دلوانے سے قبل خواتین کو ان کے متعلقہ پیشے کے حوالے سے باقاعدہ تربیت دی جائے۔

راقم الحروف کے نزدیک مندرجہ بالا تجاویز پاکستان کے اسلامی معاشرے کے لیے ناقابل عمل اور نقصان دہ ہیں کیونکہ سب سے پہلے ان تجاویز میں اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ خواتین کا اصل دائرہ کار گھر کی چار دیواری میں رہ کر بچوں کی پرورش اور تربیت کرنا ہے۔ اگر انہیں ان کے اس فطری اور اہم ترین فریضے سے آزاد کر کے بازار میں مصروف عمل کر دیا جائے تو اس صورت میں بچوں کی پرورش، تربیت، جذباتی اور نفسیاتی نشوونما پر جو زد پڑے گی اس کے نتیجے میں آنے والی ساری نسل بے راہ روی اور نفسیاتی وذہنی عارضوں کا شکار ہو جائے گی۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ تجاویز میں عورت کی اصل حرمت اور اس کے فرائض کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ان کی فطری ذمہ داریوں کے علاوہ دیگر ذمہ داریاں بھی ان پر ڈال دی گئی ہیں جو ان کے ساتھ ناانصافی ہے۔

گھر والوں کی جانب سے لگائی گئی پابندیوں اور اجازت کے نہ ملنے کو اس انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ جیسے خاندانی نظام میں عورت کا چادر اور چار دیواری میں رہنا ایک مکروہ عمل ہو۔ حالانکہ گھر والوں کی جانب سے اجازت کا نہ ملنا اس امر کا غماز اور عکاس ہے کہ گھر کے اخراجات پہلے ہی مناسب انداز میں مردوں کی کمائی سے پورے ہو رہے ہیں۔ اس لیے گھر کی عورت کو کاروبار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس صورت میں عورت کا گھر رہنا اور خاندانی نظام میں اپنے ان فرائض کو ادا کرنا زیادہ ضروری ہے جس کی بنا پر اس کا تقدس زیادہ بہتر انداز میں قائم ہے۔ معاشرے میں ایک طرح سے توازن اور اطمنیان بھی موجود ہے

بینک سے قرضوں کے حوالے سے بھی کئی اقسام کے الجھنیں اور مخمصے موجود ہیں۔ بینک نے جو قرضہ عورت کو دے کر اس کو کاروبار میں لا کھڑا کرنے کی ذمہ داری ادا کرنی ہے وہی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے بینک مرد کو قرضہ دے کر اس کو معاشرے میں اپنے مالی فرائض کی ادائیگی میں معاونت کیوں فراہم نہیں کرتا ہے۔ جس ملک میں نوجوان اور مرد حضرات بے روزگار پھر رہے ہوں اس ملک میں عورتوں کو گھروں سے باہر نکال کر کاروباری ترغیبیں دینا چہ معنٰی دارد؟ اس سے پر امن ماحول مکدر کرنے کے علاوہ اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو گا۔

جس تجارت کا معاصر تصور اور عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا گیا ہے اس میں عورت نامحرموں سے بے تکلف ہو جاتی ہے، کاروباری اغراض کے لیے دن کا طویل حصہ کام میں گزرتا ہے، بیرون ممالک اکیلی یا نامحرموں کے ساتھ سفر کرتی ہے، معاشی اعتبار سے ایسے کئی خطرے مول لیتی ہے جن کا سامنا کرنے کی اس میں سکت نہیں ہے، اس پورے نظام میں عورت کا جو تجارتی کردار پیش کیا جاتا ہے، شرعی طور پر اس کی کوئی اجازت نظر نہیں آتی ہے۔ یہ فطرت سے ہم آہنگ بھی نہیں ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام نے خواتین کی تجارت کا تصور دیا ہے لیکن ضرورت کے بغیر اس کو گھر سے نکلنے تک سے منع فرمادیا ہے چہ جائے کہ اس کو اس کے گھر اور چادر و چار دیواری سے نکال کر مستقل باہر کی دنیا میں دھکیل دیا جائے جس کے چیلنجز سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اسے قدم قدم پر ٹھوکر لگے۔ اسلام نے خواتین کی تجارت کے لیے جو حدود و قیود مقرر کی ہیں وہ اس باب کی پہلی فصل میں بیان کر دی گئی ہیں۔ اگر ان کی پابندی کرتے ہوئے کسی قسم کی تجارت ممکن ہو تو شرعی تعلیمات کی روشنی میں ان کو جواز ملتا ہے لیکن عورت کے فطری تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے جو بھی سر گرمیاں ہو گی لا محالہ ان کا نتیجہ نقصان کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو گا۔ سرویز اور رپورٹیں اس کی تصدیق کر رہے ہیں۔

# فصل چہارم: عسکری میدان میں عورت کا کردار اور مسائل کا حل

تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے عالمی منظر نامے میں افواج میں خواتین نے ہر ملک کی تاریخ، مذہب، ثقافت اور تہذیب کے پیرائے میں اپنے آپ کو اس طرح پیش کیا ہے کہ اب دفاعی اعتبار سے ان کا کردار مزید وسیع ہوتا جا رہا ہے۔اس کی وجہ سے پاکستانی کی مسلح افواج میں بھی خواتین نے اپنے قدم مضبوط کر لیے ہیں اور اب ان کے کام کی رفتار اور معیار میں مردوں کے مقابلے میں زیادہ فرق نہیں رہا ہے[1]۔

## بری افواج میں خواتین کی شرکت اور کام کی نوعیت

پاک فوج میں خواتین نے قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی شمولیت اختیار کرنا شروع کر دی تھی ۱۳ جون ۲۰۱۳ کی رپورٹ کے مطابق پاکستانی افواج میں تقریباً چار ہزار خواتین فوجی خدمات سرانجام دے رہی ہیں[2]۔

قیامِ پاکستان کے بعد جب پاکستان اور بھارت کے مابین جنگ چھڑ گئی تو آرمی کے جوانوں کو طبّی امداد پہنچانے کے لیے بیگم رعنا نے ۱۹۴۸ میں خواتین کی ایک رضاکار فوج تیار کرنے کی تحریک چلائی[3]۔ بیگم رعنا کا یہ اقدام اس قدر موثر ثابت ہوا کہ بعد میں پاکستان آرمی میں اس کو ارتقائی مراحل سے گزارنے کے بعد "پاکستان آرمی میڈیکل کور[4]" تشکیل دیا گیا۔ آرمی کے اس ادارے کا مقصد افواج کے ساتھ ساتھ سول سطح پر صحت و علاج کے ساتھ ساتھ قدرتی حادثات کی صورت میں امداد فراہم کرنا ہے۔

۱۹۴۹ میں ایک خاتون نے لڑائی میں موثر کردار ادا کرنے کے حوالے سے آرمی کی جانب سے پیش کیے جانے والے کئی کورسوں میں حصہ لیا اور انفرادی طور پر اس کو عملی طور پر شروع کرتے ہوئے پاکستان آرمی ویمن نیشنل گارڈز

---

1. ISPR Officials (September 2, 2012). "Pakistan: Woman in running to become first 3 star general". Indian Express. New Delhi: Indian Express Group of Newspapers. p. 1.

2. "Pakistan fighter pilot wins battle of sexes, now she's ready for war". The Express Tribune. 13 June 2013. Retrieved 15 April 2015.

3. Press. "Women In Pakistan Army". Story of Pakistan. Retrieved 3 September 2012.
https://storyofpakistan.com/begum-raana-liaquat-ali-kha

4. Pakistan Army Medical Corps

[1] کی بنیاد رکھی۔اس یونٹ کی پہلی جنرل آفیسر کمانڈنگ کا عہدہ بیگم رعنا کو دیا گیا اور ان کا رینک بریگیڈیئر کا رکھا گیا[2]۔

بیسویں صدی میں خواتین کو عملی طور پر لڑائی میں شریک ہونے سے منع کر دیا گیا تھا البتہ خواتین کی ایک ٹیم کو ملٹری ایمرجنسی والے علاقوں میں طبّی امداد مہیا کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔

۲۰۰۲ میں محترمہ شاہدہ ملک کو ڈبل سٹار رینک دیتے ہوئے پاکستان کی پہلی خاتون میجر جنرل کا عہدہ دیا گیا تھا۔ شاہدہ بادشاہ پاکستان کی دوسری میجر جنرل تھیں۔

۲۰۱۵ میں بریگیڈیئر نگار جوہر پاکستانی آرمی کی کمانڈ کرنے والی پہلی خاتون ملٹری جنرل بن گئیں۔انہیں طبّی شعبے میں کئی ہسپتالوں کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری سونپی گئی۔۲۰۱۷ میں انہیں پاکستان کی تیسری میجر جنرل بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ان کا تعلق آرمی میڈیکل کور کے ساتھ ہے[3]۔بطور میجر جنرل وہ آرمی میڈیکل کالج راولپنڈی کی پرنسپل بھی رہی ہیں[4]۔

سندھ سے لیفٹیننٹ کرنل شاہدہ اکرم بُرگری نے پاکستان میڈیکل کور کی پہلی خاتون ڈاکٹر کے طور پر پاکستان آرمی میں کمیشن کے ذریعے ترقی حاصل کی۔

۱۹۷۱ کی جنگ کے دوران اور اس جنگ کے بعد پاکستان آرمی کو طبّی امداد پہنچانے کے لیے میدان جنگ میں خواتین کی خدمات کی ضرورت پڑی تو اس کے لیے ایک مخصوص دستہ تیار کیا گیا جس کی خواتین کو خصوصی تربیت کے ذریعے میدان جنگ میں زخمی فوجیوں کی دیکھ بھال کرنے کے طریے سکھائے گئے[5]۔اس عمل نے افواج میں خواتین کے لیے طبّی اور تکنیکی شعبوں کے دروازے کھول دیے اور اس وقت سے خواتین کو میدان جنگ میں بری افواج کے ساتھ کام کرنے سے ہمیشہ کے لیے منع کر دیا گیا ہے اور ان کو محض انتظامی اور تکنیکی عہدوں پر کام کرنے کی اجازت دی

---

1. Pakistan Army Women National Guard (WNG)
2. Press. "Women In Pakistan Army". Story of Pakistan. Retrieved 3 September 2012.
3. Dawn.com (14 February 2017). "Nigar Johar becomes the third female major general in Pakistan's history". dawn.com. Retrieved 6 April 2018.
4. Dawn.com (14 February 2017). "Nigar Johar becomes the third female major general in Pakistan's history". dawn.com. Retrieved 6 April 2018.
5. ISPR, Inter-Services Public Relations. "Making The Mark - Women In Pakistan - Part 1". Government of Pakistan. Retrieved 3 September 2012.

گئی ہے[1]۔ ۲۰۰۴ کے بعد خواتین کو جنگ لڑنے کی تربیت تو دی جارہی ہے لیکن ان کو عملی طور پر ابھی تک میدان جنگ میں نہیں اتارا گیا ہے[2]۔ اعلیٰ عہدوں پر براجمان خواتین طبّی امور سے متعلق منصوبوں کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ ۱۴ جولائی ۲۰۱۳ء میں پاکستان کی فوجی تاریخ میں ۲۴ خواتین افیسرز نے، جن میں سے زیادہ تر ڈاکٹر اور انجینئر تھیں، نے پیراشوٹ ٹریننگ اسکول کے ذریعے پیراٹروپس کورس کامیابی سے پاس کرلیا[3]۔

اس بحث سے ثابت ہوا کہ پاک فوج میں خواتین نے قدم ملکی دفاع میں قدم رکھا ہے اور وہ اپنی ذمہ داریاں ادا کررہی ہیں۔ ایک طرح سے ان کا کام صحابیات کے کام کے مشابہ ہے کہ مشکل اوقات میں فوجی جوانوں کو طبّی امداد اور دیگر معاونتی خدمات پیش کریں لیکن مستقل فوجی مہمات کا حصہ بننا خواتین کے فطری تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو رسول رحمت ﷺ ضرور ایسا کرتے۔

فضائی افواج میں خواتین کی شرکت اور ان کی نوعیت

شروع میں خواتین کو لڑاکا طیارے اڑانے اور جنگوں میں مرد فوجیوں کے شانہ بشانہ شرکت کرنے کے لیے تربیت دینے کا پروگرام بھی شروع کیا گیا تھا لیکن اس پروگرام کو جنرل فرینک والٹر میسری( Frank Walter Messervy) نے برخاست کر دیا۔ جنرل میسری پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں برطانوی فوج کے انڈین دستے کے افیسر تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ان کو پاکستان آرمی کا کمانڈر ان چیف مقرر کیا گیا تھا اور وہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ تا ۱۰ فروری ۱۹۴۸ اس عہدے پر براجمان رہے۔

۲۰۰۶ میں پہلی لڑاکا خواتین پائلٹ بیچ نے پاکستان ایئر فورس میں شمولیت اختیار کی تھی[4]۔

۲۰۰۳ میں پاکستان ایئر فورس نے خواتین کو لڑاکا طیاروں کے استعمال میں مہارت دینے کے لیے ایک نیا جنگی پروگرام تشکیل دیا[5]۔ اس پروگرام کے کورسز کو کامیابی سے پاس کرنے کے بعد ۲۰۰۶ میں خواتین کے پہلے لڑاکا بیچ

---

1. Ibid

2. Ibid

3. "Pakistan Army: First female paratroopers make history". The Express Tribune. 14 July 2013. Retrieved 14 July 2013.

4. Abbas, Zafar (30 March 2006). "Pakistan gets women combat pilots". BBC News. Islamabad: BBC News, Islamabad. p. 1. Retrieved September 2, 2012.

5. Zaffar Abbas (30 March 2006). "Pakistan gets women combat pilots". BBC Pakistan. Retrieved 9 September 2012.

نے پاکستان کی فضائی افواج کے جنگی خدمات سر انجام دینے والے شعبے میں شمولیت اختیار کی۔اس وقت کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل احسن سلیم حیات نے ان کامیاب خواتین و حضرات کو پاکستان ائیر فورس اکیڈمی میں اعزازی سر ٹیفکیٹس دیے۔یہ خواتین نہ صرف جنگی جہاز اڑانے کی صلاحیت رکھتی ہیں بلکہ ان جہازوں کے ساتھ وزنی اسلحہ لیکر جانے اور اس اسلحہ کو استعمال کرنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہیں[1]۔

پاکستان کی فضائی اجو اف کی خو اتین ایک تنظیم "Pakistan Air Force Women Association (PAFWA)" بھی چلا رہی ہیں۔اس تنظیم کا مقصد خواتین کو پاکستان کی فضائی افواج میں شرکت کرنے کی ترغیب دینا ہے[2]۔

مریم مختار پاکستان کی پہلی فضائی افیسر تھیں جو معمول کی مشق کرنے کے دوران شہید ہوئی تھیں[3]۔

راقم الحروف کا موقف ہے کہ محض مغرب کی تقلید میں خواتین کو بری اور فضائی افواج کا حصہ بنالینا مناسب نہیں ہے بالخصوص جب امت میں جوانوں کی کمی نہ ہو۔خواتین کے لیے بہتر یہی معلوم ہوتا کہ ان کو طبّی خدمات اور دفتری امور کے لیے افواج میں کام دیا جائے۔

## بحری افواج میں خواتین کی شرکت اور کام کی نوعیت

بحری افواج میں خواتین کو شامل ہونے سے روکا جاتا ہے۔اگر آبدوز کے اندر کام کرنے کا موقع ہو تو اس سلسلے میں خواتین کے لیے کسی قسم کا کوئی کوٹہ ہی نہیں رکھا جاتا ہے۔البتہ بحری فوج کے ریجنل ہیڈ کوارٹر یا مرکزی ہیڈ کوارٹر میں خواتین کے لیے کام کرنے کی اجازت ہوتی ہے[4]۔یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر خواتین نے حالیہ برسوں میں پاکستان

---

1. "PAF Female Pilots complete Operational Conversion on F-7P fighter aircraft". Inter-Services Public Relations. Retrieved 9 September 2012.
2. "Pakistan Air Force Women Association. (PAFWA)". Pakistan Air Force (PAF). Retrieved 9 September 2012.
3. "Flying officer Mariam Mukhtar dies in F-7 Jet crash". The Nation. 24 November 2015.
4. Staff report (July 5, 2011). "Splendid passing-out parade held for smartly turned out naval officers". Tribune Express. Pakistan Naval Academy: Tribune Express. p. 1. Retrieved September 2, 2012.

کی فضائی افواج میں شمولیت اختیار کی ہے[1]۔یہی مناسب بھی ہے کیونکہ اسلام نے غیر مسلم اور عورت پر اسلامی ریاست کی دفاعی ذمہ داریاں نہیں ڈالی ہیں اس لیے خواتین پر ایسی ذمہ داریاں ڈالنا مناسب نہیں ہے۔اگر خواتین کو یہ ذمہ داریاں سونپ دی جائیں تو مردوں کا کیا مصرف ہو سکتا ہے۔

فوجی خواتین کے مسائل

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور اس ملک کی افواج مادی سرحدوں کے ساتھ ساتھ نظریاتی سرحدوں کی بھی محافظ ہیں۔یہی وجہ ہے کہ پاک فوج میں خواتین کو ہمیشہ عزت اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔انہیں بھرپور طریقے سے تحفظ فراہم کیا جاتا ہے اور ان کی ہر ایک ضرورت کا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔

پاک فوج میں خواتین کی جانب سے تاحال ایسی کوئی شکایت سامنے نہیں آسکی ہے جس کی بنا پر فوج میں کام کرنے والی عورتوں کے بارے میں کسی تشویش کا اظہار کیا جاسکے۔

دوسری جانب دنیا کے طاقت ور ترین ملک امریکہ کی افواج میں خواتین کئی مسائل کا شکار نظر آتی ہیں۔ان میں سے سب سے بڑا مسئلہ جنسی ہراسگی کا مسئلہ ہے۔آئے روز خواتین کی جانب سے شکایت کی جاتی ہے کہ ان کے ساتھی افیسران کے ساتھ جنسی زیادتی کرتے ہیں اور جنسی ہراسگی امریکی فوج میں ایک معمول کی صورت اختیار کرچکی ہے۔

صرف ۲۰۱۸ میں امریکی فوج میں کام کرنے والی ساڑھے بیس ہزار (۲۰۵۰۰) خواتین نے یہ شکایت کی ہے کہ ان کے ساتھ ان کے ساتھی مردوں نے زبردستی جنسی تعلقات قائم کیے تھے۔ان خواتین نے محکمہ دفاع کے سیکرٹری سے مطالبہ کیا کہ جنسی ہراسگی کو قانونی طور پر جرم قرار دیا جائے۔۲۰۱۶ میں ان واقعات کی تعداد ۱۴ ہزار سے کچھ زیادہ تھی۔

۸۵ فیصد سے زیادہ واقعات میں ریپ کا شکار ہونے والی خواتین اپنے مجرم کو جانتی ہیں۔ان خواتین میں زیادہ تعداد ۱۷ برس سے ۲۴ برس کی لڑکیاں شامل ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ ان کے کولیگ ہی ان کو ریپ کا شکار کرتے ہیں۔اس رپوٹ میں بتایا گیا کہ جنسی ہراسگی کے واقعات ان مردوں کی طرف سے زیادہ آتے ہیں جو شراب نوشی کے رسیا ہیں۔

1. Amie Ferris-Rotman (13 June 2013). "Pakistan fighter pilot wins battle of sexes, now she's ready for war". Yahoo News Pakistan. Retrieved 13 June 2013.

بہت سی خواتین اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کی رپورٹ اعلیٰ حکام تک پہنچانے میں تردد کا شکار ہوتی ہیں اس لیے متعلقہ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ محض ایک تہائی واقعات کی رپورٹ کی گئی ہے جب کہ حقیقی تعداد اس سے بہت زیادہ ہے۔ نشریاتی ادارے کی جانب سے مندرجہ ذیل گراف بھی پیش کیا گیا ہے:

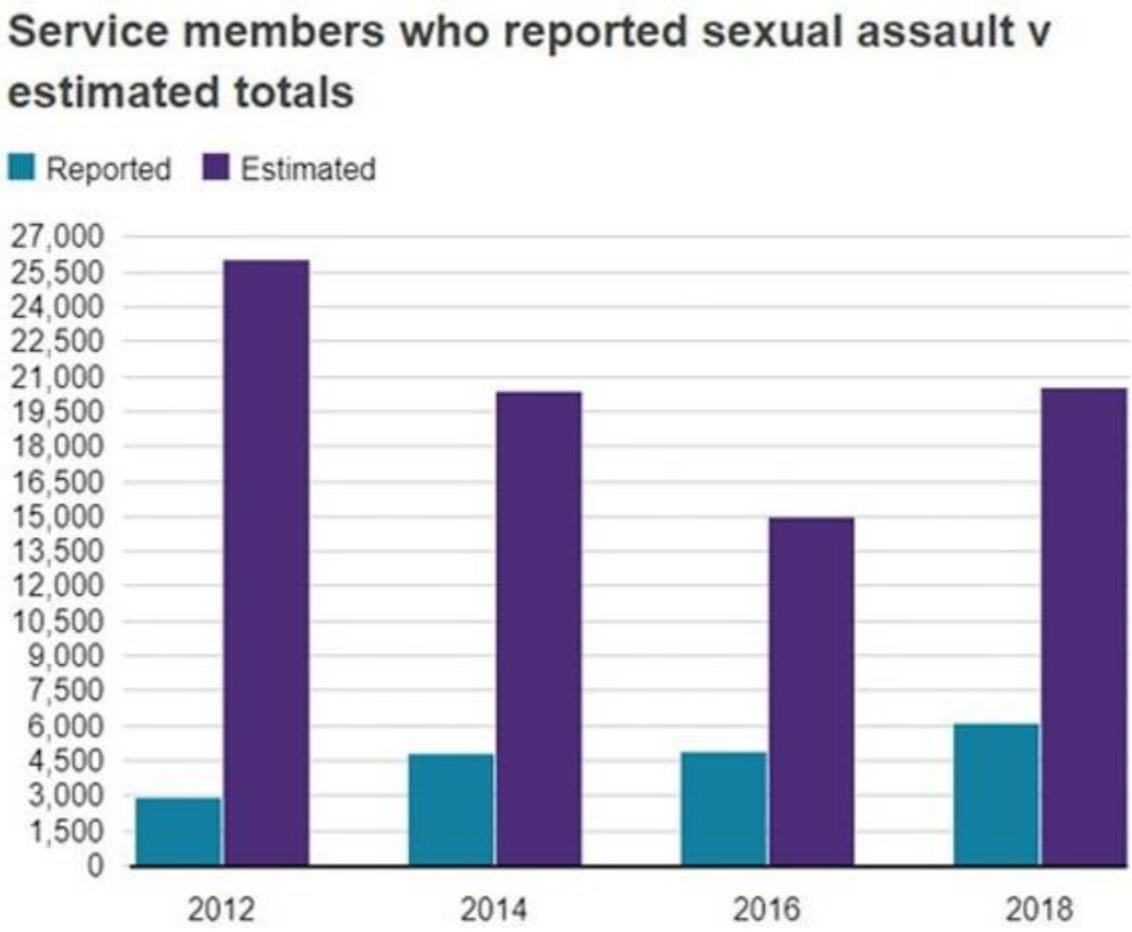


پاکستان میں اردو نشریاتی اداروں میں سے یہ رپورٹ بی بی سی[1] اور ڈان نیوز[2] نے شائع کی ہے۔

## تجزیہ

پاکستانی افواج میں خواتین کے کردار کو عین اسلامی طرز کا بنایا گیا ہے۔ دوسرے باب میں خواتین کے عسکری کردار کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ ابھی تک پاک فوج میں خواتین محفوظ اور مامون ہیں۔ تاہم اس کو فوج کا مستقل حصہ نہ بنایا جائے جس کا مقصد دشمن سے لڑنا ہو بلکہ ان سے طبّی اور دیگر معاون کاموں میں مدد لی جانی چاہیے۔

---

1. https://www.bbc.com/urdu/world-48142220
2. https://www.dawnnews.tv/news/1102547

# فصل پنجم : طبّی میدان میں عورت کا کردار اور مسائل کا حل

پاکستان میں میڈیکل سے متعلقہ شعبوں کی تعلیم کے حصول کے لیے لڑکوں سے زیادہ لڑکیاں قسمت آزمائی کرتی ہیں۔کچھ لوگ تعلیم مکمل کر پاتے ہیں اور کچھ لوگ درمیان میں ہی چھوڑ جاتے ہیں۔ تعلیم مکمل کرنے والوں میں سے ۷۰ فیصد طالبات ہیں۔اس کے نتیجے میں ہونا تو یہ چاہیے کہ خواتین ڈاکٹروں کی تعداد مرد ڈاکٹروں سے زیادہ ہو ۔لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ زیادہ تر خواتین میڈیکل کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد یا تو طب کے شعبے میں قدم ہی نہیں رکھتی ہیں اور جو خواتین اس شعبے میں آتی ہیں ان میں سے اکثر خواتین سروس کے دوران ہی کام چھوڑ دیتی ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ خاندان، سماج، شعبے کے منتظمین، کولیگز اور دیگر مسائل کی بنا پر ان کے لیے اس پیشے کو جاری رکھنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔اس فصل میں وطنِ عزیز میں کام کرنے والی خواتین ڈاکٹروں کے مسائل کو سامنے لانے کے لیے ایک سروے کیا گیا ہے تاکہ ان مسائل کو حل کرتے ہوئے مستقبل کی ماہراتِ طب کی پیشہ ورانہ زندگی میں بہتری پیدا کرنے کا راستہ کھولا جا سکے۔

## خواتین ڈاکٹروں کے عمومی مسائل

خواتین ڈاکٹروں کو صرف پاکستان میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں مسائل درپیش ہیں اور ان مسائل سے متعلق متعدد مغربی محققین نے تحقیقی سروے کر رکھے ہیں جن میں " Julia E McMurray, Mark Linzer, Thomas R Konrad, Jeffrey Douglas, Richard Shugerman, Kathleen Nelson "کا سروے قابل ذکر ہے[1]۔

عالمی سطح پر خواتین ڈاکٹروں کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ان میں سے کثیر تعداد میں ایسے مسائل ہیں جو پاکستانی ڈاکٹر خواتین کو بھی درپیش ہیں۔ بعض مسائل ایسے ہیں جن کی شدت پاکستانی ڈاکٹروں کے لیے زیادہ ہے۔ان مسائل کی بنیاد مندرجہ ذیل اسباب ہیں:

بعض علاقوں کا ثقافتی پسِ منظر کچھ اس انداز میں بنا ہے کہ اس کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے خواتین ڈاکٹروں کا اپنے پیشے میں پر سکون انداز میں کام کرنا ممکن نہیں ہے۔

کچھ علما نے خواتین کے ضابطہ حیات اور دائرہ کردار سے متعلق مذہبی تعلیمات کی ایسی تاویلات کر رکھی ہیں جن کی رو سے خواتین کے لیے شعبہ طب میں کام کرنا جائز نہیں ہے۔

---

1. The Work Lives of Women Physicians,Results from the Physician Work Life Study. J Gen Intern Med. 2000 Jun; 15(6): 372–380.

خواتین کی میڈیکل ایجوکیشن کے لیے حکومت کی جانب سے مہیا کردہ وسائل انتہائی محدود ہیں۔ مطلوب ذرائع اور وسائل کی کمیابی کی بناپر خواتین کے لیے طبّی خدمات سرانجام دیناانتہائی مشکل ہے۔

حکومت کی جانب سے خواتین ڈاکٹروں کو سفر، رہائش اور دیگر ضروریاتِ زندگی کے حوالے سے انتہائی محدود سہولیات دی جاتی ہیں جن کے ذریعے ایک پر سکون زندگی گزارنا ان کے لیے مشکل ہے[1]۔

میڈیکل کے شعبے میں کام کرنے وال خواتین کی ڈیوٹی کادورانیہ انتہائی طویل ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کی زندگی گوناں گوں مسائل سے دوچار ہو جاتی ہے[2]۔

وہ خواتین جو میڈیکل کے شعبے میں کام کرتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ پوسٹ گریجوایٹ کی سطح پر طب کے کسی شعبہ میں تخصص کر رہی ہوتی ہیں، ان کی تعلیم اور پیشہ ورانہ خدمات کے سبب ان کی خاندانی زندگی انتہائی منفی انداز میں متاثر ہوتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کے لیے پیشہ ورانہ خدمات میں قابلیت اور مہارت کا مظاہرہ کرنا بھی انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔ بہت زیادہ مطالعہ اور بہت زیادہ کام کی بناپر ان کی صحت بھی خراب رہتی ہے[3]۔

طب کا شعبہ بعض کیسوں میں انتہائی ہمت اور سخت اعصابی قوت کا متقاضی ہوتا ہے اور خواتین کے بارے میں عموماً یہ خیال پایا جاتا ہے کہ وہ اعصابی طور پر مردوں کی طرح مضبوط نہیں بلکہ کمزور ہوتی ہیں۔ اس لیے ان خواتین کو ایسے طبّی معاملات کی تربیت نہیں دی جاتی ہے جن کو محض مردوں کے لیے مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ خواتین میں وہ پیشہ ورانہ صلاحیت پیدا ہی نہیں ہو پاتی ہے جو مردوں میں ہوتی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ خواتین ڈاکٹروں کو بھی دیگر شعبوں میں کام کرنے والی عورتوں کی طرح جنسی امتیاز کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

---

1. Seema arif. Broken wings: issues faced by female doctors in Pakistan regarding carrier development.International Journal of Academic Research in Business and Social Sciences. August 2011; vol 1, special issue

2. Juma AA, Hosein S. Resident duty hours: globally accepted standards and the situation in Pakistan. J Pak Med Assoc. 2011 Dec;61(12):1253.

3. Ambreen Afridi, Romana Ayub, Hayat Muhammad Khan, Umar Ayub, Rubina Gul. FREQUENCY OF STRESS LEVEL AMONG FEMALE DOCTORS IN A PUBLIC SECTOR HOSPITAL OF PESHAWAR. JKCD. June 2016; 6(2):32-35.

ایسی خواتین ڈاکٹر جن کے ہاں بچے بھی ہیں، ان کے لیے ایسا کوئی Day Care Centre نہیں ہے جہاں وہ اپنے ڈیوٹی کے اوقات میں اپنے بچے رکھ سکیں تاکہ ان کی دیکھ بھال احسن طریقے سے کی جاسکے[1]۔

پاکستان میں اسمبلی نے یہ بل پاس کر دیا تھا کہ جن اداروں میں خواتین کام کر رہی ہیں ان میں ایک Day Care Centre ہونا چاہیے لیکن اس کے باوجود صورت حال تسلی بخش نہیں ہے۔ سرے سے اداروں میں اس سنٹر کا اجراء ہی نہیں کیا گیا ہے اور جن اداروں میں ڈے کیئر سنٹرز قائم کیے گئے ہیں ان کا انتظام بہتر نہیں ہے۔ ترقی پذیر ملک کی حیثیت سے دیگر مسائل میں سے ایک یہ بھی ہے جو گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ بہتری کا متقاضی ہے۔

## عملی سروے

PIMS میں ایک سروے کے ذریعے راقم الحروف نے خواتین ڈاکٹروں کے مسائل کا مشاہدہ کرنے کے لیے ان سے ملاقات کی۔ ان خواتین کو پانچ طبقوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔

۱. ہاؤس آفیسرز
۲. پوسٹ گریجوایٹ طالبات
۳. بنیادی سائنس کے جراح (مظاہر)
۴. خواتین میڈیکل افیسرز
۵. مشیر

ہسپتال کی مقامی اخلاقی کمیٹی سے اجازت لینے کے بعد اور متعلقہ لوگوں کی آراء لینے کے بعد ایک سوالنامہ تشکیل دیا گیا تاکہ مذکورہ بالا پانچ طبقات کی خواتین سے پر کروایا جاسکے۔ ان سب سے مندرجہ ذیل پہلوؤں سے متعلق سوالات پوچھے گئے۔

### اوقاتِ کار کا مسئلہ

ڈیوٹی کے دورانیے سے متعلق مسائل کے بارے میں ستر فیصد خواتین نے بتایا کہ ملازمت کے اوقات کار کی وجہ سے وہ بھی پریشان ہیں۔ اس مسئلہ کی وجہ سے زیادہ پریشانی ان خواتین ڈاکٹروں کو ہے جو پوسٹ گریجوایٹ سطح کی تعلیم بھی حاصل کر رہی ہیں۔ 97.6% ایسی خواتین نے اس مسئلہ کی نشاندہی کی تھی جو پوسٹ گریجوایٹ سطح پر تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ اس مسئلہ کا سب سے کم سامنا ان خواتین کو کرنا پڑ رہا ہے جو مشیر یا عملی جراح کے طور پر کام کرتی

---

1. Catton, Peter. 1991. "Child-Care Problems: An Obstacle to Work," Monthly Labor Review, 114:3

ہیں۔ ملازمت کے اوقات کار سے متاثر مشیرات کی تعداد 25% اور عملی جراحی میں کام کرنے والی خواتین کی تعداد 25% تھی۔

**مرد ساتھیوں کے رویے سے متعلق مسائل**

35% خواتین نے بتایا کہ کہ انھیں اپنے مرد کولیگز سے کبھی کسی بھی مسئلہ کا سامنا نہیں ہوا ہے۔ صرف 7% خواتین نے بتایا کہ انھیں مردوں کی جانب سے مسائل کا سامنا ہے۔ 58% خواتین کا کہنا تھا کہ مردوں کے ساتھ چھوٹے موٹے مسائل پر ان کی تکرار ہوتی رہتی ہے اور یہ ایک معمول کی بات ہے۔ تاہم ایک اسلامی ملک کی حیثیت سے اس جانب اسلامی تعلیمات اور اخلاقیات کا اہتمام کرنے سے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔

**ملازمت کی وجہ سے خاندانی زندگی پر مرتب ہونے والے اثرات کے مسائل**

خاندانی زندگی اور ملازمت کے درمیان توازن کے قیام کے بارے میں 37% خواتین نے بتایا کہ ان کی گھریلو زندگی ان کی پیشہ ورانہ زندگی پر اثر انداز نہیں ہو رہی ہے جب کہ 58% خواتین کا کہنا تھا کہ ان کی ملازمت ان کی گھریلو زندگی پر اثر انداز ہو رہی ہے۔

**جنسی امتیاز سے متعلق مسائل**

جنسی امتیاز اس شعبہ میں ایک اہم پہلو کے طور پر لیا گیا تھا۔ 26% خواتین ڈاکٹروں نے بتایا کہ انھیں اپنی ملازمت کے دوران جنسی امتیاز کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ 40% ہاؤس آفیسرز اور 32% نئی ڈاکٹر خواتین کو اس مسئلہ نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔

**نقل و حمل سے متعلق مسائل**

تقریباً 47% خواتین ڈاکٹروں کے لیے ذرائع نقل و حمل کی عدم دستیابی بھی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔

**بطور خاتون، انتظامی کام کے حوالے سے مسائل**

۴۴ فیصد خواتین نے بتایا کہ انتظامی عہدوں پر کام کرتے ہوئے خاتون ہونے کی بنا پر ان کو مسائل درپیش ہیں۔ جونیئر ڈاکٹر خواتین کے لیے انتظامی حوالے سے اور بھی زیادہ مسائل ہیں جب کہ مشیر خواتین میں سے صرف ۱۷ فیصد خواتین نے ایسے مسائل کی رپورٹ کی ہے۔

**ڈے کیئر سے متعلق مسائل**

۳۱ فیصد خواتین کو ڈے کیئر کی عدم موجودگی کی وجہ سے میڈیکل کی ملازمت میں کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

**ملازمت کے دوران وقفہ لینے سے متعلق مسائل**

۲۰ فیصد ایسی خواتین ڈاکٹر بھی موجود ہیں جو مسائل کی بنا پر بعض اوقات ملازمت سے سبکدوش ہو جاتی ہیں او رپھر کچھ عرصے بعد دوبارہ ملازمت میں آجاتی ہیں۔ان کی ملازمت میں تسلسل کے بجائے انقطاع آجاتا ہے۔

**ملازمت میں معاشی امور سے متعلق مسائل**

۴۸ فیصد خواتین نے کہا کہ وہ میڈیکل کے شعبے میں اپنے شوق یا کسی کی ترغیب کی وجہ سے ملازمت نہیں کر رہی ہیں بلکہ ان کو یہ ملازمت اپنے معاشی مسائل کی بنا پر کرنا پڑتی ہے۔

**پیشے سے متعلق اطمنیان یا عدم اطمنیان سے متعلق ذہنی مسائل**

۴۶ فیصد خواتین نے بتایا کہ وہ اپنے پیشے سے مطمئن ہیں جب کہ ۴۴ فیصد خواتین نے بتایا کہ ان کی ملازت ان کی تسلی کے لیے کسی حد تک کافی ہے۔

جن خواتین سے یہ سوالات پوچھے گئے تھے ان کی عمر ۲۳تا ۵۷ برس اور اوسط عمر ۳۱ برس تھی۔ان شرکاء کا میڈیکل کی ملازمت میں تجربہ چند ماہ سے لے کر ۲۶ برس تک تھا۔اوسط تجربہ پونے چھ برس تھا۔

**اعداد و شمار کا تجزیہ**

ملازمت کے اوقات پوری دنیا کے ڈاکٹروں کے لیے ایک مسئلہ بن چکے ہیں۔خواتین سے متعلق اس مسئلہ کی نوعیت اور بھی زیادہ سخت ہے۔مقالہ نگار کے سروے میں جب خواتین سے ملازمت کے اوقات سے متعلق سوال کیا گیا تو ستر فیصد خواتین ڈاکٹروں نے بتایا کہ انہیں اس مسئلہ کا سامنا ہے جس کی وجہ سے ان کو جسمانی، ذہنی اور جذباتی دباؤ کا شکار ہونا پڑ رہا ہے۔ستانوے فیصد ایسی خواتین جو پوسٹ گریجوایٹ کی سطح کی طالبات بھی ہیں انھیں ملازمت کے اوقات کار کا سب سے زیادہ مسئلہ ہے جب کہ اسی فیصد ہاؤس آفیسر بھی اسی تکلیف سے گزر رہی ہیں۔تربیتی مراحل کا دورانیہ پوسٹ گریجوایٹ کی طالبات کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے اسی لیے زیادہ تر خواتین اس سطح کے کام کا انتخاب نہیں کرتی ہیں بلکہ متوسط سطح کے کام کو ترجیح دیتی ہیں[1]۔

ترقی پذیر ممالک میں خواتین کو کام کرنے کے حوالے سے بہت سے سماجی اور ثقافتی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ان ممالک میں خواتین کو اپنے مرد کولیگز کی جانب سے ایسے کئی مسائل درپیش ہیں جن کا ترقی یافتہ دنیا میں سرے

---

1. Lockley SW, Landrigan CP, Barger LK, Czeisler CA. Harvard Work Hours Health and Safety Group. When policy meets physiology: the challenge of reducing resident work hours. Clin Orthop Relat Res. 2006; 449: 116-27.

سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔راقم الحروف نے سروے کے دوران جب خواتین سے پوچھا کہ آیاان کواپنے مرد کولیگز کی جانب سے مسائل کا سامنا کرناپڑ رہاہے تو تو حیران کن طور پر محض سات فیصد خواتین نے اس کا جواب ہاں میں دیا جبکہ اٹھاون فیصد خواتین نے کہاکہ کبھی کبھاران کو مرد کولیگز کے ساتھ تکرار کا سامنا کرناپڑتاہے جب کہ یہ معمول کے کاموں کاایک حصہ تصور کیا جاتاہے۔یہ ایک اچھا شگون ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان میں طب کا شعبہ خو اتین کے لیے جنسی امتیاز کے حوالے سے اتنا بھی گیا گزرا نہیں ہے جب کہ دنیا کے اکثر ممالک میں یہ مسئلہ سر فہرست ہے جس پر کئی سروے ہو چکے ہیں[1]۔

کام کرنے والی خواتین کے لیے فیملی اور ملازمت کے درمیان توازن کو برقرار رکھناایک مشکل امر ہے۔اگر خواتین اپنی ملازمت کے بارے میں زیادہ پرجوش ہو جائیں تو ان کی گھریلو زندگی سخت متاثر ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کو اپنی گھریلو زندگی میں سکون کے لیے ملازمت کے ساتھ سمجھوتہ کرناپڑتاہے۔خواتین ڈاکٹروں نے اس ضمن میں دونوں پہلوؤں میں توازن قائم کرنے کی اپنے طور پر بہت کوشش کی ہے لیکن ان کے سب فارمولے ناکام ہو گئے ہیں[2]۔راقم مقالہ نے اس سروے میں جانا کہ اٹھاون فیصد خواتین ڈاکٹروں کی ملازمت کی وجہ سے ان کی گھریلو ز ندگی متاثر ہو رہی ہے اور ان میں سے زیادہ تر تعداد ان خواتین کی ہے جو پوسٹ گریجوایٹ کی سطح پر تعلیم بھی حاصل کر رہی ہیں۔ان میں سے اکہتر فیصد خواتین نے اس مسئلہ کو رپورٹ بھی کیاہے۔اس ضمن میں ۲۰۱۶ میں بھی ایک سرو ے کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں پتہ چلا کہ وہ خواتین جو تعلیم، ملازمت اور گھریلو زندگی کو ایک ساتھ لے کر چلنا چاہتی ہیں ان کو سخت ترین مسائل کا سامنا ہے۔اس میں صرف خواتین ڈاکٹر ہی نہیں بلکہ مشیر خواتین بھی شامل ہیں[3]۔ان میں سے زیادہ تر خواتین کی گھریلو زندگی میں ناچاقیاں اور بے سکونی پائی گئی ہے۔ان کو بچوں کو والدین کی طرف سے توجہ نہ ملنے کی وجہ سے ان کی پرورش متاثر ہوتی ہے۔ تحقیق کے مطابق ان خواتین میں ذہنی دباؤ زیادہ پایا گیاہے جو ایک

---

1. Carr PL, Ash AS, Friedman RH, et al. Faculty perceptions of gender discrimination and sexual harassment in academic medicine. Ann Intern Med. 2000;132:889-896

2. Gjerberg E. Women doctors in Norway: the challenging balance between career and family life. Soc Sci Med. 2003;57:1327–41.

3. Davorina Petek, Tadeja Gajsek, and Marija Petek Ster. Work-family balance by women GP specialist trainees in Slovenia: a qualitative study. BMC Med Educ. 2016; 16: 31.

ہی وقت میں کئی کردار ادا کرنے کی کوشش کرتی ہیں[1]۔جب تصویر کا دوسرا رخ دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ سینتیس فیصد ایسی خواتین بھی ہیں جن کی گھریلو زندگی کی وجہ سے ان کی پیشہ ورانہ زندگی پر اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کے اہلِ خانہ ان کے ساتھ پیشہ ورنہ حوالے سے کسی بھی قسم کا تعاون کرنے پر رضامند نہیں ہیں۔شوہر کی ملازمت میں ٹرانسفر،آیا کی عدم دستیابی وغیرہ ایسے مسائل ہیں جو آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں۔

خواتین ڈاکٹروں سے پوچھا گیا تھا کہ آیا ان کو اپنے پیشے میں خاتون ہونے کی وجہ سے کبھی کسی جنسی امتیاز کا سامنا کرنا پڑا ہے؟ چھبیس فیصد خواتین نے اس کا جواب ہاں میں دیا ہے۔ان میں سے زیادہ تر ڈاکٹر جونئیر ہیں۔اس ضمن میں ایک سروے مجھ سے پہلے بھی ہو چکا ہے جس کے مطابق پوری دنیا میں میڈیکل کے شعبے کی عورتوں کو جنسی امتیاز کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے[2]۔

پاکستان میں ملازمت پیشہ خواتین کے لیے ذرائع نقل و حمل کی عدم دستیابی بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔انہتر فیصد خواتین ڈاکٹروں نے بتایا کہ وہ اس مسئلہ سے دوچار ہیں۔اس سے قبل بھی ایک سروے کیا گیا تھا جس میں ملازمت پیشہ خواتین نے بتایا کہ تاحال ان کے لیے حکومتی یا نجی سطح پر ذرائع نقل و حمل کا انتظام ہی نہیں کیا ہے۔[3] ہمارے اس سروے میں بھی سینتالیس فیصد خواتین ڈاکٹروں نے بتایا کہ انہیں ذرائع نقل و حمل کی عدم دستیابی کا سامنا ہے۔انھوں نے بتایا کہ اگر خواتین خود گاڑی چلائیں تو اس صورت میں ان کے ساتھ معاشرے کا رویہ منفی ہو جاتا ہے۔دوسری جانب عوامی ٹرانسپورٹ کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔اگر گھر میں کام کرنے والے مردوں کے ساتھ ان کی گاڑی میں ان کو ڈیوٹی پر آنا پڑے تو دونوں کے اوقاتِ کار میں فرق ہونے کی وجہ سے انہیں مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ہر سطح کے ہاؤس افیسرز میں سے تہتر فیصد اور بیالیس فیصد طبّی مشیروں کو اس مسئلہ کا سامنا ہے۔

کام کاج کے لحاظ سے خواتین کو عمومی طور پر بہتر خیال نہیں کیا جاتا ہے۔جب خواتین سے پوچھا گیا کہ انتظامی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے دوران انہیں کس قسم کے مسائل درپیش ہوتے ہیں تو ان کا جواب یہ تھا کہ لوگ ان کی باتوں

---

1. Sophia Mobilos, Melissa Chan. Women in medicine,The challenge of finding balance. Can Fam Physician. 2008 Sep; 54(9): 1285–6.

2. Jessica Freedman. Women in Medicine: Are We "There" Yet? - Medscape - Nov 16, 2010.
http://www.medscape.com/viewarticle/732197

3. Muhammad Abdullah Avais , Aijaz Ali Wassan , Saeedah Shah. A Case Study on Problems of Working Women in City Sukkur. Academic Research International. March 2014; 5(2): 323-33.

کو سنجیدہ نہیں لیتے ہیں اور مرد منتظمین کی نسبت ان کی ہدایات پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ سینئر ڈاکٹروں کی نسبت جونیئر ڈاکٹروں کو یہ مسئلہ زیادہ دیکھناپڑ رہاہے۔ تحقیقات کی مدد سے معلوم ہوتاہے کہ یہ مسئلہ محض پاکستان میں ہی نہیں ہے بلکہ دنیا بھر میں طب کے شعبہ میں کام کرنے والی تقریباچالیس فیصد خواتین اس مصیبت سے دوچار ہیں[1]۔

ڈے کیئر سنٹر دنیا بھر میں ملازمت پیشہ خواتین کے لیے ایک بڑامسئلہ ہے۔ جن ماؤں کے لیے یہ سہولت موجود نہیں ہے ان کے کام کا معیار دوسری خواتین کی نسبت زیادہ پست ثابت ہوا ہے[2]۔ پاکستان میں مشترکہ خاندانی نظام رائج ہے اس لیے ماں کی عدم موجودگی میں دادی یاگھر کی کوئی اور خاتون بچے کی نگہداشت کر لیتی ہے۔ جب ہم نے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھاتو اکتیس فیصد خواتین ایسی ملیں جو اس مسئلہ میں الجھی ہوئی تھیں۔ ہاؤس افیسرز میں موجود تمام ڈاکٹر خواتین شادی شدہ تھیں اس لیے ان سب کے لیے یہ مسئلہ موجود ہے جب کہ مشیر ڈاکٹروں میں سے بیالیس فیصد خواتین نے بتایا کہ انہیں اس مشکل سے گزرناپڑ رہاہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس ادارے میں سرے سے کوئی ڈے کیئر سنٹر موجود ہی نہیں ہے اور اگر کوئی ہے بھی تو اس کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ جاپان میں بھی اس ضمن میں ایک سروے ہوا تھااور اس سے معلوم ہوا کہ اس ترقی یافتہ ملک میں بھی ڈے کیئر سنٹر کے حوالے سے ملازمت پیشہ خواتین کو مسائل کا سامنا کرناپڑ رہاہے[3]۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ حکومت پاکستان نے ایک رپورٹ شائع کی ہے جس میں بتایا گیاہے کہ ڈے کیئر سنٹر ہر شہر میں قائم کیے گئے ہیں اور وہ بہتر انداز میں کام کر رہے ہیں[4]۔ لیکن افسوس کہ عملی طور پر ان کا وجود ندارد ہے۔ لہٰذا اس طرف بھی توجہ کی ضرورت ہے۔

---

1. Stephanie Cajigal; Greg Weiss; Nelson Silva . Women as Physician Leaders September 17, 2015. http://www.medscape.com/features/slideshow/public/femaleleadershipreport2015

2. Patricia M. Anderson Phillip B. Levine. CHILD CARE AND MOTHERS' EMPLOYMENT DECISIONS. Working Paper 7058 http://www.nber.org/papers/w7058

3. Yamazaki Y, Kozono Y, Mori R, Marui E. Difficulties facing physician mothers in Japan. Tohoku J Exp Med 2011;225:203–209.

4. Saqib A. Need Assessment Report Crèche (Day Care Centers) for Children of Working Women. ILO Country Office for Pak. 2008;74.

یہ بھی مشاہدے میں آیا ہے کہ کثیر تعداد میں خواتین ڈاکٹروں کو گھریلو ذمہ داریوں یا دیگر مسائل کی بنا پر اپنے کیریئر میں وقفے کرنا پڑتے ہیں۔ ہمارے سروے میں بیس فیصد ایسی خواتین ڈاکٹر ملی ہیں جن کے کیریئر میں بریک ہے، عملی جراح خواتین ڈاکٹروں کی تعداد اس ضمن میں سب سے زیادہ یعنی اٹھاون فیصد ہے۔ بظاہر یہ تعداد بہت زیادہ ہے لیکن برطانیہ میں ہونے والے ایک سروے کے مطابق وہاں یہ تعداد اٹھاون فیصد ہے [1]۔

کام کرنے کے لیے خواتین کے سامنے زیادہ تر معاشی مقاصد رہتے ہیں۔ انہیں اپنے گھر کے مردوں کے ساتھ مل کر گھر کے اخراجات کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔ بظاہر یہ بہت عیب دار چیز معلوم ہوتی ہے لیکن مغربی ممالک میں عام ہے، یہاں بھی اب حالات تبدیل ہو رہے ہیں۔ میرے سروے کے دوران تقریباً اڑتالیس فیصد خواتین نے بتایا کہ انہیں معاشی مسائل کی بنا پر مجبوراً ملازمت کرنا پڑی ہے۔ پوری دنیا میں ہی یہ مسئلہ خواتین کو ملازمت میں کھینچ لاتا ہے اور انہیں بعض اوقات مردوں کے شانہ بشانہ اور بعض اوقات اکیلے ملازمت کرتے ہوئے گھر کا نظام چلانا ہوتا ہے [2]۔

جن خواتین کو ملازمت کے ساتھ گھر کے کاموں میں بھی مصروفِ عمل رہنا پڑتا ہے ان کے لیے اپنی ملازمت کے فرائض کو کماحہ ادا کرنا انتہائی مشکل ہے۔ میرے سروے میں چھیالیس فیصد خواتین نے بتایا کہ وہ اپنی ملازمت سے مطمئن ہیں جب کہ ۴۴ فیصد خواتین نے بتایا کہ انہیں اپنی ملازمت محض تسلی بخش لگتی ہے۔ دس فیصد خواتین اپنی ملازمت سے خوش نہیں تھیں۔ روس میں ۲۰۰۹ میں ایک سروے کیا گیا تھا جس کے مطابق خواتین ڈاکٹروں کی نسبت مرد ڈاکٹر اپنی ملازمت سے زیادہ مطمئن تھے [3]۔

---

https://books.google.com.pk/books/about/Need_Assessment_Report_Cr%C3%A8che_Day_Care.html?id=9x4LrgEACAAJ&redir_esc=y

1. Elson, D. (2000) Progress of the world's women 2000: UNIFEM biennial report. New York: United Nations Development Fund for Women.
http://www.unwomen.org/en/digitallibrary/publications/2000/1/progress-of-the-worlds-women-2000

2. Mamta Gautam. Women in medicine: stresses and solutions. West J Med. 2001 Jan; 174(1): 37–41

3. McMurray JE, Linzer M, Konrad TR, Douglas J, Shugerman R, Nelson K. The work lives of women physicians results from the

## شعبہ طب سے وابستہ خواتین کے مسائل کا حل

معلوم ہوتا ہے کہ شعبہ طب میں کام کرنے والی خواتین کا کوئی ایک مسئلہ نہیں ہے جس کو ایک ہی سروے یا تحقیق میں حل کیا جاسکے بلکہ ان خواتین کے متعدد مسائل ہیں اور ہر مسئلہ کی نوعیت میں مزید کئی قابلِ غور پہلو موجود ہیں۔اس لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جو شعبہ طب میں کام کرنے والی خواتین کو حل کرنے کی مکمل ذمہ داری لے۔اس ضمن میں متعلقہ ادارے میں ان افراد کی خدمات لی جائیں جو بذاتِ خود نہ صرف شعبہ طب کی مبادیات اور اس کی پیشہ ورانہ مطلوبہ کارروائیوں سے آگاہ ہوں بلکہ انتظامی حوالے سے بھی اپنے منصب کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔اس ادارے کے ذریعے لیے جانے والے مطلوبہ اقدام مندرجہ ذیل ہیں:

- ایسا نظام تشکیل دیا جانا چاہیے جس کے مطابق نئی خواتین ڈاکٹروں کی مناسب ٹریننگ کا انتظام ہو اور انہیں اپنے شعبے کے حوالے سے تمام تر ضروری امور سے متعلق تربیت فراہم کی جائے۔انہیں میڈیکل کے شعبے میں کام کرنے کے دوران احتیاطوں اور مسائل سے آگاہ کیا جائے اور ان کو حل کرنے کے کے لیے ان میں موجود صلاحیتوں کو نکھارا جائے۔
- جن ہسپتالوں میں خواتین کام کرتی ہیں ان ہسپتالوں کی انتظامیہ کو چاہیے کہ مردوں اور خواتین کے کام کرنے کے شعبے الگ الگ بنائیں۔مردوں کا علاج صرف مرد کریں اور عورتوں کا علاج صرف خواتین ڈاکٹر کریں۔اس کے نتیجے میں مردوں اور خواتین کا اختلاط انتہائی کم ہو جائے گا اور جنسی امتیاز کا مسئلہ سرے سے ہی دم توڑ جائے گا۔اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ خواتین مریضوں کے علاج اور ان کی دیکھ بھال کے لیے صرف خواتین ہی اپنی خدمات سرانجام دیں گی اور شرعی پردے کا تقدس بھی قائم رہے گا۔دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ خواتین کی طرح مرد بھی میڈیکل کے شعبے میں اعلیٰ تعلیم حاصل کریں گے اور اس شعبے میں آئیں گے۔چنانچہ مرد اور خواتین دونوں کا شعبہ الگ الگ ہونے کی بنا پر ملازمتو ں کے مواقع بڑھ جائیں گے اور پھر کوئی ڈاکٹر بے روزگاری کی شکایت نہیں کرے گا۔
- وہ خواتین جو پوسٹ گریجوایٹ کی سطح پر میڈیکل کی تعلیم حاصل کرتی ہیں اور ساتھ ساتھ وہ ملازمت بھی کرتی ہیں۔ان کے لیے لازم ہے کہ اپنے تعلیمی دورانیے میں ملازمت سے چھٹی لے لیں اور اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے گھریلو امور سرانجام دیں۔ایک وقت میں تین کام ایک ساتھ کرنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا ہے اور طب کے شعبے میں کام

---

physician work life study. The SGIM Career Satisfaction Study Group. J Gen Intern Med. 2000 Jun;15(6):372-80.

کرنے والی خواتین کی تھکاوٹ اور اکتاہٹ کی وجہ سے سرزد ہونے والی ذراسی غفلت کسی مریض کی جان لے سکتی ہے۔اس لیے ان کی چھٹی کو ممکن بنایا جانا چاہیے۔

- خواتین ڈاکٹروں کا وجود خواتین مریضوں کی زندگی اور موت کا سبب ہوتا ہے۔اس لیے خواتین ڈاکٹروں کی آمدورفت کے لیے ہسپتالوں کی انتظامیہ کو چاہیے کہ وہ گاڑیاں خرید کر ان کے لیے مخصوص کرلے۔اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ خواتین ڈاکٹروں کے اوقاتِ کار کی پابندی ان کے لیے آسان ہو جائے گی۔اس حوالے سے اگر ان کی تنخواہ میں سے کچھ رقم کاٹ بھی لی جائے تو یقیناان کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔
- جن خواتین ڈاکٹروں کی ملازمت کی وجہ سے ان کی گھریلو زندگی متاثر ہوتی ہے ان ڈاکٹروں کے لیے ہسپتال میں ڈیوٹی کا دورانیہ کم کر دیا جانا چاہیے۔اس کے نتیجے میں ان کے پاس اپنے اہل خانہ کے ساتھ گزارنے کا وقت میسر ہوگا۔ڈیوٹی کے دورانیے کے کم ہونے کی بنا پر یقیناان کی تنخواہ پر زد پڑے گی لیکن ان خواتین کو چاہیے کہ اس کم تنخواہ کو بھی اپنے لیے قبول کریں۔کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا توپڑتا ہی ہے۔
- ہسپتالوں میں انتظامی عہدوں پر کام کرنے والی خواتین کی سفارشات کو سنجیدگی سے زیرِ غور رکھنا چاہیے۔اگر کسی ڈاکٹر یا مریض کے طارے میں یا جونئیر سٹاف کے کسی فرد کے بارے میں ان کی طرف سے کوئی شکایت موصول ہو تو اس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔اس سے انتظامی عہدوں پر کام کرنے والی خواتین کے کام میں خوداعتمادی پیدا ہو گئی اور کئی بگڑے ہوئے مسائل حل کرنے میں مدد ملے گی۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ان منتظمات کی جانب سے کسی کے خلاف ذاتی رنجش کی بنا پر کوئی شکایت نہ ہو،اگر ایسا ہو تو ان کی بھی توبیخ کرنی چاہیے تاکہ انہیں بھی اپنی اصلاح کا موقع مل سکے۔

جن خواتین ڈاکٹروں کے بچے ہوں،ان کے لیے ہسپتالوں میں ڈے کیئر سنٹر بنائے جانے چاہییں۔اگر سرکار اپنے طور پر ایسا کوئی انتظام کرنے سے قاصر ہے تو ہسپتال کی انتظامیہ کو چاہیے کہ وہ اس ضمن میں بارش کی پہلی بوند بنتے ہوئے نجی طور پر اپنے احاطے میں ڈے کیئر سینٹر زبنانا شروع کر دے۔ڈاکٹروں کی تنخواہ میں سے اس ڈے کیئر سنٹر کی معقول فیس کاٹ لی جائے اور ڈاکٹروں کو اس حوالے سے اعتماد میں لیا جانا چاہیے۔اس لیے کہ خدمت لینے کے عوض ان کو تحفظ عزت و اولاد اور تنخواہ کی یقین دہانی کروائی جانی چاہیے تاکہ معاشرے کے مسائل بہتر طریقے سے حل ہوں۔

# فصل ششم: علم کے میدان میں عورت کا کردار اور مسائل کا حل

## تعلیم اور عورت کا باہمی تعلق

تعلیم کسی بھی معاشرے کی ترقی میں جوہری کردار ادا کرتی ہے۔ یہ فرد کی ذاتی، سماجی، معاشی اور ثقافتی پہلو سے جڑی ہوئی ہے اور کسی بھی معاشرے کی بقا کے لیے لازمی امور کو واضح کرتی ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق تعلیم لوگوں کو ایسے مواقع فراہم کرتی ہے جس سے ذاتی اور سماجی سطح کے فوائد انسانی زندگی کو نکھارنے اور اس کو خوشیوں سے ہمکنار کرنے کا سبب بنتے ہیں[1]۔ تعلیم کسی بھی عوامی معاشرے کی کامیابی کے لیے ایسی بدیہی شرط ہے جس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ ایک اور تحقیق کے مطابق اس کے ذریعے فرد کے لیے سماجی قواعد کو سمجھنا، خود اعتمادی پیدا کرنا، جنسی امتیازی کی حوصلہ شکنی کرنا، غلط عقائد اور مذہب کی غلط تاویلات کو رد کرنا اور سماج میں پنپنے والے دیگر معاشرتی جرائم کا خاتمہ کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔[2]

تعلیم کے ذریعے خواتین کے مقام اور ان کے سماجی کردار میں مضبوطی پیدا کی جاسکتی ہے۔ ۲۰۱۳ میں ہونے والی ایک تحقیق کے مطابق تعلیم کے ذریعے:

۱. خواتین میں سماجی امور کے حوالے سے قائدانہ صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں۔
۲. خواتین کو معاشرے میں حسنِ کردار کا نمونہ بن کر دوسروں کے لیے مشعلِ راہ بننے کا موقع ملتا ہے۔
۳. انہیں اپنی مہارت کے حوالے سے ان شعبوں کے انتخاب کا موقع مل جاتا ہے جن کے توسط سے معاشرتی، معاشی اور ثقافتی ترقی کی راہیں کھلتی ہیں۔
۴. انہیں خاندانی سطح پر اور معاشرتی سطح پر پیچیدہ معاملات کو حل کرنے میں اپنا کردار ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔

تحقیق کے مطابق ایک غیر تعلیم یافتہ عورت کی نسبت، تعلیم یافتہ عورت کے اختیار میں اپنی زندگی کے تمام معاملات ہوتے ہیں اور وہ اپنی کامیابی کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو ختم کرنے میں زیادہ بہتر کردار ادا کر سکتی ہے۔ وہ

---

1. Yasmeen, S. (2005). Impact of higher education in understanding of social recognition in women. Unpublished Doctoral thesis, University of Arid Agriculture, Rawalpindi, Islamabad., p11

2. Kramarae, P.M., Cheris & Dale, S. (2000). Routledge International Encyclopedia of Women, Vol 2. New York: Routledge. (2000)

اپنے لیے بہتر مواقع کی تلاش میں رہتی ہے اور موقع ملتے ہی اس کو اپنے مفاد میں بھرپور طریقے سے استعمال کرتی ہے۔ وہ ان باتوں سے بھی آگاہ رہتی ہے جن کے ذریعے اپنے لیے موثر اور سازگار حالات پیدا کیے جا سکتے ہیں[1]۔

متعدد تحقیقات کے مطابق گزشتہ چند عشروں میں تعلیم یافتہ خواتین کا اپنے علمی و فکری اور خاندانی و معاشرتی مقام اور مرتبے میں اضافہ ہوا ہے اور نہ صرف انفرادی اور خاندانی سطح پر بلکہ معاشرتی اور ملکی و قومی سطح پر بھی ان کی وجہ سے ترقی اور بہتری کی کئی راہیں کھلی ہیں[2]۔

فارینہ الماس لکھتی ہیں:

"بہت سی خواتین مخصوص شعبوں کی ڈگریاں ہونے کے باوجود یا تو گھریلو زندگیاں گزارنے پر مجبور کر دی جاتی ہیں یا پھر ان کے لیے صرف اور صرف درس و تدریس کے دروازے ہی کھولے جاتے ہیں۔ اس وقت خواتین کا ایک بڑا حصہ تدریس کے شعبے سے وابستہ ہے۔ پنجاب میں ۵۶ فیصد، سندھ میں ۵۲ فیصد، خیبر پختونخوا میں ۳۹ فیصد، بلوچستان میں ۳۶ فیصد، اور اسلام آباد میں ۶۸ فیصد خواتین اساتذہ اپنی خدمات انجام دے رہی ہیں... کمرشل تعلیمی اداروں کی تعداد میں ستر فیصد اضافہ ہوا ہے جبکہ سرکاری و فلاحی تعلیمی اداروں میں تیس فیصد۔ سن دو ہزار تک تعلیمی سیکٹر میں پرائیویٹ تعلیمی اداروں کا تناسب ۱۹ فیصد تھا جو کہ اب چالیس فیصد ہو چکا ہے۔ تقریباً ۴۵ فیصد اساتذہ پرائیویٹ اسکولوں سے وابستہ ہیں جن میں اکثریت خواتین کی ہے۔ ان اداروں میں اگر مرد اپنی خدمات انجام دے بھی رہے ہیں تو جیسے ہی کسی دوسرے شعبے میں انہیں ملازمت مل جاتی ہے، وہ اس شعبے کو خیر باد کہہ دیتے ہیں... گویا پرائیویٹ اسکول خواتین ہی کی کاوشوں اور محنتوں سے چلتے ہیں۔ جہاں خواتین کے کام کرنے کی ایک بڑی وجہ سرکاری سطح پر ملازمتوں کی کمی اور موجود ملازمتوں کے لیے سفارش کی ضرورت جیسے عوامل ہیں۔ اس کا ایک اہم باعث لڑکیوں کے اپنی مرضی سے پروفیشن کے انتخاب پر والدین کی عائد کردہ پابندیاں بھی ہیں۔ اگر وہ اپنی مرضی کا پرو

---

1. Usha, S., & Sharma, M.B. (2001). Women and higher education. New Delhi: Commonwealth Publishers.

2. Friedmann,J. (1992). Empowerment: The politics of alternative development. London: Oxford Blackwell

Zafar, F. (2004). Gender Review of Education. Lahore, Pakistan: UNICEF.

فیشن اپنا بھی لیں تو شادی کے بعد سسرال کی پابندیوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔ جو یا تو انہیں ملازمت کرنے ہی نہیں دیتے یا صرف ٹیچنگ کو اپنانے کی اجازت دیتے ہیں[1]۔

**خواتین معلمات کا فقدان**

جنسی امتیاز پاکستان کے شعبہ تعلیم میں خواتین کو ہر سطح پر برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس کی ابتدا اسی وقت ہو جاتی ہے جب لڑکیوں کی نسبت لڑکوں کو تعلیم دینے کو ترجیح دی جاتی ہے اور لڑکیوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ۲۰۰۸ میں ہونے والی ایک تحقیق کے مطابق ملک میں ابھی بھی ایسے مقامات موجود ہیں جہاں لڑکوں کی تعلیم کو ضروری جب کہ لڑکیوں کی تعلیم کو فضول خیال کیا جاتا ہے[2]۔

یہاں خاندان کی سربراہی مردوں کے اختیار میں دے دی جاتی ہے اسی لیے تعلیم کے حوالے سے ان کو مقدم رکھا جاتا ہے۔ جب کہ خواتین کو گھریلو کام کاج کی تربیت دینا اور بچوں کی پرورش دینا سکھایا جاتا ہے[3]۔ محدود آمدنی کی وجہ سے لوگ اپنی بیٹیوں کو تعلیم دینے کے حوالے سے ترجیح نہیں دیتے ہیں۔ ایسی متعدد تحقیقات منظر عام پر آ چکی ہیں جن کے مطابق محدود آمدنی والے علاقوں میں والدین کے لیے بستہ، کتابیں، وردی اور سکول کی فیس کا انتظام کرنا انتہائی مشکل ہوتا ہے اس لیے وہ سماج میں اپنی ناک اونچی رکھنے کے لیے لڑکوں کے لیے کسی طرح ان چیزوں کا

---

1۔ فارینہ الماس، خواتین اساتذہ کا استحصال

https://daleel.pk/2017/03/23/35874

2. Tembon, M., & Fort, L. (2008). Girls' Education in the 21st Century Gender Equality, Empowerment and Economic Growth. Washington: World Bank. Copyrights of this survey are reserved Page 81 UNESCO (2010). Why Gender Equality in Basic Education in Pakistan. Islamabad: UNESCO.

3. Khan, A. (2007). Gender issues in higher education in Pakistan. Islamabad, Pakistan: Maktaba Jadeed Press

Maqsood, F., Maqsood, S., & Raza, H. (2012). Getting Higher Education: Is it really a challenge for females in Pakistan? Academic Research International, 2(3), 352-360.

انتظام کر لیتے ہیں لیکن لڑکیوں کو یہی سکھایا جاتا ہے کہ وہ ان کاموں میں مہارت سیکھیں جو گھر کی چادر اور چار دیواری میں رہ کر کیے جا سکتے ہیں۔ [1]

ثانوی کلاسوں میں پہنچنے والی لڑکیوں کی قبل از وقت شادی بھی ان کی تعلیمی ترقی میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔اس چکر میں والدین جہیز کی تیاری میں مصروف اور پریشان رہتے ہیں اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے گھر کے مردوں کی کمائی کو مکمل طور پر خرچ کیا جاتا ہے۔چنانچہ لڑکی کے لیے جہیز کی تیاری اور لڑکے کے لیے تعلیم پر اخراجات، پاکستانی معاشرے کے ایک کثیر حصے کی روایت کا حصہ ہے [2]۔

بعض علاقوں میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے ادارے سرے سے موجود ہی نہیں ہیں اور جن علاقوں میں موجود ہیں وہاں بھی تعلیمی ضروریات کو پورا نہیں کر رہے ہیں۔ کئی مقامات پر لڑکیوں کے لیے بمشکل پرائمری اسکول قائم کیے گئے ہیں لیکن ان اسکولوں میں معلمات کی تعداد ہی پوری نہیں ہے۔

اسی طرح اداروں کا دور دور واقع ہونا بھی لڑکیوں کے لیے ایک مسئلہ بن جاتا ہے اور ان کے لیے پیدل سفر کرتے ہوئے اسکولوں تک پہنچنا انتہائی مشکل ہے۔یہ نہ صرف سفر کی اذیت کا سبب ہے بلکہ لڑکیوں کی سکیورٹی اور عزت وعافیت کے تحفظ کے حوالے سے بھی انتہائی تشویش ناک ہے۔جن علاقوں میں اقامتی تعلیمی ادارے قائم کیے گئے ہیں یا ہاسٹلز بنائے گئے ہیں وہاں بھی لڑکیوں کے لیے جنسی ہراسگی اور عفت وعافیت کے عدم تحفظ کی تشویش ہمیشہ موجود رہتی ہے [3]۔

پاکستان میں حالیہ عشروں میں ثقافتی پابندیوں کے باوجود لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد تعلیم حاصل کر رہی ہے۔یہ بدلاؤ شہری علاقوں میں زیادہ دیکھا گیا ہے، بعض اداروں میں لڑکیوں کی تعداد لڑکوں کی تعداد سے بھی زیادہ ہو چکی ہے۔اس سے تعلیمی اعتبار سے ملکی سطح پر بہتری پیدا ہو چکی ہے کیونکہ لڑکیوں کو تعلیمی اداروں میں بھیجنے اور انہیں

---

1. Khalid, H.S., &Mukhtar, E.M. (2002).The future of girl's education in Pakistan: A study on policy measures and other factors determining girls' education. Islamabad: UNESCO.

2. Maqsood, F., Maqsood, S., & Raza, H. (2012). Getting Higher Education: Is it really a challenge for females in Pakistan? Academic Research International, 2(3), 352-360.

3. Sathar, Z.A., Lloyd, C.B., & Haque, M. (2000). Investment in Children's Education and Family Retrieved on 30-12- 2012 from http://go.worldbank.org/K9L01MQLO0

تعلیم دلوانے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پہلے محض مرد حضرات ہی تعلیمی اداروں میں تدریسی اور انتظامی مناصب پر براجمان تھے لیکن اب خواتین معلمات اور منتظمات بھی عملی سرگرمیوں میں حصہ لے رہی ہیں[1]۔اس طرح ملکی سطح پر خواتین اساتذہ کی کھیپ بھی سامنے آئی ہے اور ان کی وجہ سے لڑکیوں کی تعلیم کے حوالے سے موجود رکاوٹوں میں انتہائی کمی واقع ہوئی ہے۔اس کے نتیجے میں موجودہ دور میں پرائمری، مڈل اور ہائی اسکولوں میں خواتین معلمات کی تعداد مرد معلمین کی تعداد سے زیادہ ہے۔اس کے باوجود کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر خواتین کی تعداد تاحال کم ہے کیونکہ معلمات کو ملازمت کی اجازت خاندانی امور کے ساتھ مشروط کر کے دی جاتی ہے۔بچے جب تک ہائی اسکو ل میں ہوتے ہیں، مائیں بھی تدریسی کام کرتی رہتی ہیں تاکہ اپنے ہی اسکول میں اپنے بچوں کو داخل کروالیا جائے اور ان کی نگرانی کی جا سکے لیکن بچوں کے یونیورسٹی جانے کے بعد یہ معمول تبدیل ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے سماجی ڈھانچے کی تشکیل کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ یہاں یہ نہیں دیکھا جاتا ہے کہ خاتون کتنی لائق ہے اور کتنی قابل ہے۔بلکہ یہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ ازدواجی ڈھانچے میں اپنے گھریلو کردار کو ادا کرنے میں کتنی کامیاب ہے۔یہی وجہ ہے کہ گھریلو نظم وضبط کی پیروی میں اس کو اعلیٰ تعلیم سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر زمرد اعوان کے مطابق تدریسی شعبے میں آنے والی خواتین کی دو اقسام ہیں۔

پہلی قسم ایسی خواتین کی ہے جو معلمہ کے پیشہ کو اپنی مرضی سے قبول کرتی ہیں اور اس ضمن میں وہ سرکاری اور نجی تعلیمی اداروں میں فرق کیے بغیر اپنی ذمہ داری کو ادا کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ان اساتذہ کو "حسبِ منشا معلمات "کہا جاتا ہے۔ایسی معلمات میں ترقی پانے کا جذبہ اور آگے بڑھنے کی جستجو ہوتی ہے اور ان کی عملی کارکردگی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہی جذبہ اپنی طالبات میں بھی منتقل کرتی ہیں۔

دوسری قسم ایسی معلمات کی ہے جو مالی ضروریات کے ہاتھوں مجبور ہو کر یا سماج کے پریشر کی وجہ سے تدریس کرنا شروع کر دیتی ہیں اور ایسی معلمات میں جدت کے جذبے کا فقدان ہوتا ہے۔ان کی کارکردگی کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ان میں آگے بڑھنے کا جذبہ اور جستجو مفقود ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران اپنے

1. Maqsood, F., Maqsood, S., & Raza, H. (2012). Getting Higher Education: Is it really a challenge for females in Pakistan? Academic Research International, 2(3), 352-360.

منصب کے ساتھ انصاف کرنے سے قاصر ہوتی ہیں۔ایسی معلمات کو "جبری معلمات" کہا جاسکتا ہے۔ان کا مزاج ان کی طالبات میں بھی منتقل ہوتا ہے[1]۔

اس کی وضاحت کرتے ہوئے رابی وحید لکھتی ہیں:

" کوئی کہتی ہے کہ میں خاوند کے سامنے مضبوط رہنے کے لیے ملازمت کرتی ہوں۔ کوئی کہتی ہے کہ میں ''کماؤ پوت'' ہوں اس لیے میری ساس میرے ساتھ نرم رویہ رکھتی ہے۔ کبھی کسی کو پیسوں کی محتاجی ٹیچر بننے پہ مجبور کرتی ہے اور کسی کو کوئی اور مسئلہ[2]"۔

**خواتین اساتذہ کے مسائل**

خواتین کے لیے معلمی کو پیشے کو عموماً دوسرے پیشوں کے مقابلے میں غیر اہم سمجھا جاتا ہے اور ان کے بارے میں عام لوگوں کی جانب سے یہی خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ خواتین اپنے پیشے میں کام کرنے کے حوالے سے کسی دقیق یا مشکل تیاری کے مرحلہ میں سے نہیں گزرتی ہیں۔خواتین کا کوئی بھی کام ہو، عموماً اس کو مردوں کے کام کی نسبت زیادہ آسان سمجھا جاتا ہے۔خواتین معلمات کو یہ رویہ زیادہ سہنا پڑتا ہے حالانکہ وہ تدریسی امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ گھر کے کام کاج کا اضافی بوجھ بھی اٹھاتی ہیں۔اس کے باوجود انہیں نفسیاتی اور ذہنی طور پر خاندان کے لوگوں کی جانب سے اذیت دیتے ہوئے یہی طعنہ ملتا ہے کہ ان کا کام کسی بھی حوالے سے مفید نہیں ہے۔

خواتین کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی بھی شعبے کے بجائے تدریس کی دنیا میں خدمات سرانجام دیں۔اس لیے اب تعلیمی شعبے میں خواتین کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے اور ان کی تعداد بڑھنے کی وجہ سے جنسی ہراسگی کے کیسوں کی تعداد بھی بڑھ گئی ہے۔پاکستان میں عدم ہراسگی کو قانونی سطح پر نافذ کیا گیا ہے اور اگر کوئی شخص خواتین کو جنسی ہراسگی کا نشانہ بناتا ہے تو رپورٹ ہو جانے کے بعد نا صرف وہ اپنی ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے بلکہ اس کو بھاری جرمانہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔حکومت کی ہدایات کے مطابق ہر سرکاری اور نجی ادارہ اس قانون کے نفاذ کا پابند ہے۔اس قانون کے باوجود خواتین اپنی عزت کے تحفظ کے ارادے سے دادرسی کے لیے اس طرح کے کیسوں کی رپورٹ کرنے سے احتراز کرتی ہیں۔

---

1۔ ڈاکٹر زمرد اعوان، پاکستان میں خواتین اساتذہ کا مقام، جہانِ پاکستان، 20 جولائی، 2019

2۔ رابی وحید، ملازمت پیشہ خواتین کے مسائل اور پاکستانی معاشرہ، ایک روزن، ۱۵ دسمبر ۲۰۱۶ء

https://www.aikrozan.com/problems-of-working-women-in-pakistani-society/

بعض خواتین کا سماجی مقام و مرتبہ نارمل عورتوں جیسا نہیں ہوتا ہے۔ وہ تدریسی ملازمت محض اس لیے اختیار کرتی ہیں کہ انہیں اس کام کے علاوہ اور کوئی کام نہیں آتا ہے۔ان کی معاشی و خاندانی مجبوریاں ان کے سامنے ایک پھاٹک کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اور وہ مردوں کی جنسی ہراسگی کو مجبوراً اس خوف کے ساتھ برداشت کرتی ہیں کہ کہیں انہیں ملازمت سے ہاتھ نہ دھونا پڑ جائے۔رابی وحید لکھتی ہیں کہ :

" مجھے درجنوں ایسی ٹیچرز ملیں جو اپنے گھر سے بحالت مجبوری ملازمت کرنے نکلی تھیں۔ ایک ٹیچر تو دارلامان میں رہتی تھی اور اُس کے خاوند نے اسے گھر سے نکال رکھا تھا۔ وہ چند ہزار روپے صرف اس لیے کماتی کہ وہ اپنے بچوں کی فیس او ر راشن پانی پورا کر سکے۔ اس نے مجھے اپنی مجبوری بتا کہ رلا دیا[(1)]"۔

اب یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ جنسی ہراسگی کے کیس خواتین معلمات کی جانب سے رپورٹ کیوں نہیں کیے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ پرائیویٹ اداروں کی صورتحال گورنمنٹ اداروں سے ہر لحاظ سے مختلف ہے۔ اساتذہ جو اکثریتی طور پر خواتین پر مشتمل ہیں عموماً انتہائی قابل اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ ان کے پاس ایم اے، ایم ایس سی اور ایم فل کی ڈگریوں کا ہونا تو ایک معمو لی بات ہے۔ یہاں تو ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ خواتین ایم بی اے، فارمیسی اور انجینئرنگ کی محنت طلب اور قدرے مہنگی تعلیم کے حصول کے بعد ٹیچنگ کو اپنا پروفیشن بناتے ہوئے پرائیویٹ اسکولوں میں اپنی خدمات انجام دینے لگتی ہیں جبکہ سکول سبجیکٹ میں تعلیمی ڈگری نہ ہونے کے سبب انہیں اجرت بھی ایم اے یا ایم ایس سی کے لیول پر نہیں دی جاتی۔ قابل افسوس امر یہ ہے کہ پرائیویٹ ادارے خواتین کی ان مجبوریوں کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کا خوب استحصال کرتے ہیں۔ یہ تعلیمی ادارے ہر سال بچوں کی فیسیں اور اخراجات بڑھانے میں تو ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں لیکن اپنے اساتذہ کے لیے پے اسکیل، گریجویٹی یا انکریمنٹس کے مناسب ضابطے تک لاگو نہیں کرتے۔ آپ کو یہاں ایسی مثالیں بھی ملیں گی کہ اسکول کے اساتذہ کی تنخواہوں اور اسکول کے چوکیدار کی تنخواہ میں کوئی خاص فرق نہیں ہوگا، محض کچھ خاص سکول سسٹم ہی ہیں جو اساتذہ کا کم استحصال کرتے ہیں لیکن اکثریتی ادارے اس استحصال میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے۔

---

1۔ رابی وحید، ملازمت پیشہ خواتین کے مسائل اور پاکستانی معاشرہ،ایک روزن،۱۵دسمبر۲۰۱۶ء
https://www.aikrozan.com/problems-of-working-women-in-pakistani-society/

یہاں ایسا رواج بھی ہے کہ سکول میں نئے اساتذہ کی تقرری عموماً گرمیوں کی ہونے والی چھٹیوں سے قبل کی جاتی ہے اور ان اساتذہ کو ملازمت کے پہلے سال چھٹیوں کی تنخواہیں دینے سے گریز کیا جاتا ہے ۔اس طرح ان کی دو ماہ کی تنخواہ بڑی چالاکی سے بچا لی جاتی ہے۔ کچھ اسکول ایسے بھی ہیں جو کسی استاد کی تقرری کے بعد پہلے ماہ کی تنخواہ بطور گارنٹی روک لیتے ہیں۔ تنخواہ بچانے کا ایک اور کارگر طریقہ بھی رائج ہے، وہ یہ کہ اکثر اسکولوں میں ایک ماہ میں ایک یا دو سے زائد چھٹیاں کرنے والے اساتذہ کی مزید چھٹیوں پر تنخواہ کٹنی شروع ہو جاتی ہے۔ ایک اور سنگین ستم ظریفی جس کا تعلق غیر انسانی رویے سے ہے، وہ یہ کہ تنخواہ بڑھانے کے خطرے کے پیش نظر اساتذہ کو سینئر ہونے سے پہلے ہی معمولی وجوہات کو جواز بنا کر ملازمت سے بر خاست کر دیا جاتا ہے، کیونکہ معاہدے کے ذریعے اساتذہ کو بغیر وجہ بتائے ملازمت سے فارغ کرنے کا اختیار اسکول انتظامیہ اپنے پاس رکھتی ہے۔ یہ اور ایسے ہی کئی دوسرے عوامل جو اساتذہ کے معاشی استحصال کا ذریعہ ہیں، ان کا سامنا تو بہرحال اساتذہ کو کرنا ہی ہوتا ہے لیکن دوسری طرف ایسے ان گنت نفسیاتی و جذباتی عوامل بھی ہوتے ہیں جن سے نپٹتے نپٹتے انہیں شدید قسم کے ذہنی و دماغی دباؤ اور تناؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔

کہا جاتا ہے کہ اگر کسی ملک کی سرحدوں کی محافظ اس کی افواج ہوتی ہیں تو اس کی تہذیب و تمدن کے محافظ اس کے اساتذہ ہوتے ہیں۔ استاد جو ناپختہ اور کچے اذہان کو شعور عطا کرتا ہے، کسی ادیب یا فنکار کی طرح کا تخلیق کار ہوتا ہے۔ جس طرح ایک تخلیق کار کے لیے اپنے کام کے لیے ذہنی آزادی اور تائید و تحسین درکار ہوتی ہے، اسی طرح ایک استاد کو بھی باطنی تخلیقی عمل کے لیے کسی اتھارٹی کی حکم آوری سے بھی نجات کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنی محنت و جستجو اور خلوص کے صلے میں ادارے کی طرف سے داد و تحسین کا متقاضی بھی ہوتا ہے اور اسے اپنے فرائض کی بہتر ادائیگی کے لیے ذہنی آزادی کا احساس بھی درکار ہوتا ہے تاکہ وہ طلبہ کی ذہنی و نفسیاتی سطح کو جانچتے ہوئے اپنے طریقہ کار سے ان کے جذباتی، معاشرتی و نفسیاتی مسائل کا حل نکال سکے۔ ان کی ایسی ذہنی تربیت کر سکے کہ جو انہیں ان کے نظریات قائم کرنے میں مددگار ثابت ہو سکے۔ لیکن ہمارے زیادہ تر نجی تعلیمی اداروں نے انہیں اپنا محض ایک ''ملازم'' بنا رکھا ہے جو ہر وقت سربراہ ادارہ کے احکامات کے منتظر رہتے ہیں۔ وہ کلاس میں کن موضوعات پر بات کرے گا، تاریخ پر کن تناظر سے روشنی ڈال سکے گا، کن اختلافی نکات کو زیر بحث لا سکتا ہے اور کن کو نہیں، نصاب میں

کون سی کتاب شامل کی جائے گی، اور کون سی نہیں، یہ سب سربراہان ہی طے کرتے ہیں یا پھر ان کے معاونین۔ ایک ہی وقت میں ایک استاد کو سربراہ، نائب سربراہ، مضمون انچارج، اور اگر ایک سے زیادہ پارٹنر یا ٹرسٹیز ادارہ چلا رہے ہیں تو ان پارٹنرز یا ٹرسٹیز کی بھی سننا اور ان کے احکامات کی بجا آوری کو ممکن بنانا ہوگا۔ یہی نہیں بلکہ معمولی غفلت پر ان سے کھری کھری سننے کا بھی ان میں حوصلہ ہونا اس ملازمت کی ایک خاص شرط ٹھہرتی ہے۔ اور انتہائی کرب آمیز حقیقت یہ بھی ہے کہ کئی اسکولوں میں تو اساتذہ کو والدین سے بھی بے نقط سننا ہوتی ہے، لیکن اگر وہ ایسا حوصلہ خود میں پیدا نہ کر سکیں تو انہیں اس صورت میں ملازمت سے بھی ہاتھ دھونے پڑ سکتے ہیں(1)۔

## شعبہ تعلیم میں کام کرنے والی خواتین کے مسئلہ کا حل

اوپر دی گئی معلومات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ خواتین کی معلمانہ ملازمت کے حوالے سے پاکستانی معاشرہ اپنی ترقی کے ارتقاء میں سے گزر رہا ہے۔یہی وجہ ہے کہ معلمات کو ہر قدم پر گوناں گوں مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ان مسائل کو کم کرنے اوران پر قابو پانے کے لیے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

خواتین کے لیے تعلیم کا حصول زیادہ سے زیادہ آسان بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے تعلیمی اداروں کی تعداد بڑھائی جائے تاکہ تعلیم یافتہ خواتین زیادہ سے زیادہ تیار ہو سکیں۔

خواتین کی تعلیم کے لیے ان مضامین کو زیادہ اہمیت اور فوقیت دی جانی چاہیے جن کے ذریعے نہ صرف ان کی اسلامی روایات واقدار کے مطابق تربیت ہو سکے بلکہ وہ آگے بھی یہی تربیت اپنی طالبات میں منتقل کر سکیں۔

خواتین کے تعلیمی اداروں یعنی اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں صرف خواتین معلمات کا تقرر کیا جانا چاہیے تاکہ مخلوط سٹاف کے ہوتے ہوئے پیش آنے والے مسائل کی بیخ کنی کی جا سکے۔

پرائیویٹ اداروں کو بھی سکیل کے اعتبار سے قانون کا پابند بنایا جانا چاہیے تاکہ تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ استحصال کو بھی روکا جا سکے۔

خواتین اساتذہ کی تنخواہ مرد اساتذہ کے برابر کی جانی چاہیے۔

اگر کسی خاتون معلمہ کے ساتھ معاشی یا جنسی استحصال کی رپورٹ سامنے آئے تو عدالت کو بلاتامل وتاخیر ظالم کے خلف اسلامی حدود وتعزیرات کے مطابق سخت قانونی کارروائی کرنی چاہیے۔

---

1۔ فارینہ الماس، خواتین اساتذہ کا استحصال،

https://daleel.pk/2017/03/23/35874

خواتین معلمات کے گھرانے میں اصحابِ مختار حضرات کے لیے تربیتی و اصلاحی پروگرام منعقد کرنے چاہئییں اوران پروگراموں کے توسط سے انہیں شعوری طورپران کی معلمات خواتین کے مسائل سے آگاہ کرناچاہیے۔

محکمہ تعلیم میں خواتین کے پیشہ ورانہ مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک مخصوص شعبہ قائم کرناچاہیے اور تمام خواتین معلمات کواس شعبے تک رسائی دی جانی چاہیے۔

شعبہ تعلیم میں بہتری کے لیے سرکاری اداروں کی طرح نجی اداروں کو بھی قانونی ضابطے میں لاناچاہیے۔اس سے نہ صرف تعلیم میں بہتری آئے گی بلکہ معاشرے میں خواتین کامقام ومرتبہ بھی بہتر ہوگا۔

## خلاصہ باب

ملازمت پیشہ خواتین کے لیےلازمی ہے کہ وہ ملازمت اختیار کرنے سے قبل ان شرعی اصول وضوابط کی پیرو ی یقینی بنائیں جو اسلام نے پیش کیے ہیں۔انہیں ولی کی اجازت کے بغیر ملازمت نہیں کرنی چاہیے اوراسی صورت میں ملازمت اختیار کرنی چاہیے اگرانتہائی مجبوری ہو۔ڈیوٹی کے اوقاتِ کار کے دوران غیر محرم کولیگز کے سامنے زیب و ز ینت کااظہار نہیں کرناچاہیے۔ایسے فیشن اور لباس وتراش خراش سے گریز کرناچاہیے جو جاہلیت کے تبرج میں شمار ہو تے ہیں۔کسی ایسی کمپنی میں کام نہیں کرناچاہیے جس کایونیفارم مردوں کے لباس سے میل کھاتاہو۔ایسی ملازمت سے گریز کرناچاہیے جس میں نامحرم مردوں کے ساتھ خلوت میں کام کرناپڑے۔

جو خواتین ملازمت کواختیار کرتی ہیں ان سے متعلق اب تک کی دستیاب معلومات کے مطابق یہ معلوم ہو پایا ہے کہ انہیں مردوعورت کے تفوق کی جنگ میں امتیاز کانشانہ بنایاجارہاہے۔مردوں کے کام کو ہر شعبے میں فوقیت دی جاتی ہے اوران کی تنخواہ مردوں کی تنخواہ سے کم ہوتی ہے۔خواتین ابھی تک کسی بھی شعبے میں مکمل طورپر خود مختار نہیں ہو پائی ہیں کیونکہ ان کی ملازمت اورانتظامی امور کی راہ میں بار بار سماجی، معاشرتی، خاندانی اور غلط مذہبی تاویلات رکاو ٹ بن جاتی ہیں۔مردان کی نسوانیت کاجنسی استحصال کرنے سے باز نہیں آتے ہیں اور ایساکوئی ادارہ نہیں ہے جوان کے معاشی استحصال کے لیے عملی طورپر کام کرنے والاہو۔

خواتین کے لیےاوقات کار کاغیر موزوں ہونا،ان کے لیے ذرائع نقل وحمل کاانتظام نہ ہونا،ان کے بچوں کے لیے ڈے کیئر سینٹر کاانتظام نہ ہونا،ان پران کی بساط سے زیادہ بوجھ ڈال دینا،ان کی سفارشات اور تجاویز کو یکسر نظر انداز کردینا،ان کے ساتھ بدتمیزانہ اور بداخلاقیانہ سلوک کرناوغیرہ ایسے مسائل ہیں جو ہر شعبہ میں کام کرنے والی خو اتین کودرپیش ہیں۔

ان مسائل کا یہی حل ہے کہ سب سے پہلے اسلام نے خواتین کو جو تحفظ فراہم کیا ہے اس تحفظ کو عملی طور پر نافذ کیا جائے۔ مردوں اور عورتوں کے کام کرنے کے لیے الگ الگ محکمے اور شعبے بنائے جائیں۔ کسی بھی خاتون کی طرف سے کسی بھی قسم کے استحصال کی شکارت ہو تو بلا تاخیر اس پر ایکشن لیا جانا چاہیے۔

# نتائج بحث

1. معاش سے متعلقہ امور دنیا بھر میں زیر بحث ہیں کیونکہ وسائلِ حیات کی تعداد کم جب کہ ضروریات کی تعداد زیادہ ہے۔ مسلمان اور غیر مسلم مفکرین نے اس کو بقائے حیات سے متعلق معاشی سرگرمیوں سے مربوط کیا ہے۔
2. پوری دنیا میں معاشی اعتبار سے اہم مسئلہ یہی ہے کہ یہاں مقاصد اور ضروریات زیادہ جب کہ وسائل کم ہیں۔
3. معاشی مسئلہ کو حل کرنے ہیں مذاہب عالم کے پیروکار اس لیے ناکام رہے ہیں کہ ان کے مذہبی نظام پر رہبانیت غالب ہے جو عملِ اکتساب کی حوصلہ شکنی کرتی ہے۔
4. اس کے برعکس اسلام نے نہ صرف مال کمانے کی بھرپور ترغیب دی ہے بلکہ مال کمانے کے دوران حلال اور حرام سے متعلق بھی واضح احکامات متعارف کروائے ہیں۔
5. ہر تہذیب میں مردوں کی طرح خواتین بھی معاشی مسائل سے نبرد آزما نظر آتی ہیں جن میں سے قبل از اسلام کے حوالے سے حضرت حوا، حضرت مریم اور حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔
6. اسلام نے کسبِ معاش کی ذمہ داری مرد کے کاندھوں پر ڈالی ہے البتہ مجبوری کی حالت میں عورت کو بھی اس کی اجازت دے رکھی ہے۔
7. عہد رسالت میں خواتین نے کئی معاشی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ان میں تجارت، کاشت کاری، گلہ بانی، باغبانی، تعلیم و تعلم، کپڑے کی صنعت، چمڑے کی صنعت، میدان جنگ میں خدمات، طب اور رضاعت شامل ہیں۔
8. پاکستان میں خواتین کو ان کے معاشی حقوق دلانے کے لیے قانونی سطح پر سنجیدہ کوششیں کی گئی ہیں۔اس ضمن میں 1962، 1956 اور 1973 کے آئین میں مستقل شقیں موجود ہیں۔
9. وطنِ عزیز میں اسلامی تعلیمات کے عام ہونے اور قانونی تشکیل کے باوجود خواتین کے متعدد معاشی مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جن میں حق وراثت سے محرومی، نان و نفقہ سے محرومی، زبردستی حق مہر کی معافی وغیرہ سرِ فہرست ہیں۔
10. عورت اپنے معاشی مسائل کو حل کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلے تو اس ضمن میں اسلام نے اس کے لیے واضح تعلیمات دی ہیں اور اس کے لیے حدود و قیود متعین کی ہیں۔ان میں ولی کی اجازت، اجنبیوں کے سامنے زینت کے اظہار سے گریز، غیر مہذب فیشن سے گریز، مردانہ مشابہت سے گریز، نامحرم مردون کے ساتھ خلوت سے گریز، ستر پوشی کا اہتمام وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

11. زراعت کے میدان میں خواتین کو کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جن میں طبّی سہولیات کا فقدان، مرد کے مقابلے میں معاوضے میں کمی، زمینداروں کی جانب سے ناروا سلوک، تعلیم کا فقدان، جدید وسائل کے استعمال سے لاعلمی اور زمین کی ملکیت کے حق سے محرومی شامل ہیں۔ان مسائل پر قابو پانے کے لیے خواتین کے لیے تعلیم کا انتظام کرنا، ان کو زمین کی ملکیت کا حق دینا، ان کا معاوضہ مردوں کے برابر کرنا اور زمین داروں کو قانو ن کی سختی کے ذریعے قابو میں رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

12. تاجر پیشہ خواتین کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ان میں ناتجربہ کاری، مالی وسائل کی عدم دستیابی، معاشرے کی جانب سے عدم تعاون، خاندان کی جانب سے اجازت کا نہ ملنا، باہمی رابطوں کی کمی اور دیگر نفسیاتی مسائل شامل ہیں۔ان پر قابو پانے کے لیے حکومتی سطح پر کام کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرتی اور خاندانی سطح پر خواتین کے ساتھ معاونت کے دروازے کھولے جانے چاہییں۔

13. عسکری میدان میں کام کرنے والی خواتین مغربی دنیا میں جنسی ہراسگی کا شکار ہیں جب کہ پاکستان میں ایسا کوئی کیس سامنے نہیں آیا ہے۔یہاں خواتین کے عسکری شعبے میں دفتری امور میں کام دیا جاتا ہے البتہ انہین فضائی فو ج میں فائٹر جیٹ اڑانے تک کی تربیت بھی دی گئی ہے۔

14. طبّی میدان میں کام کرنے والی خواتین کے مسائل میں سے اوقات کار کا مسئلہ، مرد ساتھیوں کے رویے کا مسئلہ، نقل و حمل کے مسائل، ڈے کیئر سنٹر کے مسائل شامل ہیں۔ان کے حل کے لیے ہسپتالوں کی انتظامیہ کو خاطر خواہ اقدام کرنے چاہییں۔

15. شعبہ تعلیم میں کام کرنے والی خواتین کے مسائل میں جنسی امتیاز اور جنسی ہراسگی دونوں شامل ہیں۔اس کے حل کے لیے اسلامی نظامِ تعلیم کا نفاذ ہونا چاہیے اور جنسی ہراسگی کے مجرموں پر اسلامی تعزیرات کا نفاذ کرنا چاہیے۔

# سفارشات

خواتین کی ملازمت ایک اہم معاشی، معاشرتی، دینی اور نفسیاتی موضوع ہے۔ مقالہ ہذا کے دوران جن پہلوؤں پر کام کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ :

1. دینی تعلیم کی معلمات کے معاشی خدمات واحوال اوراس سے متعلقہ مسائل پر ایک مستقل تحقیق ہونی چاہیے۔
2. مسلمان دنیا کی خواتین ماہرین معاشیات کے افکار پر ایک مستقل تحقیق ہونی چاہیے۔
3. مسلمان دنیا میں خواتین کے کاروبار اور ملازمت کے حوالے سے کام کرنے والی این جی اوز کے کردار پر ایک مستقل تحقیق ہونی چاہیے۔

# فهارس

# 1۔ فہرست آیات


| م | آیت | سورة | الآيةنمبر | رقم الصفحة |
|---|---|---|---|---|
| ١ | {هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ...} | البقرة | ٢٩ | ١٩ |
| ٢ | {الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ...} | // | ٢٢٩ | ١١١ |
| ٣ | {وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ...} | // | ٢٣٣ | ٨٣، |
| ٤ | {لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ...} | // | ٢٣٦ | ١٠٣، ١٠٩ |
| ٥ | {وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ } | // | ٢٤١ | ١١٠ |
| ٦ | {وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ...} | النساء | ٤ | ١١٧ |
| ٧ | {وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ...} | // | ٥ | ٣٠ |
| ٨ | {يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ...} | // | ١١ | ٩٣ |
| ٩ | {تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ...} | // | ١٣ | ٩٣ |
| ١٠ | {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ...} | // | ١٩ | ١١٧،١٠٤ |
| ١١ | {وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ...} | // | ٢٠ | ١٢٠ |
| ١٢ | {وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ ...} | // | ٢٥ | ١١٨ |
| ١٣ | {وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ...} | // | ٣٣ | |
| ١٤ | {الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ...} | // | ٣٤ | ٣٥، ١٠٤ |
| ١٥ | {وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي...} | // | ١٠٠ | ٢٢ |
| ١٦ | {وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ...} | الأنعام | ٣٨ | ١٩ |
| ١٧ | {وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ...} | النحل | ١٤ | ٢٨ |
| ١٨ | {وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا...} | الإسراء | ١٢ | ٢٩ |
| ١٩ | {وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ...} | // | ٢٣ | ١٠٧ |
| ٢٠ | {رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ...} | // | ٦٦ | ٢٨ |
| ٢١ | {وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ...} | // | ٧٠ | ٣٢ |

| رقم الصفحة | الآيةنمبر | سورة | آيت | م |
|---|---|---|---|---|
| ٤٧ | ٢٥ | مريم | {وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا } | ٢٢ |
| ١٢٨ | ٣٠ | النور | {قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ...} | ٢٣ |
| ١٥٤ | ٣١ | // | {وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ ...} | ٢٤ |
| ٨٣ | ٧ | القصص | {وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ مُوسَى أَنْ أَرْضِعِيهِ فَإِذَا خِفْتِ...} | ٢٥ |
| ١٠٤ | ١٢ | // | {وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِن قَبْل} | ٢٦ |
| 46 | ٢٣ | // | {وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِنَ النَّاسِ...} | ٢٧ |
| ٢٣ | ٧٧ | // | {وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ...} | ٢٨ |
| ٢٣ | ١٧ | العنكبوت | {إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ...} | ٢٩ |
| ١٠٧ | ١٥ | لقمان | {وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ...} | ٣٠ |
| ٣٥،١٢٨ | ٣٣ | الأحزاب | {وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى ...} | ٣١ |
| ١٣٦ | ٥٩ | // | {يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ ...} | ٣٢ |
| ٢٣ | ٣٩ | النجم | {وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى } | ٣٣ |
| ٣٢ | ١١ | الجمعة | {وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا...} | ٣٤ |
| ١٠٣،١١٠ | ٦ | الطلاق | {أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ...} | ٣٥ |
| ١٠٣،١٠٩ | ٧ | // | {لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ...} | ٣٦ |
| ١٢ | ١٥ | الملك | {هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا ...} | ٣٧ |
| ٦٤ | ٨ | الانشقاق | {فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا } | ٣٨ |

# 2۔فہرست احادیث



| احادیث | کتاب | صفحہ |
|---|---|---|
| اخرجی فجدی نخلك، لعلك ان تصدقی | سنن ابو داؤد | ۵۴ |
| اذا انفق المسلم نفقة علی اهله وهو یحتسبها | صحیح بخاری | ۱۰۵ |
| اذا صلیتم الفجر فلا تنوموا عن طلب ارزاقکم | المعجم الاوسط | ۲۵ |
| اعرض الله عنه حتیٰ یضعه | سنن ابن ماجه | ۱۳۱ |
| الا لا یخلون رجل بامراءة الا کان ثالثهما الشیطان | مستدرک حاکم | ۱۳۳ |
| الا یحل لرجل یومن بالله ان یخلو بامراءة | مصنف عبد الرزاق | ۱۳۴ |
| البسه الله ثوب مذلة یوم القیامة ثم الهب فیه نارا | سنن ترمذی | ۱۳۱ |
| الذنوب ذنوب لا یکفرها الا الهم فی طلب المعیشة | مجمع الزوائد | ۲۵ |
| المطلقة ثلاثا لها السکنی والنفقة | سنن دار قطنی | ۱۱۱ |
| ان الله یحب المومن المحترف | المعجم الاوسط | ۳۳ |
| ان اطیب ما اکلتم من کسبکم | غوث المکدود | ۲۴ |
| ان اعظم النکاح برکة ایسره مونة | مسند احمد | ۱۲۰ |
| ان الشیطان یحب الحمرة فایاکم والحمرة وکل | شعب الایمان | ۱۳۰ |
| ان تطعمها إذا طعمت ، وتکسوها إذا اکتسیت | سنن ابو داؤد | ۱۰۴ |
| انه اذن لکم ان تخرجن لحاجتکن | صحیح بخاری | ۳۷ |
| شر نسائکم المتبرجات المتخیلات وهن المنافقات | سنن الکبریٰ | ۱۲۸ |
| صلاة المراة في بیتها افضل من صلاتها في حجرتها | سنن ابو داؤد | ۳۶ |
| طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة | شعب الایمان | ۲۴ |
| عمل الرجل بیده وکل بیع مبرور | مسند احمد | ۲۴ |
| قري في بیتك، فإن الله تعالی یرزقك الشهادة | حواله | ۷۲ |
| کاد الفقر ان یکون کفرا | مسند احمد | ۳۰ |
| لا یقعد احدکم عن طلب الرزق | مجمع الزوائد | ۲۷ |
| لا تمنعوا اماء الله مساجد الله | صحیح مسلم | ۶۱ |
| لا رهبانیة فی الاسلام | صحیح بخاری | ۳۱ |
| لان یاخذ احدکم حبله فیاتی بحزمة الحطب--- | صحیح بخاری | ۳۲ |

| | | |
|---|---|---|
| لعن رسول اللہﷺ المتشبھین من الرجال بالنساء | صحیح بخاری | ۱۳۲ |
| لیس منا من تشبه بالرجال من النساء | مسند احمد | ۱۳۳ |
| ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل | صحیح بخاری | ۲۴ |
| ما ضر عثمان ما صنع بعد الیوم | سنن ترمذی | ۳۴ |
| مثل الرافلة فی الزینة فی غیر اهلها کمثل ظلمة | سنن ترمذی | ۱۲۸ |
| من احیا ارضا میتة فهی له | سنن ابو داؤد | ۳۱ |
| من امسیٰ کالا من عمل یده امسی مغفور له | معجم الاوسط | ۳۳ |
| من لبس رداء شهرة او ثوب شهرة البسه الله | مصنف ابن ابی شیبة | ۱۳۰ |
| من رکب مشهورا من الدواب او لبس مشهورا | مصنف ابن ابی شیبة | ۱۳۱ |
| نعم المال الصالح للمرء الصالح | مسند احمد | ۳۰ |
| وتکسوها اذا اکتسیت | سنن ابو داؤد | ۱۱۰ |
| هذه لا تمسها النار ابدا | اسد الغابه | ۳۴ |
| یا ایها الناس انهوا نساءکم عن لبس الزینة | سنن ابن ماجه | ۱۲۹ |
| یا معشر النساء اما لکن فی الفضة ما تحلین به | سنن ابو داؤد | ۱۲۹ |

## 3- فہرستِ اعلام



| اعلام | صفحہ |
|---|---|
| ابن فارس | 2 |
| ابن منظور | 3 |
| ڈاکٹر اسرار احمد | 35 |
| افضل الرحمان | 40 |
| الفریڈ مارشل | 15 |
| ام مکاع | 96 |
| ایڈم سمتھ | 15 |
| خباب بن الارت | 75 |
| پروفیسر رابنز | 16 |
| راغب اصفہانی | 11 |
| رشیدہ پٹیل | 96 |
| زرتشت | 15 |
| سائرس اعظم | 16 |
| کشور ناہید | 114 |
| پروفیسر محمد نعیم صدیقی | 10 |
| ڈاکٹر محمود الطحان | 34 |
| منیر بعلبکی | 15 |
| محمد یعقوب فیروز آبادی | 12 |
| یاسین مظہر صدیقی | 83 |

# 4-فہرست اماکن وبلدان



| اماکن وبلدان | صفحہ |
|---|---|
| تبوک | ۹٦ |
| تیما | ۷۰ |
| خیبر | 99،70 |
| فدک | 70 |
| مدین | 59 |
| سندھ | 120 |
| بلوچستان | 120 |
| پنجاب | 120 |
| لاہور | 90 |
| تھر | 122 |
| مصر | 87 |
| شام | 87 |
| حنین | 99 |
| طائف | 99 |
| احد | 93 |
| بدر | 92 |

# مصادر و مراجع

## عربی کتب


١. إبراهيم أنيس وعبد الحليم منتصر وغيرهما، المعجم الوسيط، مجمع اللغة العربية - مكتبة الشروق الدولية، ٢٠٠٤ء

٢. ابن خلدون، عبد الرحمان بن محمد، کتاب العبر و ديوان المبتداء والخبر (المقدمہ)، مکتبہ دار البیان، س ن

3. ابن کثیر، ابو الفدا عماد الدین، تفسیر ابن کثیر دار الکتب العربی، بیروت

4. ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، دار السلام، لاہور

5. ابن عبد ربہ، العقد الفرید، دار الکتب العلمیہ، طبع اول۔ ١٤٠٤

6. ابن رشد، بدایۃ المجتھد، دار التذکیر، لاہور

7. ابو الحسن، مقاتل بن سلیمان، تفسیر مقاتل بن سلیمان، دار احیاء التراث، بیروت

8. ابو عبد اللہ، محمد ابن سعد، طبقات ابن سعد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ١٩٩٠ء

9. ابو بكر بن أبي شيبة، المصنف، مكتبة الرشد الرياض

10. ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، دار السلام، لاہور

١١. أحمد بن حنبل، المسند، مؤسسة الرسالة، بيروت

١٢. اصفہانی، ابو القاسم حسین بن محمد الراغب، امام، مفردات القرآن، مترجم مولانا محمد فیروز پوری، شیخ شمس الحق لاہور

١٣. افریقی، محمد بن مکرم، ابن منظور، لسان العرب، دار الصادر، بیروت

١٤. الحسین، احمد بن فارس بن زکریا، معجم المقاییس اللغۃ، دار الکتب العلمیۃ، ایران

١٥. الزمخشری، محمود بن عمر، اساس البلاغۃ، دار الکتب العلمیۃ قاہرہ

١٦. الرازی، محمد بن أبی بکر بن عبد القادر، مختار الصحاح، مکتبۃ لبنان، ١٩٨٦

١٧. الفيروز آبادي، مجد الدين، محمد بن يعقوب، القاموس المحيط، مؤسسة الرسالة، ٢٠٠٥ء

١٨. القرشی، یحی بن آدم، کتاب الخراج، بیروت، لبنان، دار المعرفہ

١٩. المتقی، علاؤ الدین علی بن حسام الدین، کنز العمال، دائرۃ المعارف حیدر آباد

٢٠. البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، دار السلام، لاہور

٢١. الطبراني، سليمان بن أحمد بن أيوب، المعجم الأوسط، دار الحرمين

٢٢. الہندی، علاؤ الدین علی متقی بن حسام الدین، کنز العمال، دار احیاء التراث العربی، بیروت

٢٣. الترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، دار السلام، لاہور

٢٤. الهيثمي، علي بن أبي بكر بن سليمان، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، مكتبة القدسي، القاهرة، ١٩٩٤ء

٢٥. الماوردي، علي بن محمد بن حبيب البصري، الأحكام السلطانية، مكتبة دار ابن قتيبة - الكويت، ١٩٨٩ء

٢٦. البيهقى، ابو بكر احمد بن حسين بن علی، شعب الايمان، دار الکتب العلمیۃ، بیروت،

27. الشیبانی، محمد بن حسن (امام)، کتاب الکسب، ناشر: عبد الهادي حرصوني، دمشق

28. الجزری، عزالدین بن الاثیر ابوالحسن علی بن محمد، اسد الغابہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

29. الواقدي، محمد بن عمر، کتاب المغازي، بپتست مشن، کلکتۃ، 1855

30. الحنظلي، عبد الرحمن بن محمد المنذر، ابن أبي حاتم الرازي، تفسير القرآن العظيم، مكتبة نزار مصطفى الباز - المملكة العربية السعودية

31. الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، مکتبہ ومطبعہ مصطفٰے البابی الحلبی، القاہرہ

32. النسفی، مدارک التنزیل وحقائق التاویل، دار الکلم الطیب، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۸ء

33. الصابونی، محمد علی، شبہات واباطیل حول تعدد الزوجات الرسول ﷺ، المکتبۃ الوقفیہ، طبع ۱۹۸۰

34. البر، ابن عبد، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار الجیل، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۲

35. العسقلانی، ابن حجر، تہذیب التہذیب، دار الکتب العلمیۃ بیروت

36. العسقلاني، أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر، الإصابة في تمييز الصحابة، دار الكتب العلمية - بيروت ۱۹۹۵ء

37. العسقلاني، أحمد بن علي بن حجر، فتح الباري شرح صحيح البخاري، دار الكتب السلفية، فيصل آباد

38. البخاری، محمد بن اسماعیل، الادب المفرد، اردو مترجم، محمد ارشد کمال، مکتبہ اسلامیہ، لاہور

39. الجصاص، أحمد بن علي الرازي، أحكام القرآن، دار إحياء التراث العربي - بيروت

40. الشوكاني، محمد بن علي بن محمد بن عبد الله، فتح القدير، دار ابن كثير، دار الكلم الطيب - دمشق، بيروت

41. الرازي، فخر الدين، مفاتيح الغيب (التفسير الكبير) تفسير الرازي، دار الفكر، بيروت

42. الصاوی، احمد بن محمد المالکی، بلغۃ السالک، دار المعارف

43. الشربيني، محمد بن أحمد الخطيب الشافعي، مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج، دار الكتب العلمية، بيروت

44. الزيلعي، عثمان بن علي، تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، المطبعة الأميرية الكبرى بولاق

45. الكاساني، أبو بكر بن مسعود بن أحمد، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، دار الكتب العلمية، بيروت

46. السيواسي، محمد بن عبد الواحد السكندري كمال الدين ابن الهمام، شرح فتح القدير على الهداية، دار الكتب العلمية بيروت، ۲۰۰۳

47. الدارقطني، علي بن عمر، سنن الدارقطني، دار المعرفة، بيروت

48. الموسوعۃ الفقہیۃ، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ، کویت

49. الإيجي، محمد بن عبد الرحمن بن محمد بن عبد الله الشافعيّ، تفسير الإيجي جامع البيان في تفسير القرآن، دار الكتب العلمية — بيروت

50. البيهقي، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى، السنن الكبرى، دار الكتب العلمية، بيروت

51. النسائی، احمد بن شعیب، سنن الکبریٰ للنسائی، دار السلام، لاہور

52. الطبراني، سليمان بن أحمد بن أيوب، المعجم الكبير، مكتبة ابن تيمية، الرياض

53. الحميري، عبد الرزاق بن همام بن نافع، المصنف، المكتب الإسلامي. بيروت

54. النووي، يحيى بن شرف، المجموع شرح المهذب، دار الفكر، بيروت

55. الرملي، محمد بن أبي العباس أحمد بن حمزة بن شهاب الدين، نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، دار الفكر، بيروت

56. المغربي،ابو عبداللہ محمد بن محمد بن عبدالرحمن، مواہب الجلیل، دار عالم الکتب، بیروت
57. الغرناطي، محمد بن يوسف بن أبي القاسم بن يوسف العبدري، التاج والإكليل لمختصر خليل، دار الكتب العلمية بيروت
58. الأندلسي، يوسف بن عبد الله بن عبد البر النمري، التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد، وزارة الأوقاف الإسلامية المغرب
59. امیر علی سید، فتاوی عالم گیری، مکتبہ رحمانیہ، لاہور
60. باشا، حمد قدری، کتاب الاحکام الشرعیۃ فی الاحوال الشخصیۃ ناشر و سن اشاعت غیر مطبوع
61. بکری دیار (علامہ)، تاریخ الخمیس مطبوعہ مطبعۃ العامرہ العثمانیہ مصر
62. بلاذری، احمد بن یحیٰ بن جابر، فتوح البلدان، دار الکتب العلمیۃ، بیرت
۶۳. جزری ،ابن الاثیر ابوالسعادات مبارک بن محمد بن محمد بن عبد الکریم، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان
64. جزیری، عبدالرحمان، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الثانیۃ
65. جمعہ ،احمد خلیل، ازواج الانبیاء، اردو ترجمہ مولانا محمد عبدالرشید قاسمی کتب خانہ شانِ اسلام، لاہور
66. سیوطی، عبدالرحمن جلال الدین، اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۶ء
۶۷. شقہ، عبدالحلیم، تحریر المراۃ فی عصر الرسالۃ، دار التعلم، کویت
68. عابدین، محمد أمین بن عمر، رد المحتار علی الدر المختار، دار الفکر- بیروت
69. عبداللہ بن أحمد بن محمد بن قدامۃ، المغني، مکتبۃ القاهرۃ، مصر
70. عبدالحہ الکتانی، التراتیب الداریۃ، دار الارقم، بیروت
71. عبدالرحمان بن ابی حاتم، تفسیر القرآن العظیم مسندا عن الرسول ﷺ والصحابۃ والتابعین، مکتبۃ نزار الباز السعودیۃ طبع ۱۹۹۹ء
72. عبدالملک بن ھشام، سیرۃ ابن ہشام، دار الکتب العلمیۃ بیروت
73. قطب، محمد علی، بیعۃ انساء للنبی ﷺ، مکتبۃ القرآن، قاہرہ
74. مبارک پوری، صفی الرحمان، الرحیق المختوم، مکتبۃ السلفیہ، فیصل آباد
۷۵. مبارک پوری ،عبدالرحمان، تحفۃ الاخوذی، دار الکتب العربی، بیروت
76. محمد بن فتوح، الجمع بین الصحیحین، دار ابن حزم، بیروت
77. مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، دار السلام
۷۸. منیر بعلبکی، المورد، دار العلم للملایین
۷۹. میر ٹھی، زین العابدین سجاد، بیان اللسان، ادارہ علمیہ، میر ٹھ
80. نور الدین، علی ابن برہان الدین، سیرۃ الحلبیہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع ثانی، ۱۴۲۷ھ
۸۱. یعقوبی، احمد بن ابو یعقوب بن جعفر، التاریخ، دار صادر، بیروت، لبنان

**اردو کتب**

- ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، اسلامی اکادمی، لاہور
- احمد شبلی (ڈاکٹر)، تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

- اردو لغت تاریخی اصول پر، اردو لغت بروڈ، کراچی، جون ۲۰۰۳
- اسرار احمد (ڈاکٹر)، بیان القرآن، انجمن خدام القرآن، پشاور
- اسرار احمد (ڈاکٹر)، اسلام میں عورت کا مقام، انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع ۱۹۹۹
- اعوان، محبت حسین، اسلام، قانون اور مظلوم پاکستانی عورت، مکتبہ بخاری، کراچی، ۲۰۰۲ء
- افضل الرحمان، دورِ جدید میں مسلمان عورت کا کردار، فیروز سنز، لاہور، طبع ۱۹۹۴
- امیر فیاض، ڈاکٹر ، مسلمان عورت اور یورپی سازشیں، میڈیا سروسز، مینگورہ، سوات ۲۰۰۵ء
- اوزجندی، حسن بن منصور، فتاوی قاضی خان، زمزم پبلیشرز، کراچی
- بلیاوی، عبد الحفیظ، مصباح الغات، مکتبۃ قدوسیۃ، اردو بازار لاہور
- پاٹیل، رشیدہ، پاکستانی عورت کی سماجی و قانونی حیثیت، کل پاکستان انجمنِ خواتین، کراچی، ۱۹۸۱ء
- تنزیل الرحمان، جسٹس، مجموعہ قوانین اسلام، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد
- حمید اللہ (ڈاکٹر)، عہد نبوی کا نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی، کراچی، طبع ۱۹۸۷
- خالد علوی (ڈاکٹر)، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، طبع ۲۰۰۵
- دہلوی، سید احمد، فرہنگ آصفیہ، اُردو سائنس بورڈ لاہور
- دہلوی، قطب الدین خاں (نواب)، مظاہر حق، دار الاشاعت، کراچی
- سلیم منصور خالد، عورت، خاندان اور ہمارا معاشرہ، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، اسلام آباد
- سیوہاروی، حفظ الرحمان، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارہ اسلامیات، لاہور
- سیوہاروی، حفظ الرحمان، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارۃ الانوار، کراچی
- شفقہ، عبد الحلیم، عورت عہدِ رسالت میں، ادارہ نشریات، لاہور
- صبحی صالح (ڈاکٹر)، علوم القرآن، ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد
- صدیقی، یاسین مظہر (ڈاکٹر)، نبی اکرم ﷺ اور خواتین، نشریات، لاہور
- صدیقی یاسین مظہر (ڈاکٹر)، رسول اللہ ﷺ کی رضاعی مائیں، مکتبہ قاسم العلوم، ملک اینڈ کمپنی
- صدیقی، سعید احمد، معاشی تجزیہ، اورینٹ پبلشرز، کراچی، ۱۹۷۷
- طیبی، محمد یوسف، مسنون شادی، دار الاندلس، لاہور
- عابدہ خواجہ (ڈاکٹر)، اسلامی نظام معاشرت میں مسلمان عورت کا کردار، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی، یونیورسٹی آف پنجاب، ۱۹۹۰
- غفاری، نور محمد (ڈاکٹر)، اسلام کا معاشی نظام، شیخ الھند اکیڈمی، کراچی
- فاخرہ تحریم، عورت کا المیہ، ادارہ تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۹ء
- فتاویٰ ہندیہ، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
- قطب، سید، فی ظلال القرآن، دار الشروق، بیروت

- کاندھلوی،ادریس، سیرت مصطفیٰ، کتب خانہ مظہری، کراچی
- کشور ناہید، عورت، خواب اور خاک کے درمیان، گلِ رنگ پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۵ء
- کلامِ مقدس، پاکستان بائبل سوسائٹی، انارکلی بازار، لاہور
- گیلانی، ناظر احسن، اسلامی معاشیات، مطبع شیخ شوکت علی، ۱۹۶۲، کراچی
- ماہنامہ بینات، جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن
- محمود احمد ظفر حکیم، معیشت و اقتصاد کا اسلامی تصور، ادارہ اسلامیات، لاہور
- محمد اقبال (علامہ) ، علم الاقتصاد، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۹۱
- محمد شفیع (مفتی)، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی
- مسلمان عورت، خانہ فرہنگ جمہوری ایران، طبع ۱۹۸۵
- منصور پوری، سلیمان (قاضی)، رحمۃ للعالمین، مرکز الحرمین الاسلامی، فیصل آباد
- مودودی، ابوالاعلیٰ سید، حقوق الزوجین، اسلامک پبلشنگ ہاؤس، لاہور
- مودودی، ابوالاعلیٰ سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
- نعمانی، شبلی، سیرۃ النبی، مکتبۃ الاسلامیہ، فیصل آباد
- نعیم صدیقی (ڈاکٹر)، اسلام اور جدید معاشی تصورات، ناشر و سن طباعت غیر مطبوعہ


### انگریزی مراجع


- Anis Mirza, Women in public life, October, 1972, Lahore
- Baberino, Francesco: Encyclopedia of Education , London
- Encyclpedia Britannica, Vol 6, Pub willion Berton, 1973
- Encyclopaedia of Social Science , Edwin Rebert Aderson mamcmillan Publishers, 1967
- Marshall, Alfred; Marshall, Mary Paley (1888) [1879]. The Economics of Industry. Macmillan.
- Jevons, William Stanley (1879). The Theory of Political Economy (second ed.). Macmillan and Co
- Free, Rhona C., ed. (2010). 21st Century Economics: A Reference Handbook. Volume 1. SAGE Publications
- Ganga Ram Garg, World Perspectives on Swami Dayananda Saraswat
- Indian Express. New Delhi: Indian Express Group of Newspapers
- International Journal of Business Administration
- IOSR Journal of Business and Management
- Journal of the American Academy of Religion
- Journal of Managerial Psychology
- Journal of Business Ethics

- Journal of Developmental Entrepreneurship
- Journal of Academic Research in Business and Social Sciences
- M. Mazhar u Din Siddiquie, Women in Islam, 2015
- Marshall, Alfred (1890). Principles of Economics. Macmillan and Company
- Pakistan Journal of Agriculture & Science
- Robbins, Lionel (2007) [1932]. An Essay on the Nature and Significance of Economic Science. Ludwig von Mises Institute.
- Sarhad J. Agric
- Schumpeter, J. A. (2000). Entrepreneurship as innovation Entrepreneurship: The Social Science View
- SSRG International Journal of Humanities and Social Science ( SSRG – IJHSS )
- The Journal of Socio-Economics
- The Journal of Entrepreneurship
- The Journal of Entrepreneurship
- The Express Tribune
- The New Palgrave Dictionary of Economics (second ed.)
- Universal Journal of Management and Social Sciences
- www.fao.org
- WOMEN’S BUSINESS OWNERSHIP:RECENT RESEARCH AND POLICY DEVELOPMENTS 2006 , Department of Marketing, University of Strathclyde
- Willine Glossory of Judicial and Revenal term A.H.Hمقتدرہ قومی زبان,1985

**ذرائع ابلاغ وویب سائٹس**

1. روزنامہ خبریں

1. dailyazadiquetta.com
2. daleel.pk
3. dawn.com
4. ssrn.com
5. storyofpakistan.com
6. urdu.arynews.tv
7. www.bbc.com/urduwww.aikrozan.com
8. www.bbc.com
9. www.pkrevenue.com